یہ سرگزشتِ حیات میری، نہ سمجھے کوئی اسے فسانہ
علومِ نبوی کی جستجو کا یہ اک مرقع ہے والہانہ

سرگزشتِ حیات

(خودنوشت سوانح)

مؤلف

مولانا ڈاکٹر محمد ابو اللیث خیرآبادی

(پروفیسر و چیئر ہولڈر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا)

ترتیب وتہذیب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مکتبہ ضیاء الکتب
خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)


مدرسہ منبع العلوم خیرآباد


دارالعلوم دیوبند


مدرسۃ الاصلاح سرائے میر


مدینہ یونیورسٹی


جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ


انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا

یہ سرگزشتِ حیات میری، نہ سمجھے کوئی اسے فسانہ
علومِ نبوی کی جستجو کا یہ اک مرقع ہے والہانہ

سرگزشتِ حیات

(خودنوشت سوانح)

مؤلف

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی

(پروفیسر و چیر ہولڈر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا)

ترتیب وتہذیب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ: 276403 موبائل: 9235327576

تفصیلات

نام کتاب	:	سرگزشتِ حیات (خودنوشت سوانح)
مؤلف	:	مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی
مرتب	:	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات	:	**256**
طبع اول	:	جولائی ۲۰۲۱ء
ناشر	:	مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت	:	**300/=**
ای میل	:	**zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبہ عکاظ دیوبند

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926

☆ مکتبہ احسان لکھنؤ

☆ البلاغ، پبلی کیشنز، اعظمی اپارٹمنٹ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تشکّر و امتنان

میرے لئے یہ انتہائی خوشی اور قلبی مسرت کی بات ہے کہ میری خودنوشت سوانح شائع ہوکر منظر عام پر آرہی ہے، میں نے اس کے لکھنے میں کسی تکلف، تصنع اور تواضع سے کام نہیں لیا ہے، جو کچھ میں نے محسوس کیا بے کم وکاست قلم بند کردیا ہے۔ خدا کرے یہ کتاب لوگوں کے لئے مفید اور نافع بنے۔ اس کتاب کے ذریعہ میں، میرا خاندان، میری اولادیں اور میرے محسنین ومتعلقین صدیوں تک لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں زندہ رہ جائیں گے۔

ڈھیر ساری دعائیں اور شکریہ عزیز گرامی، محبّ فاضل مولانا حافظ ضیاء الحق خیرآبادی حاجی بابو کے لئے، کہ انھیں کی تحریک پر یہ کتاب لکھی گئی، اور انھیں کے شوق ودلچسپی اور کوشش وکاوش کے نتیجہ میں ان کے مکتبہ ضیاء الکتب سے شائع ہوکر لوگوں کے سامنے آرہی ہے، اگر حاجی بابو کا اصرار نہ ہوتا تو یہ کتاب لکھی ہی نہ جاتی، انھوں نے اسے لکھوایا، پھر بڑے ہی شوق سے اسے مرتب اور کمپوز کیا پھر میری فرمائش پر نہایت شاندار وجاندار قسم کا مقدمہ لکھا جو اُن کے زورِ قلم کا شاہکار ہے، پھر اسے اعلیٰ اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع کیا۔

میرا پورا وجود ان کے لئے دعاگو ہے کہ باری تعالیٰ ان کے ذہن وقلم اور علم وعمل میں خوب برکت دیں، دنیا وآخرت کی خوشیوں سے ان کا دامن بھر دیں، ہر دو جہاں کی کامیابی وکامرانی اور سرخروئی وسرفرازی سے بہرور فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

میں اپنے مخلص دوست مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر پوری کتاب دیکھی، جزاکم اللہ خیراً

محمد ابواللیث خیرآبادی

۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵؍مئی ۲۰۲۱ء سہ شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

آپ بیتی یا خودنوشت سوانح اس خاص فن نگارش کو کہتے ہیں جس میں لکھنے والا اپنی ذات کو سامنے رکھ کر ان تمام احوال وکوائف ،افراد وشخصیات ،سماج ومعاشرہ اور ماحول ومقام کا ذکر کرتا ہے جو اس کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں مؤثر رول ادا کرتے ہیں ، وہ ان تمام واقعات وکیفیات سے قاری کو آگاہ کرتا جاتا ہے جن سے مختلف احوال ومواقع پر وہ دوچار رہوار ہتا ہے، کہ کس چیز یا شخصیت نے اس پر مثبت اثر ڈالا اور کس چیز نے منفی؟ پھر اس کی زندگی کے نشیب وفراز نے زندگی کا رخ متعین کرنے میں کیا کردار ادا کیا؟ ان تمام باتوں کو وہ قارئین کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ اب وہ اس کی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرلیں کہ وہ اچھی ہے یا بری، کامیاب ہے یا ناکام، لائق اتباع ہے یا قابل رد؟

گزشتہ پون صدی میں اردو زبان میں بھی بکثرت آپ بیتیاں لکھی گئیں ، جو بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھی گئیں ، اوران سے ہر ایک نے بقدر ظرف فائدہ اٹھایا۔ نہ جانے ان کو پڑھ کر کتنی زندگیوں میں تبدیلی آئی اور کتنے شکستہ حوصلوں میں جان پیدا ہوئی۔ لکھنے والوں میں علماء ومشائخ ،شعراء وادباء ، سیاستداں وسرکاری عہدیدار اور جاگیردار وزمیندار ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔مشہور زمانہ رسالہ ’’نقوش‘‘ لاہور کا دو ضخیم جلدوں میں ’’آپ بیتی نمبر‘‘ تو بہت مشہور ہوا، جو اِس موضوع پر بہت اہم دستاویز ہے۔اب تو اس موضوع پر نہ جانے کتنی پی ایچ ڈی ہو چکی ہے،اور کتنی کتابیں اور خصوصی نمبرات نکل چکے ہیں۔

آپ بیتیوں کی افادیت ایک ایسی مسلم چیز ہے جس سے انکار مشکل ہے۔ یہ آپ بیتیاں کسی عظیم ہستی اور مشہور شخصیت کے مکمل تعارف، اس کے مزاج ونظریہ اور پسند ورجحان کے جاننے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں، یہ شخصیت کو بنانے، کردار کو سنوارنے اور زندگی کی راہ متعین کرنے میں اور کسی کو اسوہ ونمونہ بنا کر زندگی کا سفر طے کرنے میں بہت معاون ہوتی ہیں، خاص طور سے جب وہ کسی ایسے شخص کے قلم سے ہوں جو ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اور اس کا کوئی خاص خاندانی پس منظر نہ ہو، اس کی سیرت وشخصیت کی تکمیل میں خود اس کی اپنی ذاتی محنت وکوشش اور جد وجہد کا دخل ہو، ایسی آپ بیتیوں کو پڑھ کر ایک عام انسان اور طالب علم کے اندر بھی یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے جیسا ایک عام انسان اپنی ذاتی محنت وکوشش سے علم وفضل کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے تو ہم بھی اگر ویسی ہی محنت وجانفشانی سے کام لیں تو ہم کیوں وہاں تک نہیں پہنچیں گے، یہ چیز اس کے جذبۂ عمل کو بیدار کرتی ہے اور اس کے حوصلوں کو مہمیز کرتی ہے۔ جیسے ہمارے دور میں مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا عبدالرحمٰن حیدرآبادی، احسان دانش اور استاذی مولانا اعجاز احمد اعظمی وغیرہ کی آپ بیتیاں، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کاوش سے اپنا مقام بنایا۔

آپ کے سامنے جو ''سرگزشتِ حیات'' ہے، وہ بھی ایک ایسے ہی شخص کی داستان حیات ہے جو ایک گاؤں، دیہات میں ایک عام گھرانے میں پیدا ہوا۔ گاؤں کے عام بچوں کی طرح مکتب میں بٹھادیا گیا، جہاں عام بچوں کی صحبت سے متاثر ہوکر اس نے مکتب سے بھاگنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن توفیق الٰہی اس کی دستگیری کرتی رہی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے مکتب میں پہنچاتی رہی۔ اسی دوران اس کی والدہ کے انتقال نے اس کی طبیعت پر غیر معمولی اثر ڈالا، اور اس کی طبیعت کا رخ بدلنا شروع ہوا، اس کی والدہ اسے نصیحت کیا کرتی تھیں کہ ''بیٹا! شرارت نہ کیا کرو، خوب محنت سے پڑھو، تمہیں بہت بڑا مولانا بننا ہے''۔ ماں کی زندگی میں تو اس نصیحت کا اس پر کوئی خاص اثر نہ ہوا، لیکن جیسے ہی ماں کا ساتھ چھوٹا اس معصوم بچے نے اس کی نصیحت کو گرہ سے باندھ لیا، اور پھر پیچھے مڑکر نہیں دیکھا۔ تعلیمی سلسلہ

میں وہ مرادآباد، دیو بند اور تدریسی سلسلہ میں مالیگاؤں اور سرائے میر میں رہا، لیکن جہاں رہا اپنی محنت وکوشش اور شرافت نفس کی وجہ سے نیک نام و بلند بام رہا، اس کی تعلیم و تربیت سے طلبہ ہمیشہ مطمئن رہے۔

اس کا دور طالب علمی اور زمانۂ تدریس دونوں قدرے تنگی و ترشی میں گزرے، اس نے اس تنگی کے دور ہونے کے لئے بارگاہ الٰہی میں بڑے الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں کیں جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ومستجاب ہوئیں۔ تقدیر الٰہی نے بغیر کسی سان وگمان کے اسے بسلسلۂ تعلیم مدینۃ الرسول ﷺ میں پہنچا دیا۔ جہاں سے اس کی زندگی کا ایک نیا باب مفتوح ہوتا ہے، یہاں اسے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل ہوئی اور معاشی آسودگی بھی۔ یہاں بھی یہ شخص اپنی غیر معمولی جدوجہد کی بدولت پوری یونیورسٹی میں ممتاز ونیک نام رہا، اور اس کا تعلیمی ریکارڈ اور اخلاق وکردار نہایت روشن اور بے داغ رہا۔ مدینۃ الرسول کے بعد بخت کی نصیبہ وری نے اسے بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ ۱۳؍سال وہاں رہ کر جب جامعہ ام القریٰ سے یہ شخص نکلا تو دنیاوی تعلیم کے اعتبار سے سب سے اہم اور اعلیٰ سند ’’ڈاکٹریٹ‘‘ کا حامل تھا، اس نے یہاں بھی اللہ کے فضل وکرم اور اپنی کوشش وکاوش سے ممتاز پوزیشن کے ساتھ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

آپ نے پہچانا، خیرآباد کی خاک سے اٹھنے والا یہ معمولی دیہاتی وقصباتی طالب علم جس نے تعلیم و تدریس کے مختلف مراحل سے گزر کر جامعہ ام القریٰ سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی، اور اپنی محنت وکوشش سے علمی دنیا میں اپنی ایک پہچان وشناخت بنائی، کون ہے؟ یہ ہیں مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب خیرآبادی قاسمی پروفیسر واستاذ کرسی اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، کوالالمپور، ملیشیا۔

مولانا موصوف علم حدیث کی خدمات کے سلسلہ میں علمی دنیا میں ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں، اس موضوع پر ان کی ایک درجن کے قریب کتابیں شائع ہوکر اس فن کے ماہرین سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ عمر ستر سال سے زائد ہوچکی ہے، اس پیرانہ سالی

کے باوجود کوئی نہ کوئی علمی سلسلہ جاری ہی رہتا ہے، اس وقت امام قرطبیؒ کی ایک اہم کتاب ''التذکـــرۃ بأحوال الموتیٰ وأمـور الآخرۃ '' پر تحقیق ودراسۃ کا کام انجام دے کر پریس کے حوالہ کر چکے ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب جلد ہی قارئین کے سامنے ہوگی۔ انھیں خدمات علمیہ کی وجہ سے بورنائی، ترکی، کویت، امریکہ وغیرہ کی یونیورسٹیاں انھیں محاضرہ کے لئے مدعو کرتی رہتی ہیں۔

مولانا سال میں ایک مرتبہ ایک ماہ کے لئے اپنے وطن خیرآباد تشریف لاتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ سفر صرف اعزا واقربا واہل تعلق حضرات سے ملاقات کے لئے ہوتا ہے، ایک ماہ وطن میں رہ کر سال بھر کے علمی مشاغل کے لئے چارج ہو جاتا ہوں۔ اس ایک ماہ میں ان کے علمی مشاغل نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، قیام وطن کے دوران اعزا واقربا سے ملاقاتیں ہوتی ہیں، دوست احباب کے ساتھ پُر لطف مجلسیں ہوتی ہیں، دعوتیں ہوتی ہیں، نا ؤونوش کا دور چلتا ہے۔ وطن کے قیام میں صبح کی تفریح مولانا کے لئے لازمۂ حیات ہے، اور میں بھی اس کو ضروریاتِ زندگی میں سے شمار کرتا ہوں، اس تفریح میں تقریباً روزانہ ہی ملاقات ہوتی ہے اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع ملتا ہے۔

مولانا سے شناسائی اس وقت سے ہے جب سے شعور کی آنکھیں کھلی ہیں، مولانا اس خودنوشت میں اپنے پہلے حج کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس سال میرے قصبہ خیرآباد سے میرے انتہائی قریبی دو آدمی ہوائی جہاز سے حج کے لئے تشریف لائے تھے، مجھے ان کی تلاش بھی تھی۔ ایک حاجی صغیر احمد صاحب گرہست، اور دوسرے حاجی عبدالرحمٰن صاحب، دونوں حضرات اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ تھے، حاجی عبدالرحمٰن صاحب اپنے سب سے چھوٹے ۱۴/ماہ کے بیٹے ضیاء الحق (عرف حاجی بابو) کو بھی ساتھ لے کر حج پر آئے تھے، اس طرح حاجی بابو میرے پہلے حج کے ساتھی ہیں، اور آج اس داستان سرائی کے اصل محرک وہی ہیں جیسا کہ میں اس کی تمہید میں لکھ چکا ہوں''۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے بچپن میں جب مولانا مکہ مکرمہ سے آتے تھے تو والدین سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے۔ میں نے ابھی حال میں مولانا سے پوچھ لیا کہ آپ سے ہمارا کوئی خاندانی یا رشتہ داری کا تعلق نہیں ہے، پھر کیوں آپ سے اتنا قرب ہے، تو انھوں نے بتایا کہ ''ہمارے گھرانے سے ان کا بہت قدیم تعلق ہے، وہ بچپن میں دادی جان کے پاس ہمارے گھر بکثرت آتے تھے، ہماری سگی پھوپھی (مرحومہ حبیب النساء) کی نسبت ان کے چھوٹے چچا ظہیر الدین مرحوم کے ساتھ طے تھی بلکہ نکاح بھی ہو چکا تھا، لیکن رخصتی سے پہلے چیچک کے عارضہ کی وجہ سے پھوپھی کی بینائی جاتی رہی، اور رخصتی عمل میں نہ آسکی اور میرے شعور سے پہلے ہی پھوپھی کا انتقال ہو چکا تھا۔'' مولانا نے کہا کہ رشتہ داری اور تعلقات تو تھے ہی، شاید یہ اسی کا اثر ہو۔ یہ داستان تو مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئی، مولانا کا میرے ساتھ غیر معمولی شفقت وکرم کا معاملہ اس سے بہت پہلے سے ہے، بہر حال میرے دل میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

علمی دنیا میں ایک بلند مقام رکھنے کے باوجود مولانا نہایت خلیق ومتواضع انسان ہیں، ایثار وقربانی اور جود وسخا کا خاص جذبہ قدرت کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے کمالِ علمی کے ساتھ ساتھ دولت وثروت سے بھی بہرہ ورفرمایا ہے اسی کے ساتھ اس کو خرچ کرنے کا حوصلہ وظرف بھی دیا ہے **ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**۔ طبیعت میں ظرافت وبذلہ سنجی خوب ہے، اس لئے ان کی مجلس میں کبھی بوریت نہیں ہوتی، ہر وقت ہنستے ہنساتے رہتے ہیں۔ خیرآباد کے قیام کے دوران اس قدر سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ رہتے ہیں کہ دیکھنے والا کسی انٹرنیشنل یونیورسٹی کا پروفیسر تو دور کی بات ہے شاید عام مولوی بھی نہ سمجھے، لیکن جب کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں تو اس وقت مخاطب محو حیرت ہو کر رہ جاتا ہے کہ یہ عام سا آدمی اچانک کیسے پروفیسر اور استاذ حدیث ہو گیا۔ تمام تر علمی رفعت وبلندی کے باوجود مولانا ایک سادہ سی زندگی بسر کرتے ہیں، اور ہر شخص ان سے ملنے اور بات کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پاتا ہے۔

مولانا موصوف اور راقم الحروف کا وطن خیرآباد ہے، یہ خیرآباد ضلع مئو (سابقہ ضلع اعظم گڈھ) کا ایک قصبہ ہے، یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ قدیم کتابوں میں جس خیرآباد کا ذکر ملتا ہے اور منطق وفلسفہ کی طرف منسوب خاندان جس کے نامور علماء میں علامہ فضل امام خیرآبادی، ان کے صاحب علم وفضل فرزند علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ ہیں، وہ خیرآباد لکھنؤ کے قریب ضلع سیتاپور میں واقع ہے۔

یہ قصبہ شہر اعظم گڈھ سے ۲۰ رکلومیٹر دور بجانب مشرق اور مئو شہر سے بھی تقریباً اتنی مسافت پر بجانب مغرب مئو اعظم گڈھ ہائی وے پر اتر کی جانب واقع ہے۔ یہ ایک خوشحال مسلم اکثریتی قصبہ ہے، جس کی آبادی چالیس پچاس ہزار کے قریب ہوگی۔ یہاں آبادی کے آثار تو آج سے چھ سات صدی پہلے سے ملتے ہیں، لیکن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ آبادی کو آج سے تقریباً چار سو سال پہلے راجہ خیر اللہ شاہ (متوفی: ۷ر رجب ۱۱۲۸ھ/ ۲۷ر جون ۱۷۱۶ء) نے بسایا ہے۔ اس وقت سے یہ قصبہ مسلسل آباد چلا آرہا ہے۔

موجودہ وقت میں یہ نہایت آباد اور پُر رونق قصبہ ہے، یہاں متعدد دینی وعصری تعلیمی ادارے، کئی درجن مساجد، چار پبلک لائبریریاں اور دو کھیل کے گراؤنڈ ہیں۔ یہاں علماء وحفاظ کی کثرت کے ساتھ اچھی خاصی تعداد جدید تعلیم یافتہ حضرات کی بھی ہے۔ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مدظلہ صدر شعبہ افتاء دارالعلوم دیوبند کا تعلق اسی گاؤں سے ہے۔

یہ آپ بیتی کیسے لکھی گئی؟ کچھ گفتگو اس پر کرکے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ رفیق مکرم مولانا عبداللہ خالد نے آٹھ دس سال پہلے خیرآباد کی تاریخ پر کچھ کام شروع کیا تھا، ۴۸ر صفحات پر مشتمل اس کا ابتدائی خاکہ انھوں نے ۲۰۱۲ء میں شائع بھی کردیا تھا، جس میں انھوں نے اپنے منصوبوں کی تفصیل بھی لکھی تھی کہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلا خیرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہوگا، اور دوسرے حصہ میں یہاں کے علماء ودانشوروں کا تذکرہ ہوگا۔ لیکن ان کی مصروفیات کی وجہ سے اب تک اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ ایک روز اس کا

ذکر مولانا ابواللیث صاحب کے سامنے ہوا، انھوں نے کہا کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ کام مکمل ہونا چاہئے، پھر انھوں نے اور مولانا ضیاء الدین صاحب نے مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ کتاب کا دوسرا حصہ یعنی تذکرہ علماء ودانشوران خیرآباد میں لکھوں۔ چنانچہ میں نے اس پر کام شروع کیا، دوران تحقیق کہیں کہیں مواد کی عدم دستیابی سے میری طبیعت بہت متاثر ہوئی، گاؤں کے بعض معروف علماء کے سن فراغت کی تلاش میں دانتوں تلے پسینہ آگیا، چونکہ اس کام سے مولانا کو بے حد دلچسپی تھی اور وہ روزانہ میرے کام کی رپورٹ لیتے تھے۔ ایک روز میں نے ان سے کہا کہ ان علماء کی بے نیازی کا حال یہ تھا کہ انھوں نے اپنے بارے میں ایک سطر بھی نہیں چھوڑی ہے کہ اس کی روشنی میں آگے کا سفر طے ہو، اور آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ ملک سے باہر گزرا ہے، آپ کے بارے میں آئندہ نسلوں کا تو خدا حافظ ہے، موجودہ نسل کو بھی کچھ نہیں معلوم ہے، چونکہ آپ کا سارا کام عربی میں ہے، اس لئے اس میں سے جو تعلیم وتعلم اور مدارس سے مربوط ہیں وہ بھی اجمالاً بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ مولانا ملیشیا کی ایک بڑی یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور علم حدیث ان کا خاص موضوع ہے، باقی اس فن میں مولانا کی کیا کچھ کاوشیں ہیں، اس کی تفصیلات سے یکسر ناواقف ہیں، اس لئے آپ اپنے حالات کیوں نہیں قلم بند کردیتے؟ مولانا نے میری بات سنی اور قدیم علماء کی روش کے مطابق ان کا جواب یہ تھا کہ میں کیا اور میرے حالات کیا کہ اسے لکھا جائے، لیکن میں موقع بہ موقع ان سے اپنی بات کہتا رہا، اخیر میں مَیں نے ۲۰؍سوالات لکھ کر ان کو بھیجے جو تقریباً پوری حیات کو محیط تھے، میں نے کہا کہ اپنے حالات نہ لکھیں، کم ازکم ان سوالات کے جوابات ہی لکھ دیں۔

میں جانتا تھا کہ مولانا صاحب قلم عالم ہیں، ان کی بیسیوں کتابیں اور سیکڑوں مقالات اہل علم سے خراج تحسین حاصل کررہے ہیں، جب ان کا قلم رواں ہوگا تو پھر مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے میں اپنے استاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کو دیکھ چکا تھا، میں نے ان سے درخواست کی کہ اپنے مطالعہ کی داستان لکھ دیں، انھوں نے جب لکھنی شروع کی تو پھر وہ مکمل داستانِ حیات ہی بن گئی۔ یہی حال مولانا

کا بھی ہوا، جب انھوں نے سوالات کا جواب لکھنا شروع کیا تو پھر میری منشاء کے مطابق وہ خودنوشت بنتی چلی گئی۔ مولانا مجھے میرے سوالات کا جواب لکھ کر بھیجتے رہے اور مجھے مکلّف بنایا کہ مجھے اردو میں لکھنے کی عادت نہیں ہے، تم اس کی ترتیب وتہذیب کر کے مجھے دکھاتے رہو۔ ہر ایک دو روز کے بعد مولانا اپنی لکھی ہوئی تحریر واٹس اپ پر بھیج دیتے اور میں اسے مرتب اور کمپوز کر کے ان کو بھیج دیتا، وہ اصلاح وتصحیح اور حذف واضافہ کے بعد مجھے واپس کر دیتے۔اس طرح تقریباً تین ماہ میں یہ کتاب مکمل ہوگئی۔اس کے بعد مکمل کتاب مولانا نے دوبارہ دیکھی ، اس کے بعد ان کے دوست ، مشہور شاعر وادیب استاذی مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی نے اس کا ایک ایک حرف پڑھ کر زبان وبیان کی خامیوں کو درست کیا۔اب مجھے اطمینان ہے کہ استاذ محترم کی نظر ثانی کے بعد یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔

میں اپنے مخدوم گرامی قدر مولانا ڈاکٹر محمد ابوالليث صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری درخواست پر اپنے حالات زندگی تحریر کئے ،اس طرح ایک عالم ومحدث کی زندگی کے بیشتر گوشے ہمارے سامنے آ گئے ، بالخصوص مولانا کی تصنیفات ومقالات اور دیگر علمی کارناموں کی تفصیلات ، جو مجھ جیسے بہت سے طالب علموں کے لئے مشعل راہ ہیں ،اور اہل وطن بھی اس سے مولانا کی علمی رفعت وبلندی کا کسی قدر اندازہ کر سکیں گے۔

مجھے اپنے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے اس کتاب کو شائع کرتے ہوئے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ ان شاء اللہ یہ کتاب بہت سی زندگیوں میں تبدیلی اور بہت سے حوصلوں میں توانائی کا سبب ہوگی ،اور اہل خیرآباد کو اس کتاب کے ذریعہ اپنے ماضی کی بہت سی گمشدہ کڑیاں بھی دستیاب ہوں گی۔اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع ومقبول بنائے اور مؤلف وناشر ودیگر معاونین کو بہترین اجر عطا فرمائے۔آمین

ضیاءالحق خیرآبادی

۱۱؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴؍مئی ۲۰۲۱ء دوشنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منظوم تقریظ بر ''سرگزشتِ حیات''

نتیجۂ فکر: مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی

بڑی جاذب، سبق آموز بن کر یہ کتاب آئی
حیاتِ حضرتِ بواللیث گویا بے نقاب آئی

نشانِ راہِ منزل، رہروانِ علم کی خاطر
یہ ایسی سرگزشتِ زیست ہے جو مستطاب آئی

نسیم علم کی اک خوش خرامی، اس کا ہر صفحہ
شمیم آگہی کا لے کے یہ لبِّ لباب آئی

بجا ہے ناز جس کے منصبِ علمی پہ ہم سب کو
اُسی کی ہاں اُسی کی سرگزشتِ لاجواب آئی

سیاحت دشتِ فن کی خوگرِ ایثار و ہمت ہے
بتانے کو یہ نکتہ، یہ بڑی ہی کامیاب آئی

بہت دلچسپ، دل افروز یہ اک آپ بیتی ہے
ضیائے عزم لے کر جو بشکلِ ماہتاب آئی

کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا ہو، دل پیدا
نوا پیرائی بوالليث سے ایسی کتاب آئی

تواضع، انکساری، سادگی سے جس پہ پردہ تھا
وہی رودادِ ہمت ان کی ہو کے بے نقاب آئی

جلیل القدر اک ہستی بنے تاریخ کا حصہ
تمنا حاجی بابو کی بہت ہی باریاب آئی

اجالے جس سے حاصل کرسکیں اربابِ فن عارفؔ
کتابِ زندگی آئی تو مثلِ آفتاب آئی

۱۷ رشوال ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰ رمئی ۲۰۲۱ء اتوار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرگزشتِ حیات

الحمدللہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الأنبیاء والمرسلین ، وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین ، ومن تبعھم بإحسانٍ إلیٰ یوم الدین .

تمہید:

تاریخ چاہے کسی قوم کی ہو یا کسی فرد کی، کسی ملک کی ہو یا کسی کلچر کی، یہ اس قوم وفرد کے لوگوں، اور اس ملک وکلچر کو ماننے والوں کے لئے کافی اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے ان کے اسلاف اور بزرگوں کے عادات واطوار کا پتہ چلتا ہے۔ اسلاف کی اس تاریخ سے اگر کوئی سلبی (منفی) پہلو نکلتا ہے تو اخلاف (بعد کے لوگ) اس سے اپنی زندگی میں بچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اگر وہ تاریخ مثبت اور قابل اتباع ہوتی ہے تو وہ اخلاف کے لئے مشعلِ راہ بنتی ہے، جس کی روشنی میں وہ آگے کی راہ طے کرتے ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر اپنی زندگی کے یہ چند ابواب ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

لیکن اس سے پہلے اس قابل قدر اور عظیم انسان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جس کی بے لوث تحریک اور بے پناہ کوشش سے میری زندگی کے یہ گمنام گوشے آپ کے سامنے آئے۔ وہ عظیم انسان مجھ سے انتہائی قریب، اور مجھ سے بے حد مانوس اور پیار کرنے والا، صالح وباکردار فاضل نوجوان، حاجی حافظ، مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (عرف حاجی بابو) ہے۔ جس کا میں بے حد ممنون وشکر گزار ہوں، جس نے بار بار میری توجہ اس جانب مبذول کرائی، جس کے نتیجہ میں آپ میری آپ بیتی پڑھ رہے ہیں۔

باب اوّل

خاندانی احوال

خاندانی پس منظر:

میرے دادا (حاجی[۱]) محمد یعقوب صاحب جب موڈ میں ہوتے تھے تو مجھے بٹھا کر اپنی پرانی سرگزشت اور گزرے ہوئے دنوں کی باتیں بتاتے تھے، انھیں کی روایت کے مطابق ہمارا خاندان خیرآباد کے سربرآوردہ خاندانوں میں سے ایک تھا۔ اس زمانے کے سربرآوردہ خاندانوں میں سے چند خاندان یہ تھے:

دکھن محلّہ میں: حاجی برکت اللہ صاحب (حاجی محمد امین پردھان کے والد) کا خاندان، حافظ محمد شعیب صاحب کا خاندان، میرے پردادا حاجی محمد حسن صاحب کا خاندان، حاجی عبدالاحد عرف ماموں کا خاندان، محمد شفیع پردھان کا خاندان، حاجی محمد یوسف صاحب (جمیل سیٹھ کے والد) کا خاندان۔

محلّہ اٹھوریا ٹولہ میں: حاجی محمد طیب صاحب کا خاندان، حاجی کریم بخش صاحب (سہیل پردھان کے دادا) کا خاندان، مولانا عبدالحق صاحب کا خاندان، مولانا نذیر احمد صاحب کا خاندان، حاجی محمد یاسین و محمد ادریس لیڈر کا خاندان، حاجی عبدالحق پردھان و حاجی شمس الضحیٰ صاحب کا خاندان، میرے نانا محمد سعید مجاہد صاحب کا خاندان۔

بازار محلّہ میں: حاجی عبدالعزیز دادا و حاجی محمد سلیمان صاحب گرہست کا خاندان، حاجی عبدالقدوس صاحب و حاجی عبدالرشید پھوپھا وغیرہ کا خاندان۔

اترا ری محلّہ: حاجی محمد قاسم پہلوان صاحب کا خاندان، حاجی محمد ابراہیم صاحب

(۱) حاجی کو میں نے بریکٹ میں اس لئے لکھا ہے کہ میں نے ان کا حج بدل کیا تھا۔

درگاہی [حاجی بابو کے دادا] کا خاندان، امانت اللہ پردھان کا خاندان، حاجی عبدالجبار صاحب [ببوا ڈاکٹر کے دادا] کا خاندان، حاجی جمن صاحب [مولوی زبیر صاحب کے والد و نذیر سکریٹری صاحب وغیرہ کے بڑے والد] کا خاندان، حاجی عبداللہ و حاجی عبدالغفار صاحب کا خاندان، حاجی احمد علی صاحب کا خاندان۔

پچھّم محلّہ: حافظ رحمت اللہ امام صاحب کا خاندان، حافظ امیر احمد صاحب (حافظ ابوبکر اور حافظ زین العابدین کے والد) کا خاندان۔ حاجی محمد سلیم بڑے والے کا خاندان۔ حاجی محمد سلیم چھوٹے والے (حاجی غفران صاحب کے دادا) کا خاندان، مولانا محمد عمر و حاجی محمد فاروق صاحبان کا خاندان، حاجی اقبال دلال (حاجی اخلاق کے والد)، صوفی عبدالجلیل صاحب کا خاندان۔

میرے آغاز شعور سے عنفوان شباب تک یہ اور ان کے علاوہ اور بھی خاندان تھے، میں نے مشہور و معروف خاندانوں کا ذکر کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی کا ذکر رہ بھی گیا ہو۔

میرے پردادا حاجی محمد حسن اور ان کی اولادیں:

میرے پردادا حاجی محمد حسن صاحب اس وقت کے مالدار لوگوں میں سے تھے، اس وقت جو بہت مالدار ہوتے تھے وہی حج کر سکتے تھے، مگر ہمارا خاندان کوئی علمی خاندان نہ تھا، دور دور تک کہیں علم کا سراغ نہیں ملتا۔ میرے دادا سمیت پردادا کی کل چھ اولادیں تھیں، تین بیٹے اور تین بیٹیاں، جن کے نام بالترتیب یہ ہیں:

۱۔ فاطمہ خاتون [مولانا عبدالحق صاحب [ناظم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد] وغیرہ کی والدہ ماجدہ]
۲۔ محمد سلیمان [محلّہ پچھّم حافظ محمد شریف و فضل الرحمٰن پھوپھا کے والد]
۳۔ محمد یعقوب [میرے دادا]
۴۔ جمن سائرہ خاتون [حاجی محمد ایوب صاحب وغیرہ کی والدہ]
۵۔ صابرہ خاتون [حاجی محمد مبین و حافظ محمد حنیف ہوٹل والے وغیرہ کی والدہ]
۶۔ محمد یوسف ناگپوری [یہ ناگپور جا کر رہنے لگے، ان کی آل اولاد وہاں آباد ہیں]

دادا کی روایت کے مطابق ہمارا آبائی گھر جس میں یہ سارے بھائی اور بہنیں پیدا ہوئے وہ محلّہ دکھن کی مسجد سے متصل اتر جانب والا تھا، دادا کی والدہ کے انتقال کے بعد ان کی دوسری ماں آئیں، وہ جہانا گنج کی تھیں، وہ اپنے پہلے شوہر سے دو بیٹے بھی ساتھ لائیں۔ ایک حاجی مشتاق احمد دادا اور دوسرے محمد امین (عرف مرغا) دادا۔ میرے پردادا حاجی محمد حسن صاحب نے سوچا کہ میرے پاس دو بیٹیاں ہیں اور دوسری بیوی کے دو بیٹے ہیں، کیوں نہ ان کی آپس میں شادی کر دی جائے، اس طرح یہ بچے بھی گھر بار والے ہو جائیں گے اور میری بیٹیاں بھی۔ چنانچہ انھوں نے سائرہ خاتون دادی کی شادی حاجی مشتاق دادا سے کر دی ، اور صابرہ دادی کی شادی محمد امین دادا سے۔ سائرہ دادی کی شادی زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکی، اس لئے کہ حاجی مشتاق دادا کو ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو انھوں نے طلاق دیدی، بعد میں سائرہ دادی کی شادی اس وقت کے معزز ترین شخص حاجی عبدالعزیز دادا سے ہوئی، جن سے ان کی چار اولاد ہوئیں: جن اختر النساء بوا، حاجی محمد ایوب چچا، حاجی اقبال احمد چچا اور ڈاکٹر جمیل احمد چچا۔ دوسری طرف حاجی مشتاق دادا کی دوسری شادی جہانا گنج ہوئی مگر ان کو ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ امین دادا کو صابرہ دادی سے کئی اولادیں ہوئیں، جن میں سے نرینہ اولاد حاجی محمد مبین چچا، حافظ محمد حنیف چچا اور وکیل احمد چچا ہیں، لڑکیوں کے نام معلوم نہیں ہیں۔

دادا کی روایت کے مطابق دکھن محلّہ والا ہمارا آبائی گھر اور اس کے سامنے کا احاطہ (اس وقت وہ احاطہ تھا) ہمارے پردادا نے مشتاق دادا اور امین دادا کو دیدیا، انھوں نے ایسا شاید اس لئے کیا ہوگا کہ اپنی اہلیہ (میری سوتیلی پردادی) کا شوہری حق اور صابرہ دادی کا بیٹی ہونے کا حق جو ہوتا تھا وہ انھوں نے اپنے اِن دونوں سوتیلے بیٹوں کو دیدیا ہوگا، اور پھر گھر کی تنگی کی وجہ سے ہمارے دادا، سلیمان دادا اور یوسف دادا کو اس گھر سے نکلنا پڑا ہوگا، لیکن پردادا نے اپنے ان تینوں بیٹوں کو اپنی دوسری زمینوں میں حصہ دیا۔

ان تینوں بھائیوں کو اس گھر سے نکلنے کے بعد کن کن دشواریوں اور دقتوں کا سامنا

کرنا پڑا ہوگا، اس کا اندازہ انھیں لوگوں کو ہوگا جو اس قسم کے حالات سے گزرے ہوں گے۔ چنانچہ کہاں کہاں بھٹکنے کے بعد سلیمان دادا نے پچھّم محلّہ میں جہاں اس وقت حافظ محمد شریف صاحب اور فضل الرحمٰن پھوپھا کا مکان ہے وہاں گھر بنوا کر اس میں بسے۔ اور میرے دادا محمد یعقوب بشیر لیڈر کے بھائی محمد صدیق کے مکان میں ایک عرصہ تک رہے اور ماسٹر حاجی عبد اللہ صاحب کے والد کھٹی بابا کا بُنتے تھے تو انھوں نے وہ زمین خریدی جس میں اس وقت ظہیر الدین چچا کے لڑکے رہتے ہیں، اور اپنی مزدوری میں سے وہ رقم ادا کی۔ یہ مکان میرے دادا اور والد حاجی شمس الدین صاحب نے دوسرے مزدوروں کے ساتھ لگ کر بنایا اور بنوایا تھا، اسی لئے جب وہ گھر والد صاحب کو نہ ملا تو ان کو کافی دکھ ہوا تھا اور ادھر ادھر بھٹکتے رہنے کے بعد یکسو ہوئے اور بازار والے مکان میں آ کر بسے کہ دادا نے یہی جگہ ابا کو دی تھی جس میں صرف دو کمرے تھے اور ہم تین آدمی تھے، میری اور ابوالخیر سلّمہٗ کی اہلیہ میں سے کوئی ایک ہی ایک وقت میں رہ سکتی تھی، اسی طرح باری باری رہتے، اور میرے مدینہ جانے کے بعد اوپر کے دو کمرے بنوائے گئے تب جا کر ہم سب اکٹھا ہوئے۔

یوسف دادا ناگپوری کی شادی شاید بھیرہ یا ولید پور میں ہوئی تھی، وہ ناگپور چلے گئے اور وہیں پر کماتے کماتے زمین خریدی اور مکان بنوا کر رہنے لگے، وہاں ان کے بچے وغیرہ ہیں۔

آبائی گھر کا سوتیلے بیٹوں کے ہاتھ جانا اور سگے بیٹوں کا گھر سے نکلنا، اس کا کچھ نہ کچھ ردعمل اور ری ایکشن تو رہا ہی ہوگا، آپس میں کچھ تلخیاں اور دوریاں بھی رہی ہوں گی، لیکن وقت بہت بڑا مرہم ہے، کچھ وقت گزر جانے کے بعد لوگ ساری تلخیاں بھول کر زندگی بسر کرنے لگے، ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا اور شادی بیاہ میں شرکت وغیرہ ہوتی رہی، بلکہ ہمارے گھر آپس میں جب کوئی تلخی ہوتی تو دادا خود حاجی مشتاق دادا کو بلوا کر سمجھانے بجھانے کا کام لیتے تھے۔

حاجی مشتاق دادا کو کوئی اولاد نہ تھی تو وہ امین دادا کی اولاد کے ساتھ رہتے تھے اور عمر

کے آخری پڑاؤ میں انھوں نے ایک نومسلم کو گود لے لیا تھا جو بعد میں لکھ پڑھ کر مولانا عبدالمجید صاحب کہلائے اور انھیں اپنے گھر کا ایک چھوٹا سا حصہ لکھ دیا، جس کو بعد میں میرے والد صاحب نے خرید لیا اور والد صاحب کے انتقال کے بعد ہم لوگوں نے وہ زمین ابا کی خواہش کے مطابق دکھن محلّہ والی مسجد پر وقف کر دیا، مسجد کا وضوخانہ وغیرہ اسی زمین پر تعمیر ہوا ہے۔

نام اور ولادت:

ابواللیث ولد حاجی شمس الدین ولد محمد یعقوب ولد حاجی محمد حسن

جس وقت میری ولادت ہوئی، اس وقت حضرت مولانا شکر اللہ صاحب نعمانی ولید پوریؒ ہمارے مدرسہ منبع العلوم (جو اُن دنوں جامع مسجد خیرآباد میں چلا کرتا تھا) میں مدرس تھے۔اس وقت باہر کے اساتذہ کی چند گھروں میں جاگیر لگ جایا کرتی تھی تو وہ اس گھر کی باری میں اس گھر جاکر کھانا کھایا کرتے تھے۔گھر کے لوگ باری کے دن والے دوپہر کے کھانے کا خاص اہتمام کرتے، اور انھیں اچھا کھانا کھلانے کی کوشش کرتے تھے،اب اس نظام میں تھوڑی تبدیلی یہ آئی ہے کہ باری کے دن گھر آنے کے بجائے کھانا مدرسہ بھیج دیا جاتا ہے۔ جب میری پیدائش ہوئی تو گھر میں خوشی کا ماحول رہا ہوگا، دادا نے سوچا کہ اپنے اس پہلے پوتے کا نام مولانا شکر اللہ صاحب سے رکھواؤں گا، چنانچہ مولانا کو میری پیدائش کے چھٹے (چھٹّی) کے دن بطور خاص دعوت دی گئی اور ان کے سامنے میرا نام رکھنے کا مدعا رکھا گیا تو مولانا نے پہلے تو میری تحنیک [کھجور وغیرہ چبا کر بچے کے تالو سے لگانا تحنیک کہلاتا ہے] کی اور پھر بڑے پیار و محبت سے میری پیشانی دیکھی اور چوتھی صدی کے ایک مایہ ناز مفسر، محدث اور فقیہ ابواللیث سمرقندی (ت: ۳۷۵ھ) کے نام پر میرا نام ''ابواللیث'' رکھا گیا، اس وقت بھی اور آج بھی یہ عام رواج تھا اور ہے کہ لوگ اپنے بچوں کا نام کسی مولانا یا کسی بزرگ سے رکھواتے ہیں، اس میں نیک فال ملحوظ رہتی ہے کہ ہمارا یہ لڑکا آگے چل کر اچھا عالم بنے۔اب میرے ساتھ کہاں تک یہ شگون رہا اس کا فیصلہ میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں۔

اس وقت کے سرکاری کاغذات میں میرا نام ابواللیث ہی درج ہے۔ مدرسہ منبع

العلوم خیر آباد، مدرسہ حیات العلوم مراد آباد اور دار العلوم دیوبند میں بھی یہی نام درج کرایا گیا، مگر جب ۱۹۷۵ء میں مدینہ منورہ جامعہ اسلامیہ میں درخواست دینے کا ارادہ کرلیا اور پاسپورٹ بنوانا ہوا تو برکت کی خاطر اس میں ''محمد'' جوڑ کر ''محمد ابواللیث'' کر دیا، اور اس تبدیلی کی وجہ سے مجھے کافی پریشانیوں سے سابقہ پڑا اور پڑتا رہتا ہے۔ آگے چل کر دار العلوم دیوبند کی سند میں محمد ابواللیث لکھوانا پڑا، جس کے لئے کافی پاپڑ بیلنے پڑے، جس سے اندازہ ہوا کہ پیدائش کے وقت جو نام رکھ دیا جائے وہی مرتے دم تک رہنا چاہئے۔

تاریخ ولادت کا مسئلہ:

صحیح تاریخ پیدائش تو یاد نہیں اور نہ ہی اُس زمانے میں تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات کے لکھنے کا رواج تھا اور نہ اہتمام۔ چند لوگ تھے جن کو اس کا اہتمام تھا جیسے حافظ محمد شعیب صاحب یا ان کی صحبت سے متاثر حاجی بابو کے والد حاجی عبدالرحمٰن صاحب۔ میرے گھر میں کوئی پڑھا لکھا بھی نہیں تھا جو اِن باتوں کا خیال رکھتا۔ ویسے یہ ایک مزاج ہوتا ہے ورنہ میں نے ہی لکھ پڑھ کر کیا کرلیا، اپنے ہوش سنبھالنے کے بعد نہ میں نے کسی کی تاریخ پیدائش لکھی اور نہ ہی گھر کے کسی فرد کی تاریخ وفات۔ صرف اپنے سالے انیس احمد مرحوم [والد حاجی محمد احمد نواده] کی تاریخ وفات ۶/اگست ۱۹۷۲ء میں نے اپنی کسی کتاب پر لکھ رکھی تھی جو کسی طرح حاجی بابو کے ہاتھ لگ گئی تو انھوں نے ملیشیا واٹس اپ پر بھیج دی، اس طرح یہ ان کی بدولت محفوظ رہ گئی۔ ان کی تاریخ شاید میں نے اس لئے لکھ دی ہوگی کہ وہ عین جوانی میں اور صرف چھ دن کی بیماری میں اچانک وفات پا گئے تھے، یہ میرے اور میری اہلیہ کے لئے ایک غیر معمولی حادثہ تھا، جو اس وقت سب کو مجروح کر گیا تھا۔

میری تاریخ پیدائش مولانا شکر اللہ صاحب نے ضرور لکھ کر والد صاحب کو دی ہوگی جو زمانے کی دست بُرد سے نہ بچ سکی اور ضائع ہوگئی۔ جب مجھے مدینہ منورہ جانا ہوا تو پاسپورٹ کا فارم بھرتے وقت تاریخ پیدایش کا کالم بھی ہوتا ہے، تو والد صاحب نے ایک اندازے سے ۸/اکتوبر ۱۹۵۳ء کی تاریخ لکھوادی اور وہی پاسپورٹ پر لکھی ہوئی تاریخ ہر

جگہ رائج ہوگئی۔ مولانا نازبیر احمد ولد حاجی جمن صاحب جو میرے ہم عمر وہم سبق ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم دونوں معمولی چھوٹے بڑے ہیں، اور ان کی تاریخ پیدائش ۱۱/ دسمبر ۱۹۴۵ء ہے تو اس طرح میری پیدائش بھی اسی کے ایک دو سال بعد ہونی چاہئے، مگر لکھا نہ ہونے کی وجہ سے یہ محض ایک ظنی چیز ہے، اور اب پاسپورٹ والی تاریخ ہی اصل ہے۔

والد محترم حاجی شمس الدین صاحب:

میرے والد کا نام شمس الدین تھا، وہ دادا کی اولاد میں سب سے بڑے تھے، ان کے تین بھائی اور تین بہنیں تھیں جو بالترتیب یہ ہیں:

حاجی شمس الدین، سفیہ النساء، شاکرہ خاتون، زیب النساء، حاجی قمر الدین، ظہیر الدین اور حاجی وکیل احمد۔ حاجی قمر الدین چچا کے علاوہ اس وقت سب انتقال کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو غریق رحمت کرے۔ جب میں عربی پڑھنے لگا اور عربی الفاظ کے معانی سمجھنے لگا تو ایک دفعہ دادی سے دریافت کیا کہ دادی! آپ نے بڑی پھوپھی کا نام سفیہ النساء کیوں رکھا ہے؟ تو پھٹ سے بولیں کہ ارے قرآن میں ہے نا ﴿سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا﴾ تو اس سے رکھا۔ میں نے کہا کہ ہاں ہے تو مگر آپ جانتی ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ تو کہنے لگیں کہ بابو ہمیں تو بس اتنا پتہ ہے کہ وہ قرآن میں آیا ہے، پھر میں نے بتایا کہ سَفِيهًا کے معنی بیوقوف کے ہیں، تو کہنے لگیں کہ مگر وہ تو بہت ذہین ہے بیوقوف نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یہ آپ کی نیت کا کرشمہ ہے، آپ نے قرآن پاک کی محبت میں وہ نام رکھا ہے اور اللہ میاں نے اس کی برکت دکھا دی۔

نانیہال:

میرا نانیہال بالکل میرے گھر سے چند قدم دور تھا، میرے نانا محمد سعید مجاہدؔ (۱) تھے، جو مدحِ صحابہ کے بہت اچھے شاعر تھے اور بڑے اچھے انداز سے صحابہ پر لکھی ہوئی نظمیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے ایک رئیس آدمی تھے، اور میری نانی خیر النساء حاجی منیر صاحب نوادہ کی سگی بہن تھیں۔ میری والدہ کا نام ہاجرہ خاتون تھا، میری والدہ کل آٹھ بھائی بہن تھے، جو بالترتیب یہ ہیں:

ہاجرہ خاتون ، محمد امین ، محمد مبین انجم ضیائی، طاہرہ خاتون ، ناظمہ خاتون، فاطمہ خاتون ، انیس الرحمٰن (عبدالمنان) عبدالحنان ۔ ان میں سے بیشتر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ،اس وقت صرف فاطمہ خالہ اور عبدالمنان وعبدالحنان ماموں باحیات ہیں ۔ میری والدہ کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہو گیا تھا ،شاید اس وقت میری عمر چھ سال رہی ہوگی اور میرے بھائی حاجی ابوالخیر کی چار سال اور بہن صدرالنساء کی دوسال ۔

بچپن کے حالات:

میں چونکہ دادھیال میں پہلا پوتا اور نانیہال میں پہلا نواسہ تھا ،اور پھوپھیوں و خالاؤں کے بقول کافی خوبصورت اور کیوٹ تھا ، جو کوئی مجھے دیکھتا کھلانے لگتا ،اس لئے میں دونوں جگہوں پر ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ میری پرورش بڑے لاڈ و پیار سے ہوئی تھی ، تینوں پھوپھیوں اور تینوں خالاؤں کا بے حد پیار ملا ۔ میرا بہت سارا وقت نانا کے یہاں گزرتا تھا کیونکہ دادھیال اور نانیہال میں بہت کم دوری تھی ۔ میرا دادھیال حاجی کریم بخش بابا (سہیل پردھان کے دادا) کے گھر سے متصل دکھن طرف تھا اور نانیہال ماسٹر عبدالحفیظ کے گھر سے متصل پچھّم جانب تھا ،ان دونوں گھروں میں کوئی ڈیڑھ سوقدم کا فاصلہ ہوگا۔

وقت کا پہیہ چلتا رہا اور میں دیکھتے دیکھتے مدرسہ جانے کی عمر کو پہنچ گیا اور ۱۹۵۷ء میں قاعدہ بغدادی شروع کر دیا ، مدرسہ منبع العلوم میرا پہلا مدرسہ تھا۔

(۱) میرے استاذ اور مولانا کے دوست مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کے محترم سعید مجاہد صاحب سے بڑے گہرے مراسم تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں ان سے اکثر اقبال سہیل کی نظم ''رحیق مختوم'' سے حضرت عمرؓ کی منقبت سنتا تھا ، وہ بہترین ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے ،سن کر طبیعت وجد میں آجاتی تھی ۔ مولانا کہتے ہیں کہ : ''ان کے انتقال کے بعد میں نے ان کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ تو چلے گئے اب میں کس سے اس منقبت کو سنوں گا ،تو وہ کہنے لگے کہ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ نے تو اسی منقبت کے پڑھنے کی وجہ سے میری مغفرت فرمادی ۔ اس کے بعد انھوں نے خواب ہی میں اس کے چند اشعار سنائے ۔'' اس کے بعد مولانا کی آنکھ کھل گئی ۔ اس خواب کو مولانا نے متعدد بار مجھ سے بیان کیا ہے ،اس سے مجاہد صاحب کی عند اللہ مقبولیت اور مغفرت کی بشارت کا اشارہ ملتا ہے ۔ (ضیاءالحق خیرآبادی)

دوسرا باب

تعلیمی سرگزشت

تعلیم کا آغاز اور مدرسہ منبع العلوم:

مدرسہ منبع العلوم کو ہمارے گاؤں کے کچھ مخلص لوگوں نے ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں قائم کیا تھا، گاؤں کے بیشتر لوگوں کی اولین درسگاہ یہی ہے، سب نے ابتدائی تعلیم اسی میں حاصل کی ہے۔ اُن دنوں یہ مدرسہ جامع مسجد خیرآباد میں چلا کرتا تھا بلکہ مسجد میں دو مدرسے چلا کرتے تھے، کیونکہ اس وقت خیرآباد میں دو متحارب گروپ ہوگئے تھے۔ ایک گروپ حافظ محمد شعیب صاحب کا، اور دوسرا گروپ حاجی محمد امین پردھان (مولوی حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ کے والد) کا۔ میرا گھر، نانا، مولانا عبدالحق اور حاجی عبدالعزیز صاحب وغیرہم حافظ شعیب صاحب کے گروپ میں تھے، اور مولانا ہدایت اللہ صاحبؒ اور مولانا نذیراحمد صاحبؒ وغیرہ امین پھوپھا کے گروپ میں۔ حافظ شعیب صاحب کے گروپ والوں کا مدرسہ جامع مسجد کے پورب جانب دو بڑے اور لمبے کمروں پر مشتمل تھا، اس میں مولانا شکراللہ صاحب ولید پوری اور حافظ ریاض الدین صاحب غالب پوری پڑھاتے تھے، اور امین پھوپھا والے گروپ کا مدرسہ جامع مسجد کی صفیں تھیں، اس میں مولانا نذیراحمد صاحب اور مولانا ہدایت اللہ صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ اِن دونوں گروپ میں غضب کی دشمنی تھی اور کبھی کبھی آپس میں مارپیٹ بھی ہوجایا کرتی تھی۔ پھر اس زمانے کے ایک بزرگ مولانا محمد سعید صاحب نصیرآبادی[۱] (جو مولانا سید محمد امین نصیرآبادی کے خلیفہ تھے) کا خیرآباد آنا جانا تھا، ان کو دونوں گروپ کے لوگ مانتے تھے، انھوں نے صلح کرائی اور پھر سے دونوں مدرسے ایک ہوگئے۔

[۱] اس پر حاشیہ باب کے اخیر میں صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ واقعہ ۱۹۵۵ء کا ہے، اس کے بعد مولانا عبدالحق صاحب جو ایک گروپ والے مدرسہ کے ناظم تھے، پورے مدرسہ کے ناظم ہو گئے۔

اس صلح کے بعد بازار میں مدرسہ بنا جہاں اس وقت ہے، اور ہم سب لوگ اس میں پڑھنے لگے، یہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ اس میں کمرے زیادہ تھے اس لئے اچھے ڈھنگ سے درجہ بندی کی گئی اور ہر درجہ کو ایک ایک کمرہ دیا گیا۔ مجھے کچھ کچھ یاد آتا ہے کہ جامع مسجد میں مَیں نے درجہ تین تک پڑھا اور بازار میں چار پانچ، فارسی اور عربی چہارم تک تعلیم حاصل کی۔

پرائمری درجات کی داستان:

میں نے پرائمری کے اول تین سال میں بہت بے رغبتی سے پڑھا، کھلاڑی نمبر ون تھا، اس وقت کے بچوں میں رائج سارے کھیل کھیلا کرتا تھا۔ گولی، کنئیل، لٹو، گیڑی، اولھی (چھپا چھپی) پڑھائی سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ گھر سے یہ کہہ کر نکلتا کہ مدرسہ جارہا ہوں اور کھیلنے لگ جاتا۔ کبھی کبھی بیماری کا بہانہ کر کے گھر پر پڑا رہتا، والدہ مرحومہ میرے ہر بہانے پر یقین کر لیتیں، مائیں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ اس وقت مدرسہ کا نظام یہ تھا کہ جب کوئی لڑکا تین دن مسلسل مدرسہ نہ جاتا تو استاذ دو چار لڑکوں کو اس کے گھر بھیج کر معلوم کرواتے کہ کیا بات ہے کہ وہ مدرسہ نہیں آرہا ہے۔

ایک بہانہ تراشی:

اس وقت کی اپنی ایک بہانہ تراشی یاد آرہی ہے اس کا ذکر کئے دیتا ہوں۔ غالباً میں درجہ تین میں تھا اس وقت مدرسہ جامع مسجد میں تھا اور یہ بہانہ تراشی آخری ثابت ہوئی۔ ہوا یہ کہ شدید گرمی کا زمانہ تھا اور پڑھنے جانے کا جی نہیں چاہ رہا تھا اس لئے اپنی ماں سے کہا کہ اماں! جڑائے آرہی ہے اور جڑائے والے مریض کی زبردست ایکٹنگ کرنے لگا، مائیں بڑی رحمدل ہوتی ہیں، وہ تو بس اتنا جانتی ہیں کہ بیٹا کہہ رہا ہے تو بیمار ہوگا۔ انھوں نے اس شدید گرمی کے دن میں مجھے لحاف (رضائی) اُڑھا دی کہ جڑائے سے کچھ راحت ملے گی، مگر جب جڑائے رہے تب نا، یہاں تو لحاف کے اندر برا حال تھا، پسینے پسینے ہو گیا تھا، مگر کرتا کیا،

اسی طرح رضائی اوڑھے پڑا رہا۔ اُدھر مدرسہ دو دنوں سے نہیں گیا تھا، آج تیسرا دن تھا۔ اس لئے حسب معمول میری کلاس کے استاذ حافظ ریاض الدین صاحب (اللہ انھیں غریق رحمت کرے) نے اُس دن دس بجے کے قریب چار پانچ لڑکوں کو گھر بھیجا کہ دیکھو ابواللیث کو کیا ہوا، وہ تین دن سے کیوں نہیں آرہا ہے؟ ان لڑکوں میں عبدالستار چیرمین کے بڑے لڑکے محمد (جو پچھّم محلّہ اپنے نانا کے وہاں رہتے تھے) بھی تھے، (اللہ تعالیٰ انھیں جزاء خیر دے) چار پانچ لڑکوں کی یہ بٹالین جب گھر پہونچی تو میرے کان کھڑے ہوگئے کہ اب خیر نہیں، راز فاش ہونا ہی ہے۔ وہ سب گھر آئے، قمرالدین چچا گھر پر ہی تھے۔ ان سے سبھوں نے کہا کہ ہم مدرسہ سے آئے ہیں، ابواللیث تین دن سے مدرسہ نہیں گیا ہے۔ چچا اٹھے اور سیدھے امی کے کمرے میں آئے اور پوچھا ابواللیث کہاں ہے؟ اور تین دن سے مدرسہ نہیں گیا ہے۔ امی نے دفاع میں کہا کہ نہیں تو، وہ تو روز مدرسہ جاتا ہے، بڑا محنتی ہے، چھٹی کے بعد ہی گھر آتا ہے۔ چچا نے پوچھا وہ اس وقت کہاں ہے؟ امی نے بتایا کہ آج اس کو جڑائے آئی ہے اس لئے لحاف اوڑھ کر سو رہا ہے، اور اشارہ کرکے بتایا کہ وہ سو رہا ہے۔ چچا نے آکر لحاف جو اٹھایا تو سارا راز کھل گیا۔ میں پسینے میں شرابور تھا، چچا نے امی سے کہا کہ دیکھو اگر اس کو جڑائے آئی ہوتی تو وہ کانپتا، یہ تو پسینے پسینے ہے۔ پھر کیا تھا، انھوں نے مدرسہ کے ان سپاہیوں کے حوالے کیا۔ میں کسی بھی طرح مدرسہ جانے کے لئے تیار نہ تھا کہ بے پناہ مار پڑے گی۔ میں بہت اچھلا کودا مگر ایک نہ چلی، اور وہ سب مجھے ٹانگ کر لے چلے۔ سلیم اللہ بابا کے گھر کے پاس ایک جگہ مٹی اور بھونسا پانی میں سڑایا جا رہا تھا۔ میں سب کو لئے دیئے اس میں گر گیا، سب کے کپڑے لت پت ہوگئے، مگر پھر بھی جیالوں نے نہیں بخشا، اسی طرح لت پت وہ سب مجھے مدرسہ لے گئے۔ حافظ ریاض الدین صاحب بڑے ہی سخت استاذ تھے، اتنا مارتے تھے کہ جسم پر جگہ جگہ ساٹھ (یعنی مار کا نشان) پڑ جایا کرتی تھی جو ہلدی صابن کا لیپ لگانے سے ہی جاتی، مگر یہ انھیں مار کا اثر ہے کہ میں پڑھ پایا، اگر انھوں نے ذرا بھی مروت سے کام لیا ہوتا تو ابواللیث آج پروفیسر نہ بنا ہوتا، خیرآباد کا ایک عام مزدور پیشہ انسان ہوتا۔ (اللہ تعالیٰ انھیں

کروٹ کروٹ جنت کی نعمتوں سے نوازیں)۔

حافظ صاحب نے جب ہم سب کا مٹی میں لت پت حلیہ دیکھا تو میرے کلاس فیلو محمد سے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ محمد نے خوب مبالغہ کے ساتھ بیان کیا۔ حافظ صاحب نے اس وقت مجھے کوئی سزا نہیں دی، صرف اتنا کہا کہ چلو اپنے کپڑے دھوؤ اور اِن سبھوں کے بھی۔ جب میں اپنے اور سب کے کپڑے دھو کر سکھا چکا تو حافظ صاحب نے مجھے دو گھنٹہ مرغا بنایا اور پھر اتنا مارا کہ سارے بدن میں ساٹھ پڑ گئی، جیسے انھوں نے اپنی ساری عمر کی کسر نکال دی ہو۔ پھر میں اپنی ساٹھوں سے بھرا جسم لے کر گھر نہیں گیا کہ ابا بھی فضیحت کرتے اور ہوسکتا ہے کہ مارتے بھی۔ اس لئے نانی کے گھر چلا گیا، نانیاں بھی ماں ہی کا ایک دوسرا روپ ہوتی ہیں۔ انھوں نے میرا جسم دیکھا، اس پر ہلدی صابن لگاتی جاتیں اور حافظ جی کو کوستی اور برا بھلا کہتی جاتیں کہ ایسے بھی کوئی بچوں کو مارتا ہے کیا، کہ اتنی موٹی موٹی ساٹھ پڑ جائے۔

شاید اسی مار کا اثر تھا کہ پھر میں نے اس دن کے بعد سے آخر تک پڑھائی سے جان نہیں چرائی، اور نہ ہی کوئی بہانہ کیا، پڑھنے کا پورا پورا شوق آ گیا تھا۔ جب میری عمر کوئی چھ سات سال کی رہی ہوگی کہ میری زندگی کا عظیم سانحہ پیش آیا۔ ۱۹۵۹ء میں والدہ جو ہمیشہ ڈھال بن کر میرے سامنے کھڑی ہو جایا کرتی تھیں ہمیں داغِ مفارقت دے کر جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئیں۔ والدہ کے انتقال کا مجھ پر بے حد اثر تھا، میں ہی تھوڑا سمجھ دار تھا، میرا بھائی ابوالخیر مجھ سے دو سال چھوٹا تھا اور بہن صدر النساء دو سال کی تھی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد دوسری ماں آ گئی تھیں، مگر چونکہ دادی زندہ تھیں اور پھر سفیہ النساء پھوپھی بھی اپنے دونوں بچوں [حافظ مختار احمد و ریحانہ خاتون) کے ساتھ ہمارے گھر رہنے آ گئی تھیں، کیونکہ ان کے شوہر عبدالجبار پھوپھا کا انتقال ہو گیا تھا، اور ابا نے ان سبھوں کی پرورش کی ذمہ داری لے لی تھی، ہم لوگ پیار سے پلتے اور بڑھتے رہے۔

مجھے خیال آتا ہے کہ جب خیرآباد کے دونوں متحارب گروپ ایک ہو گئے، اور مدرسہ ایک ہو گیا تو مدرسہ بازار میں آ گیا، اس وقت مولانا عبدالحق صاحب [جو میرے دادا کے

سگے بھانجے تھے اور حافظ شعیب صاحب کے گروپ کے تھے] کو ناظم بنایا گیا، اور مولانا نذیر احمد صاحب کو صدر مدرس، جو کہ امین پھوپھا کے گروپ کے تھے، اور میں درجہ چہارم میں آ گیا تھا۔

درجہ چہارم اتراری محلّہ کے مولانا انوار احمد صاحب مظاہری (مرحوم) کے ذمہ تھا، اور درجہ پنجم بھیرہ کے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کے ذمہ۔ خوشخطی حافظ ریاض الدین صاحب اور مولانا ہدایت اللہ صاحب کے ذمہ تھی۔ اس طرح پڑھتے پڑھتے میں نے ۱۹۶۱ء میں پرائمری درجہ پانچ پاس کرلیا۔

پرائمری کے نصاب کی اہمیت:

خیرآباد اور دوسرے مسلم خطوں میں پرائمری کے نصابِ تعلیم پر نظر ڈالنے سے اس نصاب کی بہت ساری خوبیاں نظر آئیں گی۔ گاؤں اور قصبات کے بیشتر لڑکے پرائمری پاس کر کے گھر کے کام کاج میں لگ جایا کرتے ہیں، کم ہی آگے کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے انھیں آگے کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کے لئے پرائمری کے نصاب میں دینیات کی ضروری معلومات بہم پہونچادی جاتی تھیں۔ عقائد، عبادات، سیرۃ النبی ﷺ، اور ایک ہندوستانی باشندہ ہونے کی حیثیت سے انھیں حساب، ہندی، اور جغرافیہ وغیرہ کی ضروری معلومات حاصل ہوجایا کرتی تھیں۔ اس میں جمعیۃ علماء ہند کی دوراندیشی کارفرما تھی، کیونکہ اسی کے مقرر کردہ نصاب تعلیم پر یہ مدارس چلا کرتے تھے اور چلا کرتے ہیں اور شاید آگے بھی دور حاضر کی ضروریات کے مطابق جزوی ترمیم کے ساتھ چلتے رہیں۔

درجۂ پرائمری کے کچھ ساتھی:

اس موقع پر اگر میں اپنے پرائمری کے بعض ساتھیوں کا ذکر نہ کروں تو ناشکری ہوگی، اس لئے کچھ نام ملاحظہ ہوں:

پچھّم محلّہ کے محمد بن عبدالستار چیرمین، اٹھوریا ٹولہ کے میرے ماموں انیس الرحمٰن (عبدالمنان)، سلیم بابا کے ریاض الدین (پرانے گھر کے پڑوسی)، حاجی انوارالحق صاحب کے بھائی رشید احمد علیگ، محمد مبین جوہر، حفظ الرحمٰن ولد محمد حنیف، دکھن محلّہ کے محمد عارف

(عبدالاول کے بھائی)۔اور کچھ لڑکیاں بھی ساتھ پڑھتی تھیں، اس لئے کہ اس وقت تک تعلیم مخلوط ہوا کرتی تھی۔جن میں محمد یاسین ابا کی ریحانہ، اترا ری محلّہ کی بانو بنت حاجی عبدالجبار صاحب، بازار محلّہ کی رضوانہ بنت اسحاق بابا (یہ شادی سے پہلے اللہ کو پیاری ہوگئی)، فاطمہ بنت حاجی عبدالقدوس، دکھن محلّہ کی رضیہ بنت مولانا نثاراحمد اور ناظمہ بنت حاجی خلیل احمد صاحب وغیرہا۔

میرے ان ساتھیوں میں سے سبھی پرائمری پڑھ کر گھر کے کام کاج میں لگ گئے ۔ صرف میں، مولوی زبیر اور رشید احمد نے آگے تعلیم حاصل کرنے کی ٹھانی۔ میں تو منبع العلوم سے مرادآباد چلا گیا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔مولوی زبیر صاحب مفتاح العلوم مئو چلے گئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی ۔ اور رشید احمد نے انگریزی اسکولوں سے ہوتے ہوئے مسلم یونیورسٹی سے بی اے یا ایم اے کیا، اور پھر گھر کے کام کاج میں لگ گئے۔لڑکیوں کی شادی ہوگئی اور سب اپنی اپنی سسرال کی ہوگئیں، کیونکہ انھیں پرائمری کی تعلیم کے بعد آگے پڑھانے کا رواج نہ تھا۔

درجہ فارسی:

پرائمری کے بعد ہم چند ساتھیوں نے فارسی میں داخلہ لے لیا جیسے کہ میں نے اور مولوی زبیر صاحب نے اور کچھ ساتھیوں نے ۔ فارسی کی پہلی اور دوسری، مالا بدمنہ، گلستاں اور پنج گنج مولانا نذیر احمد صاحب نے پڑھائی۔مولانا زبیر احمد صاحب مالا بدمنہ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے اس عبارت ''أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ'' کو ''أَللّٰهُمَّ اِغْفِرْلِیْ'' پڑھ دیا۔اس پر مولانا نذیر احمد صاحب نے ٹوکا، چشمے کے اوپری حصہ سے دیکھ کر گرجے ''ہُو ووں'' مولوی زبیر فوراً سنبھل گئے اور صحیح پڑھا، لیکن سب کی شامت آئی ہوئی تھی۔مولانا نے جنازے سے متعلق اور دوسری دعاؤں کو پڑھنے کو کہا تو کوئی بھی نہ پڑھ سکا، اس پر کلاس کے سارے ساتھیوں پر چھ چھ ڈنڈے برسے۔

فارسی کی کتابوں میں سے بوستاں ، اخلاق محسنی اور یوسف زلیخا مولانا شکر اللہ صاحب نعمانی ولید پوری نے پڑھائی ۔مولانا شکر اللہ صاحب بہترین مدرس اور بڑے ہی باذوق شخص تھے، جامعہ مفتاح العلوم مئو کے فارغ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث

الاعظمیؒ کے خاص شاگرد تھے،مولانا کا تاریخی نام بشارت عظیم [۱۹۲۳ء] اور غلام کریم [۱۳۴۱ھ] تھا۔ ۱۹۴۴ء سن فراغت ہے۔ پندرہ سال سے زائد خیرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ دیگر فنون کے ساتھ شعروادب سے بھی گہرا تعلق تھا، انھیں اردو و فارسی کے بے پناہ اشعار ازبریاد تھے۔ بوستاں اور یوسف زلیخا پڑھاتے وقت اشعار کو نثر میں سمجھانے کے ساتھ ساتھ ان کے مفہوم کے اردو اشعار بھی سناتے تھے، اس سے درس بے حد دلچسپ ہو جایا کرتا تھا، انھیں اس میں درجۂ کمال حاصل تھا، اس سے طلبہ کو اردو ادب سے یک گونہ مناسبت پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی سال مولانا مدرسہ منبع العلوم سے مستعفی ہو گئے تھے۔

اس طرح اللہ اللہ کر کے فارسی کے دو سال مکمل ہو گئے، یہ شعبان ۱۳۸۱ھ مطابق جنوری ۱۹۶۲ء کا سال تھا۔ اب ہمیں اگلے سال عربی میں جانا تھا۔ فارسی میں سارے ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا، صرف میں اور مولوی زبیر ساتھ رہ گئے۔

عربی درجات:

والدہ محترمہ اکثر مجھے نصیحتیں کیا کرتی تھیں کہ شرارت نہ کیا کرو، خوب محنت سے پڑھو، تمھیں بہت بڑا مولانا بننا ہے۔ اب تو وہ رہیں نہیں کہ قدم قدم پر یاد دلاتیں، نصیحتیں کرتیں، میری کامیابیوں پر خوش ہوتیں۔ جتنا میں تعلیم میں آگے بڑھتا گیا، والدہ کی بڑی یاد آتی رہی۔ ان کی کہی ہوئی باتیں، نصیحتیں یاد آتیں اور میں اپنے دل ہی دل میں ان سے باتیں کرتا کہ دیکھیں اماں! آپ کا یہ شریر بیٹا کیا سے کیا بن گیا، اور میری آنکھیں چھلک جاتیں۔

بہر حال والدہ کی اس خواہش کی تکمیل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا۔ اور شوال ۱۳۸۱ھ [مارچ ۱۹۶۲ء] میں عربی درجہ میں آ گیا، عربی اول میں اترار ی محلّہ کے مولانا ڈاکٹر زین الحق صاحب کا بھی ساتھ ہو گیا تھا۔ عربی اول سے عربی چہارم تک کی ساری کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھیں، سوائے منطق کی کتاب مرقات کے، کہ اسے پورنیہ کے ایک جواں سال فاضل مولانا سعید الرحمٰن صاحب نے پڑھایا جو ابھی نئے نئے فارغ ہو کر آئے تھے۔ اب آگے ہر سال پڑھی ہوئی کتابوں کی تفصیل درج کرتا ہوں:

☆ عربی اوّل: (شوال ۱۳۸۱ھ مطابق مارچ ۱۹۶۲ء) اور ختم (شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء) اس میں جو کتابیں پڑھی گئی تھیں وہ یہ ہیں:

میزان منشعب، نحو میر، شرح مائۃ عامل، کبریٰ، دروس الادب [سید سلیمان ندوی]

یہ ساری کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب پڑھاتے تھے۔ مولانا کے پڑھانے کا طرز ہم طلبہ کے لئے کافی پُر مشقت ہوتا تھا۔ مولانا بہت بارعب اور صاحب جلال استاذ تھے۔ مسکراتے بہت کم تھے، اور جب مسکراتے تھے تو پھول جھڑتے تھے، اس وقت ان کا چہرہ دیکھنے کے قابل ہوا کرتا تھا۔ بارعب اور پُر جلال آدمی جب مسکرادے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے گھنگھور گھٹا کے بعد بادل سے سورج اپنی رونمائی سے پوری کائنات کو منور کر رہا ہو۔ نحو اور صرف کی تدریس میں خاص طور سے مولانا کا طرز بڑا ہی محنت طلب اور طلبہ کے لئے کٹھن تھا۔ وہ سبق سمجھاتے اور اپنے سامنے تکرار کرواتے، اور دوسرے دن کتاب بند کر کے شروع سے سوالات کرتے۔ مولانا کے اس طرز کی وجہ سے ہر لڑکا خوب محنت کرتا، جی جان سے یاد کرتا، اور دوسرے دن سبق کے وقت امتحان کے لئے اپنے کو تیار رکھتا، اس طرح ہم لوگوں نے نحو وصرف پڑھی۔ شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ نحو وصرف ہم لوگوں کی بہت اچھی رہی۔ مجھے اس کا احساس مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ جا کر ہوا، جب عرب لڑکے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے رسالے کی نحوی اور صرفی اصلاح مجھ سے کرواتے تھے، اور ممتاز نمبروں سے کامیاب ہوتے اور مجھے اس اصلاح کا اچھا خاصا معاوضہ دیتے تھے۔

☆ عربی دوم: (شوال ۱۳۸۲ھ مطابق مارچ ۱۹۶۳ء) اور ختم (شعبان ۱۳۸۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۳ء) جو کتابیں اس سال پڑھی گئیں وہ یہ تھیں:

ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، نور الایضاح، مرقاۃ، القرأۃ الرشیدۃ۔ یہ ساری کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب نے پڑھائیں، سوائے مرقاۃ کے۔ وہ مولانا سعید الرحمٰن صاحب پورنوی نے پڑھائی، جس کی تفصیل اوپر لکھ چکا ہوں۔

☆ عربی سوم: (شوال ۱۳۸۳ھ مطابق فروری ۱۹۶۴ء) اور ختم (شعبان ۱۳۸۴ھ

مطابق دسمبر ۱۹۶۴ء) اس سال جو کتابیں پڑھی گئیں وہ درج ذیل ہیں:

کافیہ، قدوری، فصول اکبری، اصول الشاشی، نفحۃ الیمن، ترجمہ قرآن شروع کے پندرہ پارے۔ یہ ساری کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب نے پڑھائیں۔

☆ عربی چہارم: (شوال ۱۳۸۴ھ مطابق فروری ۱۹۶۵ء) اور ختم (شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق جنوری ۱۹۶۶ء) اس میں جو کتابیں پڑھی گئی تھیں وہ یہ ہیں:

شرح جامی، شرح وقایہ، شرح تہذیب، نفحۃ العرب، ترجمہ قرآن اخیر کے پندرہ پارے۔ یہ ساری کتابیں بھی مولانا نذیر احمد صاحب نے پڑھائیں۔

مولانا نذیر احمد صاحبؒ کی بےلوث خدمت:

ہم عربی کلاس کے چند طلباء مولانا کی اور مولانا کے گھر کی ٹوٹ کر خدمت کیا کرتے تھے۔ جب تک مولانا شمیم احمد صاحب غالب پوری تھے تب تک مولانا کے لئے مسواک لانے کی خدمت ان کے ذمہ تھی، وہ مولانا کی بتائی ہوئی ایک خاص صفت کی نیم کی مسواک لایا کرتے تھے۔ ان کے دیوبند چلے جانے کے بعد مسواک لانے کی یہ خدمت میں انجام دینے لگا۔ مسواک کی صفات یہ تھیں: شہادت کی انگلی جتنی موٹی، بالکل سیدھی، چکنی اس میں کہیں بھی گرہ نہ ہو، اور پرانی شاخ ہو۔

مولانا کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ دوپہر کی چھٹی سے دس منٹ پہلے عصر کے وضو کے لئے تیاری کرنے لگتے۔ میں لوٹے میں پانی دے کر کھڑا رہتا اور مولانا بڑی دیر تک مسواک کرتے، اور وہ جب تک وضو نہ کر لیتے میں کھڑا رہتا تاکہ پانی کم ہو جائے تو دیدوں اور لوٹا کمرے میں رکھ کر کمرہ بند کر کے کنجی ان کے حوالہ کردوں۔

خیرآباد قصبہ میں ہفتہ میں دو دن بازار لگا کرتے تھے، منگل اور جمعہ کو۔ بازار کے دن مولانا کے گھر کے سودا سلف کی خریداری کا کام مولانا کے ساتھ رہ کر میں کرواتا تھا، اور آٹا پسوانے کا کام بھی میں کرتا تھا۔ اور ہر بازار کو مولانا کے ساتھ ساتھ رہتا اور سامان جھولے میں رکھتا اور اسے ان کے گھر تک پہنچاتا۔ مولانا کا گھر خیرآباد بازار سے قدرے فاصلے پر تھا، مگر

میں ان کی بے لوث خدمت کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان خدمات کے صلے میں کچھ بنادے۔

منبع کلب:

مدرسہ کے بڑے بڑے طلباء نے مل کر ''منبع کلب'' کے نام سے ایک فٹ بال ٹیم بنائی تھی، میں اس کا کیپٹن تھا، اس وقت دو ایک ٹورنامنٹ بھی کھیلے گئے۔ حاجی سطان صاحب (کلنڈر) محمد رفیق چچا، اور عبدالجلیل کیپٹن چچا میری بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے کہ آگے چل کر تم بہت اچھے کھلاڑی ہوگے، لیکن کسے پتہ تھا کہ قضا وقدر کے فیصلے کچھ اور ہیں اور آگے چل کر یہ شوق صرف دیکھنے اور تفریح کے طور پر ہی باقی رہنے والا تھا۔

منبع العلوم کا تعلیمی ماحول:

میری طالب علمی کے زمانے میں مدرسہ کا تعلیمی ماحول ایسا تھا جس پر دیگر مدارس والے رشک کرتے تھے، گاؤں کے عربی درجات کے طلبہ مغرب کے بعد مدرسہ آجاتے اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب پورنوی کی زیر نگرانی تکرار کرتے، اور جس کتاب کو زبانی یاد کرنا ہوتا، اس کو یاد کرتے، اور عشاء کی نماز کے بعد سب لڑکے اپنے اپنے گھر جاتے۔ مغرب کے بعد مدرسہ میں کافی چہل پہل رہتی، پڑھنے پڑھانے کا بڑا ہی خوش گوار ماحول ہوتا۔

مجھے یاد آتا ہے کہ انجمن اصلاح اللسان ہمیں لوگوں نے مولانا سعید الرحمٰن صاحب کی نگرانی میں قائم کی تھی، ہر جمعرات کو بعد نماز عشاء تقریر کرنے کی مشق ہوتی تھی، مولانا سعید الرحمٰن صاحب نگراں ہوتے تھے، اور کبھی کبھی بطور مہمان مولانا عبدالحی صاحب ولد مولانا نذیر احمد صاحب کو بلایا جاتا تھا، وہ ہم لوگوں کو تقریر کا طرز اور اسٹائل بتاتے تھے کہ کہاں ہاتھ اٹھایا جائے اور کہاں بات پر زور دیا جائے، وغیرہ وغیرہ۔

حیات العلوم مرادآباد:

عربی پنجم (شوال ۱۳۸۵ھ مطابق فروری ۱۹۶۶ء) اور ختم (شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۶ء)

خیرآباد میں عربی چہارم کے بعد تعلیمی سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کے لئے مجھے اسلاف کی سنت کے مطابق خیرآباد سے باہر جانا پڑا۔ میں چاہتا تو احیاء العلوم مبارکپور،

دارالعلوم مئو یا مفتاح العلوم مئو چلا جاتا، مگر مجھے یکسو ہو کر پڑھنا تھا، اگر ان جگہوں پر ہوتا تو ہر ہفتہ گھر بھاگ کر آتا۔ اس لئے میں نے کہیں دور جانا پسند کیا۔ چنانچہ میں نے حیات العلوم مرادآباد کو پسند کیا، میں اور مولانا حبیب الرحمٰن کلاتھ مرچنٹ دونوں مرادآباد گئے۔ چونکہ وہاں خیرآباد کے مفتی حبیب الرحمٰن صاحب اور مبارکپور کے مولانا بشیر احمد صاحب تھے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ وہیں چلا جائے۔ وہاں جو کتابیں پڑھی گئیں وہ یہ تھیں:

قطبی اور نورالانوار مولانا نسیم احمد صاحب بجنوری سے پڑھیں۔ سلم العلوم اور مختصر المعانی مولانا بشیر احمد صاحب سے، اور اپنے طور پر عربی انشاء کی مشق کرتا اور اس پر مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب سے اصلاح لیتا تھا۔

مرادآباد میں صرف ایک سال ہی رہا۔ میں اور مولانا حبیب الرحمٰن بھیا دونوں ایک ساتھ مرادآباد گئے تھے، انھوں نے ششم میں داخلہ لیا تھا اور میں نے پنجم میں۔ ہم دونوں ایک مسجد میں موذنی اور امامت کرتے تھے، میں موذن تھا اور حبیب الرحمٰن بھیا امام۔ ہم دونوں کے دوپہر اور شام کے کھانوں کی مختلف گھروں میں جاگیر ہوا کرتی تھی۔ میں اپنا اور حبیب الرحمٰن بھیا کا دونوں ٹائم کا کھانا ٹفن میں لایا کرتا تھا، اس طرح ایک سال ہم نے وہاں گزارا۔ اس کے بعد مولانا بشیر احمد صاحب کے مشورے سے میں دیوبند چلا گیا، اور حبیب الرحمٰن بھیا مالیگاؤں، پھر انھوں نے ڈابھیل سے دورہ کر کے فراغت حاصل کی۔

حیات العلوم میں ایک سال تو ہم لوگوں نے گزارا، لیکن درحقیقت وہاں ہمیں تعلیم کی کوئی روح اور چہل پہل نظر نہ آئی۔ ہم دونوں ذہین تھے اور وہاں پڑھنے والے عام طلبہ آسام اور بہار وغیرہ دورافتادہ علاقے کے ہوا کرتے تھے، ان کی بود و باش بھی ہم سے بہت مختلف ہوتی تھی۔ میں نے کئی بار مولانا بشیر احمد صاحب سے کہا کہ یہاں کوئی علمی رونق اور زندگی نہیں ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے طلبہ پڑھنے نہ آئے ہوں بلکہ تعلیم کی آڑ میں ٹائم پاس کرنے آئے ہوں۔ انھوں نے ہم دونوں کو دارالعلوم دیوبند جانے کا مشورہ دیا۔ میں تو اس مشورہ کے مطابق دیوبند چلا گیا اور حبیب الرحمٰن بھیا مالیگاؤں چلے گئے، پھر وہاں سے ڈابھیل گئے، وہیں سے دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

میرے نکاح کا واقعہ اور شادی خانہ آبادی:

ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ [اپریل ۱۹۶۶ء] میں بقرعید کے موقع پر مرادآباد سے گھر آیا تو والد صاحب نے شادی کا پروگرام بنادیا، اور اس طرح بقرعید کی چھٹی میں شادی ہوگئی اور اہلیہ رخصت ہوکر میرے گھر آ گئیں۔ نکاح تو میرا والدہ کے انتقال سے چھ مہینے پہلے ہی ہوگیا تھا۔ میری بیوی میری دادی کی سگی بہن کی پوتی تھیں۔ اماں کو ان کی چھٹّی پر مدعو کیا گیا تھا، اماں نے اس دن بچی کو دیکھتے ہی اسے میرے لئے مانگ لیا، اور ان لوگوں نے خوشی خوشی اسے قبول بھی کرلیا۔ وہ نوادہ کے مشہور ومعروف وصاحب ثروت شخص حاجی محمد ادریس صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ نکاح کا قصہ یہ ہوا کہ میری والدہ کو ٹی بی کا مرض لاحق ہوگیا، منہ سے گاہے بگاہے خون آتا تھا، ان کی زندگی سے مایوسی کی کیفیت پیدا ہوگئی تو انھوں نے دادی وغیرہ سے درخواست کی کہ میں اپنی بہو کو دولہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں ابھی بالکل کمسن تھا اور وہ مجھ سے کم عمر تھیں، میری دادی وغیرہ نے اماں کی اس خواہش کو پورا کیا، اور نکاح کی تاریخ پڑ گئی۔ میری دولہن بھی اپنی والدہ اور دادی کے ہمراہ میرے گھر آ گئی، میں مدرسہ سے دوپہر کی چھٹی ہونے پر گھر آیا تو وہ باہر دروازے کے پاس کھیل رہی تھی، میں بھی اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کھیل کھیل میں کوئی بات بگڑی تو میں نے اسے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تب تک نانا پیچھے سے آ گئے اور کہنے لگے ہاں ہاں وہ تمہاری بیوی ہے، آج تم دونوں کا نکاح ہے۔ یہ کہہ کر میرا کان پکڑ کر اماں کے پاس لے گئے اور کہا کہ دیکھو یہ ابھی سے اپنی دلہن کو مار رہا ہے۔ شام کو عصر کے بعد دالان والی مسجد میں میرا نکاح ہوگیا۔

(حاشیہ صفحہ: ۳۰ کا) مولانا سید محمد امین صاحب نصیرآبادی (۱۲۷۵ھ-۱۳۴۹ھ) ان علماء ربانیین میں سے تھے، جن کے فیض سے سنت وشریعت کا نور خوب پھیلا، خیرآباد کی دینی چہل پہل میں ان کا بڑا حصہ ہے، ان کے دورے ہمارے اطراف میں بکثرت ہوا کرتے تھے۔ مولانا محمد سعید صاحب نصیرآبادی (۱۹۰۷ء-۱۹۷۱ء) ان کے ہم وطن وجانشین اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے شاگرد ودارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ اپنے شیخ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہمارے علاقہ میں ان کی آمدورفت شروع ہوئی، ان سے بھی بڑا فیض پہنچا، دیکھئے ''تذکرہ علماء پرتاب گڑھ'' ص: ۲۰۱۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

تیسرا باب

تین سال دارالعلوم دیوبند میں

مرادآباد سے دیوبند:

حیات العلوم مرادآباد میں سالانہ امتحان دینے کے بعد مولانا بشیر احمد صاحب کی رائے کے مطابق میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگلے سال دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینا ہے، چنانچہ عید کے بعد شوال ۱۳۸۶ھ مطابق جنوری ۱۹۶۷ء میں دیوبند پہنچ گیا۔ خیرآباد کے پڑھے ہوئے مولانا شمیم احمد صاحب غالب پوری [شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو] وہاں ایک سال پہلے سے تھے، اس لئے کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ضابطہ کے مطابق داخلہ امتحان ہوا اور موقوف علیہ ناقص میں میرا داخلہ ہوا، فارم نمبر ۱۲۱ تھا۔ موقوف علیہ ناقص کی اصطلاح اب ختم ہوگئی ہے، مشکوٰۃ شریف سے پہلے والے سال کو اس وقت موقوف علیہ ناقص کہا جاتا تھا، اور مشکوٰۃ والے کو موقوف علیہ تام۔ اس سال درج ذیل کتابیں پڑھیں:

- ☆ ہدایہ اولین: مولانا اختر حسین صاحب سے
- ☆ میبذی: مولانا شریف الحسن صاحب سے
- ☆ ملاحسن: مولانا محمد حسین بہاری صاحب سے
- ☆ جلالین شریف: مولانا محمد سالم صاحب سے
- ☆ الفوز الکبیر: مولانا محمد سالم صاحب سے
- ☆ تمرین تقریری وتحریری: مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی سے

مجھے عربی زبان وادب سے خاص مناسبت تھی اور اس کے حصول کا بہت شوق تھا، اس لئے طے کرلیا تھا کہ مولانا وحید الزماں صاحب جو اس فن کے امام تھے، ان سے بطور

خاص استفادہ کروں گا، چنانچہ اپنے ظرف کے بقدر ان سے خوب استفادہ کیا، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک سے ایک محنتی طالب علم تھے، اور پڑھنے کا بہت عمدہ ماحول تھا، پورے سال خوب جی لگا کر پڑھا اور جم کر محنت کی، سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات کے ساتھ کامیاب ہوا۔

موقوف علیہ تام:

شوال ۱۳۸۷ھ مطابق جنوری ۱۹۶۸ء میں موقوف علیہ تام میں آ گیا، فارم نمبر ۳۸۹ تھا، اور درج ذیل کتابیں ان اساتذہ سے پڑھیں:

☆ بیضاوی شریف: [سورہ بقرہ] مولانا شریف الحسن صاحب سے
☆ شرح عقائد نسفی: مولانا محمد سالم صاحب سے
☆ ہدایہ اخیرین: مولانا معراج الحق صاحب سے
☆ مشکوٰۃ شریف: مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے
☆ نخبۃ الفکر: مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے
☆ سراجی: مفتی نظام الدین صاحب اعظمی سے
☆ صف ثانوی: مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی

امسال بھی الحمدللہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوا۔

دورۂ حدیث:

موقوف علیہ تام مکمل کرنے کے بعد اب دورۂ حدیث میں جانے کا سال تھا، جو کافی خوشی اور مسرت کا سال تھا، اس لئے سب سے پہلے دارالعلوم پہنچ گیا، پہلے داخلہ کرانے کی وجہ سے میرا فارم نمبر ۲ تھا، گویا مجھ سے پہلے کسی ایک کا داخلہ ہوا تھا۔ یہ شوال ۱۳۸۸ھ مطابق جنوری ۱۹۶۹ء کا سال تھا۔ دورہ حدیث کی کتابیں درج ذیل اساتذہ سے پڑھیں:

☆ بخاری شریف [اول]: مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی

☆ بخاری شریف [دوم]: مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
☆ مسلم شریف: مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی
☆ سنن ابوداؤد: مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی
☆ سنن ترمذی: مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی
☆ سنن نسائی: مولانا محمد حسین صاحب بہاری
☆ سنن ابن ماجہ: مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی
☆ شرح معانی الآثار: مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی
☆ شمائل ترمذی: مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی
☆ موطا امام مالک: مولانا نصیر احمد خان صاحب
☆ موطا امام محمد: مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی

دارالعلوم دیوبند کے قیامِ سہ سالہ سے اگر جولائی ۱۹۶۹ء کی اسٹرائیک کو نکال دیا جائے اور اسے بے موسم کا بادل سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے تو یہ تین سالہ زندگی تعلیمی لحاظ سے انتہائی لائق شکر اور تعلیمی زندگی کا حاصل تھی۔ میں نے دارالعلوم میں بڑی محنت و کاوش اور دلجمعی سے تعلیم حاصل کی، میں ایک عام طالب علم تھا، دارلعلوم کے کسی ذمہ دار سے میرا کوئی تعلق نہ تھا، اس وقت کے نائب مہتمم مولانا معراج الحق صاحب سے کسی قدر ربط تھا، کیونکہ وہ ہدایہ اخیرین بہت عمدہ پڑھاتے تھے اور ان کی شخصیت مجھے بہت عزیز تھی۔ اساتذہ میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب سے بہت گہرا تعلق تھا، وہ میرے بڑے محسن تھے، عربی لکھنے اور بولنے کے اعتبار سے انھوں نے مجھے بنایا۔ میں مولانا کی عربی دانی و خالص عربی لہجہ میں ان کی گفتگو کا دلدادہ تھا۔ جب وہ عربی میں محو تکلم ہوتے تو دل موہ لیتے تھے، میں انھیں دیکھتا ہی رہ جاتا تھا، تربیت میں ان کو کمال حاصل تھا، ان کی صحبت میں بیٹھ کر، ان کی حوصلہ افزا باتیں سن کر عزم وارادے میں ایک نئی قوت اور توانائی پیدا ہو جاتی تھی۔ ان کی ذات طلباء کے لئے ایک غنیمت کبریٰ تھی۔ رحمه الله رحمةً واسعةً۔

اسٹرائیک کا ناخوشگوار واقعہ:

دورہ کے سال اسٹرائیک کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ میرا کمرہ ۴ نمبر دفتر (مین گیٹ کے عین اوپر مہمان خانے کے سامنے تھا) اسٹرائیکیوں نے میرے کمرے پر قبضہ کرکے اس کو اپنا آفس بنالیا اور مجھے اور مولوی اسرائیل گھوسوی کو کمرے سے باہر نکال دیا، تو ہم دونوں کسی بھی ذمہ دار سے ملے بغیر ہی مرادآباد آگئے کہ کسی ذمہ دار سے کوئی تعلق ہی نہ تھا، ملتے تو کس سے ملتے اور اس وقت اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں سمجھی، ورنہ کسی سے مل کر جاتے، اس کی اہمیت اور ضرورت تو بعد کی مصیبت نے اجاگر کی، ایک افراتفری کا ماحول تھا، میں مرادآباد اپنی سابقہ درسگاہ حیات العلوم پہنچ گیا، اور ہنگامہ فرو ہونے تک وہیں رہا۔

اسٹرائیک کے بعد جب دارالعلوم کھلا تو مجھے اور مولوی اسرائیل کو مشتبہین میں ڈال دیا گیا، ہم اسٹرائیک میں حصہ لینے کے گنہ گار اور قصوروار نہ تھے، اس لئے کہ وہاں موجود ہی نہ تھے، ہمارا قصور صرف دارالعلوم سے باہر آنے کے بعد ذمہ داران دارالعلوم سے نہ ملنے کا تھا، مشتبہین میں بہت سارے لڑکے تھے اور مختلف علاقوں کے تھے۔ دارالعلوم کے ذمہ داران نے ایسے لڑکوں کے بارے میں یہ نرم گوشہ اپنایا کہ ان کے علاقے کی کسی مشہور شخصیت کی سفارش پر انھیں باقی ماندہ تعلیم مکمل کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہمارے علاقے سے دو علماء توثیق کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ایک مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث الاعظمیؒ، اور دوسرے دارالعلوم مئو کے شیخ الحدیث مولانا قاری ریاست علی صاحب۔ حضرت محدث الاعظمیؒ کے رعب ودبدبے کا جو عالم تھا ان کے یہاں جانے کی ہمت کم لوگ کر پاتے تھے۔ میرے والد صاحب مولانا ریاست علی صاحب کے پاس پہنچے اور اپنا مدعا بیان کیا، وہ مجھے نہیں جانتے تھے، اس لئے انھیں تردد ہوا، اللہ تعالیٰ مولانا انعام الحق صاحب[ناظم دارالعلوم مئو] کو بہت بہت جزائے خیر دیں، ان کی سفارش پر مولانا ریاست علی صاحب نے خط لکھ کر دیدیا، اس طرح میرا داخلہ بحال کیا گیا۔ دورۂ حدیث میں بھی امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوا اور پوری جماعت میں دوسری پوزیشن آئی، پہلی

پوزیشن مولانا عبدالکافی پرتاب گڈھی (مرحوم) کی تھی۔

میں، مولوی اسرائیل، مولانا ابوبکر غازی پوری اور مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب (موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند) ہم چاروں ایک ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے، مولانا غازی پوری اور مفتی صاحب دونوں عربی ادب کے اعتبار سے دارالعلوم کے ممتاز طلباء میں سے تھے، بلکہ مفتی صاحب کو تو زمانہ طالب علمی میں ہی مولانا وحید الزماں صاحب نے صف اول والوں کو پڑھانے پر بھی مقرر کر دیا تھا۔ میں ان دونوں سے اپنی عربی انشاء کی اصلاح لیتا تھا، اور یہ دونوں حضرات میری بڑی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب تو آج بھی مجھ سے وہی معاملہ فرماتے ہیں جو اس وقت تھا۔

النادی الادبی سے میرا تعلق:

دورۂ حدیث کی کتابوں کے ساتھ ساتھ النادی الادبی سے میرا اور اِن دونوں حضرات کا بڑا گہرا تعلق تھا، النادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے میں بہت جلد عربی لکھنے لگا تھا، مگر عربی بولنے کی مشق اور اس میں مہارت نہ تھی۔ اُس وقت دارالعلوم میں بہت سے حائطی (دیواری) پرچے نکلتے تھے، اردو میں بھی اور عربی میں بھی۔ انھیں میں سے ایک حائطی عربی پرچہ ''الروضة'' کا میں ایڈیٹر تھا، اور اس کی کتابت بھی میں ہی کرتا تھا۔ مولانا ابوبکر غازی پوری ایک دوسرے دینی حائطی پرچے ''الرسالة'' کے ایڈیٹر تھے۔ مفتی ابوالقاسم صاحب ادبی حائطی پرچہ ''الربیع'' کے اڈیٹر تھے۔ میں ان دونوں کی کتابت بھی کیا کرتا تھا اور اس کے مقالات کو ترتیب دیتا تھا۔ میرا عربی خط بہت اچھا تھا اور آج بھی ہے۔ میں نے ''الربیع'' کے لئے ایک افسانہ لکھا جس کا عنوان تھا ''جِنيَّةٌ اِختَلَسَتْ لُبَّ الْفَتىٰ''، یہ دارالعلوم کے ایک نوجوان کی ایک جنیہ سے محبت کی دلدوز کہانی ہے، جس کو ادبی پیرائے میں ڈھال کر پیش کیا گیا ہے، یہ کہانی دلدوز اس لئے ہے کہ اس کا انجام بہت دردناک ہے۔ وہ جنیہ بار بار رات کی تنہائی میں اسے ڈسٹرب کرتی، تو اس نے ایک بزرگ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا، جس کے بعد پھر وہ کبھی نہیں آئی۔ ایک مرتبہ اس شخص نے چاہا کہ اس سے

پھر ملاقات ہو جائے تو وہ اس کے پاس اس کے کسی دوست کے بھیس میں آئی کہ آج عصر کے بعد تنہا مولانا انور شاہ کشمیری کے مزار والے باغ میں آؤ، مگر وہ ڈر گیا اور نہیں گیا۔ مولانا وحید الزماں صاحب نے اسے بہت پسند کیا تھا۔ ابھی حال میں مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری [نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند] کو اس افسانے کی دوسری قسط دستیاب ہوئی اور انھوں نے اسے اسکین کر کے میرے پاس بھیج دی۔ انھوں نے میرے دو مقالے اور بھی بھیجے ہیں جو اس وقت ان حائطی پرچوں میں لکھے گئے تھے۔

میں نے شعبان ۱۳۸۹ھ [نومبر ۱۹۶۹ء] میں فضیلت کی تکمیل کر لی، اس کے بعد تکمیل ادب کی نیت تھی، کہ عربی ادب میں مزید پختگی اور مہارت حاصل کروں۔ یہی میرا پروگرام تھا، عید کے بعد ۱۲ر شوال کو دیوبند جانا تھا، لیکن تقدیر الٰہی میرے لئے کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی۔ مولانا معراج الحق صاحب کا مکتوبِ گرامی آیا جس نے پل بھر میں میری دنیا ہلا کر رکھ دی، سب کچھ زیر و زبر ہو گیا۔ اس میں لکھا تھا کہ آپ کی تعلیم ایک حد تک مکمل ہو چکی ہے اور آپ چونکہ مشتبہ تھے اس لئے آپ اب دارالعلوم بغرض تعلیم نہ آئیں، یہ مکتوب کیا تھا میرے لئے ایٹم بم تھا۔ میرے سامنے سارے راستے بند تھے، اس لئے کہ تکمیل ادب پڑھنے کے علاوہ میرے ذہن میں کچھ نہ تھا، اس لئے کہیں پڑھانے کی درخواست وغیرہ دینے کا سوال ہی نہ تھا۔ اب اگر کہیں درخواست بھی دیتا تو منظوری کیسے ہوتی، مدارس اس وقت تک جسے لینا تھا، لے چکے تھے۔ اب تو بظاہر سال بھر انتظار ہی کرنا تھا۔

چوتھا باب

تدریس

مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں:

میرے ساتھ اچانک پیش آنے والی غیر متوقع صورتحال آپ پڑھ چکے ہیں، امید پر تو دنیا قائم ہے۔ بہرحال خدا کا نام لے کر بہت ساری جگہوں پر درخواست بھیج دی۔ ایک جگہ سے امید کی کچھ کرن نظر آئی، خیرآباد کے بڑے ہی جید عالم، بہترین مدرس وخطیب، اور اعلیٰ درجہ کے شاعر وادیب، میرے بہت بڑے محسن حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب شمسیؔ اُن دنوں مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں شیخ الحدیث تھے۔ انھوں نے میرے پاس خط لکھا کہ ہمارے یہاں مدرسہ میں ایک صاحب بیمار ہیں اور پانچ چھ مہینے تک ان کی شفایابی کی امید نہیں ہے، ان کی جگہ پر تم آجاؤ، پھر دیکھا جائے گا کہ آگے کیا کرنا ہے، اس خط کو میں نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھا اور فوراً سامان اٹھایا اور مالیگاؤں کے سفر پر نکل گیا۔ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ [فروری ۱۹۷۰ء] میں مالیگاؤں پہنچ گیا۔

مولانا سلیمان صاحب نے وہاں میرا بہت خیال رکھا، میں وقتی طور پر ہی سہی مدرس ہوگیا، اور مجھے پرائمری کے اُس مریض مدرس کی کلاس مل گئی، میں خوش وخرم پڑھانے لگا۔ چھ مہینے کے بعد وہ صاحب اچھے ہوکر آگئے اور مجھے دو مہینے کا ٹائم دے کر نوٹس دیدی گئی۔ میں نے مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی کو دیوبند خط لکھا اور اپنی ملازمت کی پوزیشن بتائی۔ جب اللہ تعالیٰ کو کسی کام کو بنانا ہوتا ہے تو ایسے حالات پیدا کردیتے ہیں کہ عقل انسانی حیران ہوکر رہ جاتی ہے، اور اسباب خود بخود اس طرح مہیا ہوجاتے ہیں کہ اس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں رہتی۔ اِدھر میرا خط مولانا وحید الزماں صاحب کے پاس دوپہر کو پہنچتا ہے اور اُسی روز شام کو مدرسۃ الاصلاح سرائمیر ضلع اعظم گڈھ سے مولانا احتشام الدین صاحب ان

کی خدمت میں پہنچتے ہیں، انھیں ایک ایسے نوجوان مدرس کی ضرورت تھی جو ذہین ہو اور ہر کتاب پڑھا سکے۔ بس مولانا نے ان سے میرے متعلق بات چیت کر کے طے کر لیا اور مجھے خط لکھا کہ تم اپنے ہی علاقہ میں آجاؤ۔ درمیان سال سے ہی مدرسۃ الاصلاح میں ۱۹۷۰ء کے اخیر میں ۱۲۰/روپئے ماہانہ تنخواہ پر آ گیا اور پڑھانے لگا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں:

مدرسۃ الاصلاح میں مجھے رکھے جانے کا پس منظر کچھ اچھا نہیں تھا، وہ اس لئے کہ چند بہت ہی مقبول اور سینیر اساتذہ نکالے گئے تھے، جن میں سے ایک مولانا اظہار صاحب کی مقبولیت طلباء میں بہت تھی۔ درجہ ہفتم (جو وہاں کا آخری سال مانا جاتا تھا) کے سارے طلباء ان کی حمایت وطرف داری میں تھے۔ وہ ایک منجھے ہوئے بہترین استاذ تھے اور ان کی جگہ مجھ جیسے نوجوان کو رکھا گیا تھا، جس کی عمر اس وقت کوئی بیس بائیس سال رہی ہوگی، داڑھی کے بال ہلکے ہلکے آرہے تھے۔ مجھے آخری کلاس سے بخاری شریف اور شرح عقائد نسفی دی گئی، اور ششم سے مسلم شریف، مرقاۃ، ہدایۃ الحکمۃ اور سراجی دی گئی۔ کسی بھی کتاب کو پڑھانے میں مجھے کوئی زحمت نہ ہوئی، طلباء مجھ سے بکثرت سوال کرتے تھے، جس کا میں پورے اہتمام کے ساتھ جواب دیتا تھا۔ الحمد للہ بخیر وخوبی یہ سال مکمل ہوا۔ آخری کلاس کے طلباء میں دو ذہین طلباء کے نام مجھے یاد ہیں۔ ایک مولانا انیس احمد اصلاحی اور دوسرے مولانا سہیل احمد اصلاحی جو شبلی انٹر کالج میں پرنسپل رہ چکے ہیں۔

مدرسۃ الاصلاح میں جب تعلیم کا دوسرا سال شروع ہوا تو پورہ معروف کے مشہور وجید عالم حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفیؒ [م: ۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء] تشریف لائے۔ مولانا احتشام الدین صاحب صدر مدرس مدرسۃ الاصلاح نے مجھ سے شروع میں ہی کہہ دیا تھا کہ حدیث کی بڑی کتابیں آپ اس سال پڑھا لیجئے، اگلے سال کسی معمر مدرس کو لائیں گے۔ مولانا زین العابدین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، سال فراغت شعبان ۱۳۷۲ھ [مئی ۱۹۵۳ء] ہے۔ مولانا نہایت جید الاستعداد عالم تھے، دورۂ حدیث کے

سال پوری جماعت میں سب سے زیادہ نمبر لاکر پہلی پوزیشن سے کامیاب ہوئے تھے، دس کتابوں کے کل ۵۰۰/ نمبرات میں سے مولانا کو بہترین جواب لکھنے پر ۵۱۵/ نمبر ملے تھے، کسی کتاب میں ۵۰/ سے کم نہیں اور بیشتر میں ۵۲/۵۱ بلکہ ۵۳/ نمبر تک بھی ملے تھے۔ مولانا کئی جگہوں پر کامیاب مدرس رہ چکے تھے۔ ان کے آنے سے بڑی ڈھارس ہوئی کہ چلو کوئی ایک تو اپنا ہم خیال آیا۔ مولانا کو بخاری شریف، مسلم شریف اور شرح عقائد نسفی وغیرہ بڑی کتابیں دی گئیں، اور مجھے ہدایہ اولین وغیرہ دی گئیں۔ اکثر میں مولانا زین العابدین صاحب سے ہدایہ کے مشکل مقامات سمجھتا تھا۔ مولانا کا بڑوں کو سمجھانے کا انداز بڑا انوکھا تھا، دو ایک لفظ کہتے اور بات سمجھ میں آجاتی، لیکن طلباء جو نہ مطالعہ کرکے آتے اور نہ ہی پچھلا سبق ہی انھیں یاد رہتا، گویا انھیں ایک مرتبہ مطالعہ کرائیے اور پھر سمجھائیے۔ تو طلباء ان سے کم مطمئن رہتے، جس کا وہ اظہار بھی کرتے تھے۔

مدرسۃ الاصلاح میں تدریس کا انداز دیگر مدارس سے بالکل جداگانہ تھا، یہاں طلباء کو سوال کرنے کی، بحث ومباحثہ کی پوری آزادی ہوتی تھی، اور مجھے وہاں طلباء کے اکثر علمی سوالات سے بیحد فائدہ پہونچا، میں ان کے سوالات کو ہمیشہ مثبت انداز میں لیتا تھا، اگر مجھے معلوم ہوتا اسی وقت جواب دیدیتا، ورنہ بعد میں دینے کا وعدہ کرتا اور پھر اسے پورا بھی کرتا۔ مدرسۃ الاصلاح میرے لئے جیسے سنار کی بھٹی ثابت ہوا، وہاں پڑھا لینے کے بعد میں صیقل ہوگیا منجھ گیا، اس کے بعد مجھے کہیں بھی کسی قسم کی جھجھک نہیں محسوس ہوئی۔ اس پر میں مدرسۃ الاصلاح کے طلباء کا بیحد شکر گذار ہوں، اور ان کی صلاح وفلاح کی دعا کرتا ہوں۔

شروع شروع میں تو میں نہیں سمجھ سکا کہ مدرسۃ الاصلاح کس مکتب فکر کا ادارہ ہے، لیکن مہینے دو مہینے میں صاف معلوم ہوگیا کہ یہ مدرسہ کسی خاص مسلکی فکر کا حامل نہیں ہے۔ اس کا مسلک کسی ایک امام کو نظریاتی طور پر ماننے کا نہیں ہے، لیکن عملاً یہ اور یہاں کے فارغ التحصیل حنفی مذہب پر عمل کرتے تھے۔ اسی طرح یہاں بعض اساتذہ وطلباء جماعت اسلامی سے بے حد متاثر تھے۔ حدیث کو تو وہ لوگ مانتے تھے مگر دارالعلوم دیوبند کی طرح نہیں۔

مدرسۃ الاصلاح پر مولانا عبدالحمید فراہی صاحب نظام القرآن کا نظریہ غالب تھا، بلکہ وہ لوگ اسی نظریہ پر عامل تھے۔ مولانا فراہی قرآن کی تفسیر ادب جاہلی اور اشعار عرب کی روشنی میں کرتے تھے۔ سورۂ فیل کی تفسیر انھوں نے اسی نقطۂ نظر کے تحت کی ہے جو جمہور سے بالکل ہٹ کر ہے۔ یہ نظریہ ہمارے دارالعلوم دیو بند کے نزدیک انحراف سمجھا جاتا تھا۔

میں مدرسۃ الاصلاح میں تقریباً سات سال رہا، ۱۹۷۰ء کے اخیر سے لے کر ۱۹۷۶ء تک۔ وہاں میں نے مختلف کتابیں پڑھائیں، جیسے: بخاری شریف، مسلم شریف، شرح عقائد، سراجی، ہدایۃ الحکمۃ، ہدایہ اخیرین، ہدایہ اولین، قدوری، مرقاۃ اور انشاء عربی وغیرہ۔ وہاں کے انتہائی ممتاز اور باادب شاگردوں میں مفتی اشفاق احمد صاحب، مولوی ڈاکٹر اجمل ایوب اصلاحی، مولوی سلطان احمد اصلاحی (مرحوم) مولوی راشد ایوب اصلاحی، اور مولانا طاہر مدنی [ناظم جامعۃ الفلاح، بلریا گنج] وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

میں مدرسۃ الاصلاح میں افتاء کا کام بھی کرتا تھا، اور افتاء کے روایتی طرز کو چھوڑ کر میں نے ایک نیا طریقہ اپنایا۔ کسی بھی استفتاء کے جواب کو میں قرآن وحدیث سے مدلل کرتا، پھر فقہ کی کتابوں سے اس مسئلہ سے متعلق ائمۂ فقہ کے نصوص لکھ کر فتوے دیتا تھا۔ اس کے کچھ نمونے مدرسہ میں محفوظ ہوں تو مل سکتے ہیں، ویسے امید کم ہے۔ میرا یہ طرز و انداز مدرسۃ الاصلاح کے اساتذہ کو بہت پسند آیا، مگر مولانا زین العابدین صاحب معروفی کو وہی روایتی طریقہ ہی پسند تھا۔

میری پہلی اولاد:

مدرسۃ الاصلاح میں میرا دوسرا سال تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بہت ہی خوبصورت اور حسین بیٹے سے نوازا، اس کی ولادت فروری ۱۹۷۲ء کی کسی تاریخ میں اعظم گڈھ مشن ہاسپٹل میں ہوئی۔ اس کا نام ابوطلحہ مسعود رکھا، پھر تقریباً دو سال کے بعد مئی ۱۹۷۴ء میں میری سب سے بڑی بیٹی سعدیہ عائشہ سلمہا خیرآباد میرے پرانے گھر میں پیدا ہوئی۔ ماشاء اللہ نہایت سمجھدار، اطاعت شعار اور سلیقہ مند ہے۔

معاشی تنگی اور اس سے نجات کے لئے تدبیر اور دعا:

پہلے تو میں مدرسۃ الاصلاح کی مسجد کے مشرقی کونے پر واقع کمرہ میں رہتا تھا، جب اہلیہ اور دونوں بچوں کو لے کر آیا تو کرائے پر ایک مکان لیا۔ بچوں کو یہاں لانے کے بعد اپنی تنخواہ کی قلعی کھلی کہ یہ تو انتہائی ناکافی ہے، جو تنخواہ ۱۲۰/روپئے سے شروع ہوکر سات سال میں ۱۸۰/روپئے تک پہنچی تھی، وہ ہم چار افراد کے لئے ناکافی ثابت ہو رہی تھی اور بڑی ہی مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ میرے والد اور خسر حاجی محمد ادریس صاحب کو اس کا احساس تھا، وہ دونوں ہی ہر ماہ پوتے اور نواسے کو دیکھنے کے بہانے سے آجاتے اور ۲۰/۲۵/روپئے بچوں کو پکڑا دیتے۔ پیسے کی اس کمی کو دور کرنے کے لئے میں ایک مسجد میں مغرب، عشاء اور فجر کی امامت بھی کرتا تھا، مگر خرچ تھا کہ پورا ہی نہیں ہوتا تھا۔ مسجد سے ہر ماہ ۲۵/روپئے ملتے تھے، وہ تو گھر کے کرائے میں چلے جاتے تھے اور مدرسہ سے جو تنخواہ ۱۸۰/روپئے ملتی تھی وہ کسی طرح کافی نہیں ہوتی تھی۔

مدرسۃ الاصلاح ہو یا کوئی بھی اس طرح کا ادارہ جو عوام کے چندے پر چلتا ہو اس میں ترقی کے چانسز نہ ہونے کے درجے میں ہوتے ہیں، اس پر مدرسہ میں پڑھانے کے لئے مارا ماری الگ ہوتی ہے، میں اب وہاں سے اکتا سا گیا تھا اور اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے کہیں اور جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔

اس دوران میں نے سوچا کہ خیرآباد آجاؤں اور مدرسہ میں پڑھاؤں اور گھر کا کام بھی کروں تو کچھ آمدنی بڑھے گی اور معاشی طور پر سہولت حاصل ہوگی۔ اس سلسلے میں اپنے بڑے ابو مولانا عبدالحق صاحب ناظم مدرسہ منبع العلوم سے بات بھی کی، انھوں نے وعدہ بھی کیا کہ اب اگر جگہ خالی ہوئی تو تمہیں کو رکھیں گے، جگہ خالی بھی ہوئی اور بڑے ابو نے کہا بھی کہ درخواست دیدو تمہارا تقرر ہو جائے گا، مگر قسمت میں یہ نہ تھا اور میرا تقرر وہاں نہ ہوسکا۔

ایک روز اس معاشی بدحالی پر رونا آگیا اور میں اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت کر بیٹھا کہ اے اللہ! تو نے مجھے دین کا عالم تو بنا دیا، میں نے ختم بخاری کے موقعہ پر تجھ سے رو رو کر یہ دعا

مانگی تھی کہ جب تو نے مجھے دین کا عالم بنا ہی دیا ہے تو اِسی راہ سے میری اچھی روزی روٹی کا بھی انتظام کردے۔ کیا یہی تیرا انتظام ہے کہ ہر چیز ناپ تول کر ہو رہی ہے، روٹی دال کے لئے الگ، گوشت کے لئے الگ، چاول کے لئے الگ پیسہ جوڑ کر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی بیمار پڑ گیا تو گوشت بند۔ میں نے تو تجھ سے ایسا معاش مانگا تھا کہ وہ مجھے اور میرے اہل وعیال کے لئے کافی ہو، اتنا کہہ کر خوب رویا، طبیعت کچھ ہلکی ہوئی اور میں سو گیا۔

ہم دونوں میاں بیوی اسی سوچ وچار میں رہا کرتے تھے کہ آمدنی کیسے بڑھائی جائے۔ ایک دفعہ خیال آیا کہ پڑھائی چھوڑ کر اپنا کاروبار کریں، چنانچہ اس سلسلے میں اپنی سسرال گیا کہ وہ لوگ مالدار تھے۔ بڑے خسر حاجی غلام رسول بابا سے اپنے عندیہ کا ذکر کیا، مگر انھوں نے کوئی بھی جواب نہیں دیا اور ایک طرح سے سردمہری سے پیش آئے، مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ جب اہلیہ کو حاجی بابا کی اس خاموشی اور سردمہری کا علم ہوا تو انھیں بھی کافی دکھ ہوا۔

ان دونوں واقعات کا دکھ تو بہت ہوا، لیکن جب بعد کے حالات سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر سامنے آگئی کہ: **عَسٰی أَنْ تَکْرَھُوا شَیْئاً وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ** ۔ (ممکن ہے کہ کوئی چیز تمھیں ناپسند ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو) اور یہ کہ ''**رُبَّ ضَارَّۃٍ نَافِعَۃٌ**'' (کہ کبھی بظاہر نقصان دہ چیزیں آگے چل کر نفع بخش بن جاتی ہیں)۔

اگر حاجی بابا نے پیسوں سے میری مدد کردی ہوتی اور میں کاروبار میں لگ گیا ہوتا، یا میرا تقرر مدرسہ منبع العلوم میں ہو گیا ہوتا تو ہوسکتا تھا کہ میں مالدار تو ہو جاتا اور بقدر ضرورت کما بھی لیتا، مگر میں ڈاکٹر اور پروفیسر نہ بن پاتا، اور جیسی بھی بن پڑ رہی ہے علم، بالخصوص علم حدیث کی خدمت جو انجام دے رہا ہوں اس کا دور دور تک کوئی امکان نہ ہوتا۔ پھر آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اسی راہ سے میری حیثیت اور گمان سے بڑھ کر جو عزت وشہرت اور مال ودولت عطا کیا وہ شاید اسی مجاہدے کا صلہ ہے جو سات سال میں نے کیا ہے۔ **الحمد للہ حمداً کثیراً**۔

پانچواں باب

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

مدینہ یونیورسٹی جانے کی پلاننگ:

ہمارے علاقے سے دارالعلوم دیوبند کے کچھ فارغ التحصیل فضلاء کے مدینہ یونیورسٹی پڑھنے جانے کے چرچے ہوا کرتے تھے، وہ لوگ جب وطن واپس آتے تو ان کے پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے۔ میری اہلیہ حسینہ خاتون (ابوطلحہ سلّمہٗ کی ماں) بڑی صالح اور تہجد گزار خاتون تھیں، وہ ہماری معاشی خوشحالی کے لئے بڑی دعائیں کرتی تھیں۔ ۱۹۷۶ء کی بات ہے، شعبان کا مہینہ تھا۔ ایک روز وہ باتوں باتوں میں کہنے لگیں کہ لوگ مدینہ یونیورسٹی جاتے ہیں، آپ بھی کیوں نہیں درخواست دے کر قسمت آزمائی کرتے۔ بس کیا تھا، پھر تو ان کی بات دل میں گھر کر گئی، حالانکہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد والد محترم نے بھی مدینہ جانے والی بات کہی تھی مگر اُس وقت میں اپنے اندر مدینہ جانے کی صلاحیت نہیں پاتا تھا، لیکن اب جبکہ سات سال پڑھا چکا تھا اور مدرسۃ الاصلاح میں ایک دم منجھ گیا تھا، تو اب میں اپنے آپ کو اس لائق پا رہا تھا کہ مدینہ منورہ درخواست دوں۔ چنانچہ اسی وقت میں نے دارالعلوم دیوبند خط و کتابت کر کے ساری سرٹیفکٹس (سندیں) منگوائیں اور ایک عمدہ، مختصر اور جامع درخواست اپنی رائٹنگ میں تیار کی۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر:

میں نے انھیں ایام میں ایک خواب دیکھا کہ میں، میرے والد اور میرا بیٹا ابوطلحہ مسعود تینوں آدمی محمد آباد اسٹیشن سے بذریعہ ٹرین پچھّم جانب چلے، اور ٹرین شاہ گنج پہنچی تو اچانک اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا دہلی کی طرف چلا جس میں مَیں تھا، اور دوسرا ٹکڑا

واپس محمد آباد کی طرف لوٹ گیا جس میں میرا بیٹا اور والد صاحب تھے۔صبح اُٹھا تو طبیعت کافی پریشان تھی کہ آخر یہ خواب کیسا ہے؟ ان دنوں پورہ معروف کے مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسۃ الاصلاح میں شیخ الحدیث تھے، میں نے ان سے اپنے خواب کا ذکر کیا کہ خواب ہمیشہ عالم اور جو آپ کا خیر خواہ ہو، صاحب رائے، عقلمند اور آپ سے محبت رکھتا ہو اس کو سنانا چاہئے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے(۱)، تو مولانا نے دریافت کیا کہ اِن دنوں تمہارے دل و دماغ میں کچھ چل رہا ہے کیا؟ میں نے کہا کہ ہاں! مدینہ یونیورسٹی میں درخواست دینے کا خیال ہے اور ہم میاں بیوی نے بڑی بڑی دعائیں کی ہیں۔اس پر مولانا نے کہا کہ تم مدینہ جارہے ہو، یہ خواب تمہارے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی خوشخبری ہے۔ یہ سن کر طبیعت بظاہر بہت خوش ہوئی، مگر خواب جب تک حقیقت نہ بن جائے خواب ہی رہتا ہے۔

اسی دوران شب برأت بھی آگئی۔اس رات ہم دونوں میاں بیوی نے رات بھر جاگ کر خوب خوب دعائیں کیں کہ اس رات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔پھر مدرسہ کی چھٹی ہوگئی اور ہم سب گھر آگئے، اور میں نے چار کاغذات ایک ساتھ جوڑ کر اس پر دارالعلوم کی سب سے بڑی سٹرٹیفکیٹ کو اپنی عربی رائٹنگ میں لکھا، کیونکہ اس زمانے میں ابھی فوٹو اسٹیٹ مشین نہیں آئی تھی۔

مدینہ یونیورسٹی میں درخواست دینے کے لئے دو اچھے عالم جن کا وہاں اثر ورسوخ ہو، ان کی سفارش درکار ہوتی تھی۔مبارکپور میں مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی [صاحب مرعاۃ المفاتیح] میرے پھوپھا حاجی عبدالرشید صاحب کے پھوپھا تھے، ایک اہل حدیث عالم ہونے کی وجہ سے وہاں ان کے مراسم تھے اور ان کا اچھا خاصا اثر ورسوخ تھا، میں پھوپھا کو لے کر ان کے پاس گیا کہ ایک سفارشی خط دیدیں تو داخلہ میں آسانی ہوجائے گی، مگر انھوں

---

(۱)سنن الترمذی، کتاب الرؤیا، باب ما جاء فی تعبیر الرؤیا: ج: ۴،ص: ۵۳۶،رقم: ۲۲۷۸/ ج۴،ص۵۳۷، رقم ۲۲۸۰ ۔صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، بدون باب، ج۴،ص ۱۷۷۱، رقم ۲۲۶۱

نے سفارشی خط نہیں دیا، لیکن میری عربی درخواست دیکھ کر اتنا کہا کہ تمہاری عربی بہت صحیح اور فصیح وبلیغ ہے، تمہارا داخلہ ہوجائے گا۔ اُن کے سفارشی خط نہ دینے کی وجہ سے میرے پھوپھا حاجی عبدالرشید صاحب بہت دل گرفتہ ہوئے، مگر میں نے انھیں سمجھایا کہ ان سے سفارش نہ ملنے کا گمان پہلے سے ہی آپ کو بھی تھا اور مجھے بھی، تو پھر اب رنج کیسا؟

میں نے ستمبر ۱۹۷۶ء [رمضان ۱۳۹۶ھ] میں دہلی کا سفر کیا، ساری سرٹیفکیٹ (جنھیں میں نے اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا) کو سعودی سفارتخانے سے تصدیق کرواکے، مولانا سید اسعد صاحب مدنی اور مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی سے سفارشی لیٹر لے کر سب کاغذات دہلی سے مدینہ منورہ کیلئے پوسٹ کر دیا اور واپس گھر آگیا۔ ۱۹۷۵ء میں ابا بازار والے گھر میں آگئے تھے۔ عید کے بعد بچوں کو ساتھ سرائمیر نہیں لے گیا، تنہا ہی مدرسہ گیا، اس لئے کہ اب بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کا تجربہ ہوچکا تھا، اسے دیکھ کر انھیں سرائمیر لے جانے کا ارادہ بدل دیا۔

مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی منظوری:

شوال ۱۳۹۶ھ [اکتوبر ۱۹۷۶ء] میں ایک روز اچانک والد صاحب بڑے سہمے ہوئے سرائمیر آگئے، انھیں دیکھتے ہی مجھے شاک لگا کہ ابھی تو میں خیرآباد سے چند دن پہلے ہی آیا ہوں۔ دل نے اندر سے کہا کہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہے، والد صاحب نے رسمی خیر خیریت کے بعد مجھے ایک لیٹر دیا کہ دیکھو تو یہ کسی عرب ملک سے آیا ہے، ابا کو پہلے سے پتہ تھا ہی کہ میں نے مدینہ منورہ درخواست دے رکھی ہے تو انھیں بھی قیاس سے یہی سمجھ میں آیا کہ ہو نہ ہو مدینہ یونیورسٹی سے کوئی لیٹر ہو، یہ لیٹر حقیقت میں مدینہ یونیورسٹی سے ہی تھا، فوراً اسے کھولا اور پھر میری باچھیں کھل اٹھیں۔ اس میں مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی منظوری کی خبر تھی۔ ابا کو بتایا کہ یہ مدینہ سے منظوری لیٹر ہے، ابا اور میں نے فوراً وہیں مسجد میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ اب اگلے پلان میں ہم سب جٹ گئے، مدرسہ والوں کو اس کی اطلاع دی گئی اور استعفیٰ دے کر خیرآباد واپس آگیا۔

اُدھر مولانا عبدالباری صاحب قاسمی ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کو ابراہیم

پور کے مولوی انعام الحق ولد مولانا محمد یحییٰ (جواُن دنوں مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے) نے اطلاع دی کہ ابواللیث، محمود الحسن، فضل حق مبارکپوری (اہل حدیث) کا مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ منظور ہوگیا ہے، اور انھوں نے میرے خسر حاجی محمد ادریس صاحب کو اطلاع دی، وہ بھاگم بھاگ خیرآباد ابا کو خبر دینے آگئے، اور پھر جنگل کی آگ کی طرح خیرآباد اور اس کے قرب وجوار کے گاؤں اور قصبوں میں یہ خبر پھیل گئی۔

دنیا کتنی عجیب شے ہے، یہ چڑھتے سورج کی کس طرح پوجا کرتی ہے اور ڈوبتے سورج کی طرف دیکھتی بھی نہیں۔ وہی ابواللیث جو اس خبر سے پہلے ایک گمنام زندگی بسر کر رہا تھا، وہ لوگوں سے ملے تو ملے اور لپک کر سلام کرے، لوگوں کے لئے اس میں کوئی کشش اور خاص بات نہ تھی، اس لئے کہ اسے معاشی آسودگی حاصل نہ تھی، زیورِ علم سے تو وہ پہلے بھی آراستہ تھا اور اب بھی ہے، لیکن اس واقعہ کے بعد اب ہر شخص اس کو سلام کر رہا ہے، اس کے ساتھ عزت سے بات چیت کی جارہی ہے، جبکہ وہ ابھی مدینہ گیا بھی نہیں، لیکن لوگوں کی سوچ کا زاویہ بدل گیا۔ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ اب یہ مدینہ جائے گا، وہاں سے فراغت کے بعد اسے حسب دستور سعودیہ کی طرف سے کہیں نہ کہیں ملازمت مل جائے گی، پھر تو عیش ہی عیش ہوں گے، جیسا کہ اور لوگوں کا حال تھا۔ یہ لوگوں کی سوچ تھی یا رہی ہوگی لیکن میرے ساتھ ایسا کچھ نہ ہوا جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے، کہ میرا لکھنے پڑھنے کا جو معمول، لوگوں سے ملنے جلنے کا جو انداز اور جو طرزِ معاشرت تھا وہ بعد میں بھی ویسے ہی رہا۔

میں نے شعبان میں ہی پاسپورٹ بننے کی درخواست دے دی تھی اور مولوی محمود وغیرہ نے بھی، مگر ابھی تک کسی کا پاسپورٹ بن کر آیا نہیں تھا، ہم تینوں کا خیال تھا اور کوشش تھی کہ امسال کا حج مل جائے اور یہ ممکن بھی تھا، اس لئے کہ ابھی ہمارے سامنے ذی قعدہ کا پورا مہینہ پڑا تھا۔ بہر حال ہم تینوں لکھنؤ گئے، پاسپورٹ آفس کے کئی دن چکر کاٹے، مگر پاسپورٹ آفیسر سے کوئی ملنے ہی نہیں دیتا تھا، لاکھ کہو کہ ہمارا مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ہوا ہے اور ہم حج بھی کرنا چاہتے ہیں، مگر ہماری کوئی سنتا ہی نہ تھا۔ بس تیسرے دن یہ پلان بنایا گیا

کہ آج ہم تینوں چلتے ہیں اور کسی سے پوچھے بغیر سیدھے صاحب کی آفس میں داخل ہو جائیں گے، کوئی لاکھ روکے مگر رکنا نہیں ہے۔ چنانچہ تیسرے دن حسب پلان ہم تینوں نے ایسا ہی کیا، چھوٹے موٹے کلرکوں نے روکا اور تو تو میں میں شروع ہوئی اور صاحب تک یہ آواز پہنچ گئی، اور یہی ہم لوگ چاہتے تھے، انھوں نے ہم تینوں کو اندر بلا لیا اور بڑے اچھے انداز سے پوچھا کہ مولانا صاحب کیا بات ہے، کیوں آپ لوگ ناراض ہورہے ہیں؟ میں نے کہا صاحب! ہم تینوں کا مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ہوا ہے اور یہ منظوری لیٹر ہے، اگر آپ کی توجہ سے ہمیں پاسپورٹ مل جاتا تو ہم حج بھی کر لیتے۔ صاحب کو بات سمجھ میں آگئی اور انھوں نے کہا کہ آپ لوگ کرسی پر بیٹھیں اور انھوں نے اپنے ماتحت کلرک سے کہا کہ ان تینوں کی فائل تلاش کر کے ان کا پاسپورٹ بنا کر ابھی لے آؤ۔ پھر تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر ہمیں پاسپورٹ بن کر مل گیا اور ہم نے صاحب کو بہت بہت دعائیں دیں اور خوشی خوشی گھر لوٹ آئے۔

اب دہلی جا کر سعودی سفارتخانے سے ویزا اور ٹکٹ لینا تھا اور وہیں سے سیدھے بمبئی روانگی کا پروگرام تھا، اس لئے ہم تینوں سب سے مل ملا کر پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ گئے، مولوی محمود کو اپنے بھائی شاہد سے ملنا تھا جو اُن دنوں وہاں پڑھ رہے تھے۔

ہوائی جہاز (پلین) کا پہلا سفر:

علی گڈھ سے سیدھے ہم تینوں دہلی آ گئے، میں اور مولوی محمود صاحب جمعیۃ علماء ہند کے آفس میں ٹھہرے، اور مولوی فضل حق اپنے کسی اہل حدیث دوست کے یہاں۔ قاری حماد صاحب جو اُن دنوں جمعیۃ میں کام کرتے تھے، ان کی رہنمائی میں سعودی ایمبیسی سے دو تین دن میں ویزا اور ٹکٹ مل گیا۔ دہلی سے بمبئی بائی پلین جانا تھا، پلین سے یہ ہمارا پہلا سفر تھا۔

ہم تینوں ہی گھبرائے ہوئے جہاز پر چڑھ گئے۔ پہلے ایر ہوسٹس نے مٹھائیاں دیں، پھر تھوڑی دیر میں کھانے کے ساتھ دو دو سفید چوکور چینی کے ڈلے بھی تھے، محمود نے مجھ سے پوچھا کہ یہ چینی کا ڈلا لگ رہا ہے، تو میں نے کہا کہ ہاں، ہم لوگ جیسے کھانے کے بعد بھیلی سے منہ میٹھا کرتے ہیں نا، پلین میں اسمارٹ طریقے سے بھیلی کی جگہ چینی کے ڈلے

دیئے گئے ہیں، پھر کھانا کھانے کے بعد ہم تینوں وہ چینی کے ڈلے کٹر کٹر کھا گئے۔آخر میں جب چائے بغیر شکر کے آئی تب پتہ چلا کہ وہ شکر کے ڈلے چائے کے لئے تھے، خیر ایرہوسٹس سے مانگا گیا تو اس نے مسکرا کر پھر دو دو ڈلے دیئے۔اس کے مسکرانے کا مطلب سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ من ہی من میں کہہ رہی ہو کہ چینی کے دونوں ڈلے بھیلی سمجھ کر تم سب کھا گئے ہو۔ڈیڑھ پونے دو گھنٹے میں ہم لوگ بمبئی پہنچ گئے۔

مولانا قاضی اطہر صاحب کی میزبانی میں:

مولانا قاضی اطہر صاحب اُن دنوں بمبئی میں رہتے تھے، وہ انقلاب اخبار کے لئے مستقل روزانہ ایک دینی کالم لکھتے تھے،اس کے علاوہ ماہنامہ البلاغ بھی نکالتے تھے،ان کا قیام ۱۹۵۰ء سے بمبئی میں تھا۔وہ مولوی محمود صاحب کے سگے ماموں تھے،اس لئے ہم تینوں وہیں گئے، پھر سعودیہ جانے کے لئے اس وقت کے نامی گرامی ایجنٹ ذکاءاللہ بھائی کی آفس کے چکر کاٹنے لگے۔ایک ماہ کے قریب وہاں رہے اور ذکاءاللہ بھائی نے بالکل اخیر میں مولوی محمود کو بمبئی سے براہ ریاض مدینہ بھیجا،اور مجھے اور مولوی فضل حق (اہل حدیث) کو ایک ساتھ براہ دمام مدینہ بھیجا۔

سعودی عرب کا پہلا سفر اور میرا پہلا حج:

مولوی محمود صاحب کا جہاز وایا ریاض ۵/یا۶/ذی الحجہ کو تھا،اور میرا اور مولوی فضل حق کا وایا دمام ۷/ذی الحجہ کو۔ہم دونوں تو خیر وعافیت کے ساتھ ۷/ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ (نومبر ۱۹۷۶ء) کو ہی دمام، پھر اسی دن وہاں سے مدینہ کے لئے فلائٹ پکڑ کر رات میں عشاء کے قریب مدینہ یونیورسٹی پہونچ گئے،مولوی محمود صاحب بڑی پریشانی کے بعد پہنچے،ان سے منیٰ میں ملاقات ہوئی،اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔یونیورسٹی پہنچے تو وہاں ہو کا عالم تھا،سارے طلباء حج کے لئے مکہ جاچکے تھے،ہمارے متعارف طلباء میں سے ایک بھی نہ ملا۔اسی اثناء میں مَیں نے دیکھا کہ کچھ طلباء احرام باندھے مکہ جانے کی تیاری کررہے ہیں،معلوم ہوا کہ وہ مصر کے طلباء ہیں۔اللہ انھیں جزائے خیر دے، وہ لوگ مولوی سلمان ولد قاضی اطہر صاحب کو

جانتے تھے، بس اتنے سہارے کو کام میں لاتے ہوئے میں نے ان سے درخواست کی کہ ہم ابھی ابھی انڈیا سے یہاں پہنچے ہیں، ہمارے پاس پیسے تو نہیں ہیں، ہمیں بھی ساتھ مکہ لے چلیں، واپسی میں کرائے کی رقم آپ کو لوٹا دیں گے۔ وہ سب اچھے لوگ تھے، راضی ہو گئے اور اس طرح ہم دونوں مکہ مکرمہ رات میں پہنچ گئے۔

مکہ مکرمہ میں یہ پہلا پہلا دخول تھا۔ کتاب ''معلم الحجاج'' اور'' آپ حج کیسے کریں'' میرے ساتھ تھی، اس میں دیکھ کر حرم شریف میں داخل ہوا، اس وقت حرم کا فرش کچا تھا، جگہ جگہ کبوتروں کے لئے گیہوں کے دانے بکھرے پڑے تھے، اور زمزم کے کنویں کے آس پاس پانی اور دانوں کی آمیزش سے عجیب طرح کی بو پیدا ہو رہی تھی۔ میرا حجِ افراد تھا، اس لئے مجھے عمرہ کر کے حلال نہیں ہونا تھا۔ میں نے عمرہ کے سارے ارکان افضل طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کی، طواف کے ہر چکر میں حجر اسود کو بوسہ دیتا اور رکن یمانی کو چھوتا، اس طرح طواف مکمل کیا، پھر پورے اہتمام کے ساتھ صفا مروہ کی سعی مکمل کی۔ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر میں فجر کی اذان ہوئی، میں حرم میں بیٹھا اپنی قسمت پر رشک کرتا رہا، فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اب مولوی فضل حق کو اپنے دوستوں کی تلاش ہوئی اور مجھے اپنے رفقاء کی، اس طرح ہم دونوں الگ الگ ہو گئے اور پھر اس سفر میں اکٹھا نہ ہو سکے۔

میں حالت احرام میں ۸؍ویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد حرم سے متصل مدرسہ فخریہ میں گیا کہ شاید کوئی جان پہچان کا آدمی مل جائے تو کچھ پیسے کا انتظام ہو جائے۔ اللہ بڑا کارساز اور معین و مددگار ہے، بس ہم لوگ ذرا دل سے اس کی طرف لو لگا لیں۔ کہتے ہیں کہ جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا اللہ ہوتا ہے۔ مدرسہ فخریہ میں گھستے ہی بجنور کے میرے دارالعلوم دیوبند کے دوست، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے نواسے اور مولانا احمد رضا بجنوریؒ کے صاحبزادے، مولوی ارشد رضا بجنوری مل گئے، وہ ان دنوں سعودیہ کے بارڈر حالۃ عمار (تبوک) میں وزارت اعلام میں ملازم تھے اور حج پر آئے ہوئے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے اور میں بھی۔ علیک سلیک کے بعد ابھی اپنا سارا قصہ سنا بھی نہیں پایا کہ انھوں نے فوراً ۴۰۰؍ریال

بطور قرض دیئے، اس طرح خود کفیل ہونے کے بعد میں نے پوری توجہ حج پر لگا دی۔

چونکہ یہ میرا پہلا حج تھا اور یہ سعادت مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت غیر مترقبہ کے طور پر عطا کی تھی، اس لئے میں نے اس کی اسی لحاظ سے قدر کی۔ میں بالکل اکیلا، ٹینشن فری تھا، اس لئے بڑی دلجمعی کے ساتھ حج کے سارے ارکان میں نے پیدل ادا کئے۔

اس سال میرے قصبہ خیر آباد سے میرے انتہائی قریبی دو آدمی ہوائی جہاز سے حج کے لئے تشریف لائے تھے، مجھے ان کی تلاش بھی تھی۔ ایک حاجی صغیر احمد صاحب گرہست، اور دوسرے حاجی عبدالرحمٰن صاحب، دونوں حضرات اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ تھے، حاجی عبدالرحمٰن صاحب اپنے سب سے چھوٹے ۱۴/ ماہ کے بیٹے ضیاء الحق (عرف حاجی بابو) کو بھی ساتھ لے کر حج پر آئے تھے، اس طرح حاجی بابو میرے پہلے حج کے ساتھی ہیں، اور آج اس داستان سرائی کے اصل محرک وہی ہیں جیسا کہ میں اس کتاب کی تمہید میں لکھ چکا ہوں۔ مجھے گھر سے ہی ان لوگوں کے بارے میں اطلاع تھی کہ حج پر جا رہے ہیں، لیکن انھیں ۸/ ذی الحجہ کو جو منیٰ جانے کا دن تھا حرم میں تلاش کرنا بے کار تھا، سوچا کہ منیٰ وغیرہ میں دیکھا جائے گا۔

۸/ ذی الحجہ کو تقریباً ۹/۱۰/ بجے میں پیدل منیٰ کے لئے نکل گیا، اور منیٰ پہنچ کر ایک پل کے نیچے چادر تان کے چھت بنائی اور وہیں پڑ رہا۔ اُس زمانے میں حاجیوں کے خیموں میں غیر کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہ تھی، اس لئے استنجا وغیرہ کے لئے آسانی تھی، راستے میں جگہ جگہ ہوٹل ہوتے تھے، اس طرح کھانے کا مسئلہ بھی حل تھا۔ ۸/ ذی الحجہ کو ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ۹/ ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر ناشتہ وغیرہ اور دیگر ضروریات سے فراغت کے بعد عرفات کے لئے پیدل نکل پڑا۔ منیٰ سے عرفات کافی فاصلے پر ہے مگر میں جوان تھا اور حج کی ایک لگن تھی، اس لئے کچھ محسوس نہ ہوا، اور میں دو گھنٹے میں عرفات کے میدان میں تھا۔ کتاب ''آپ حج کیسے کریں'' کا ہر رکن سے پہلے مطالعہ کر لیتا اور افضل طریقہ سے کرنے کی کوشش کرتا، چنانچہ مسجد نمرہ کے آس پاس قیام کیا، ظہر کی نماز تک قرآن پڑھتا رہا اور اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ امام وقت نے مسجد نمرہ میں ظہر و عصر ایک ساتھ پڑھائی۔ یہ

دونوں نمازیں جماعت سے پڑھا کر خوب دعا کرائی، پھر جبل عرفات چلا گیا اور وہیں غروب آفتاب تک زیادہ تر کھڑے ہو کر دعا کرتا رہا، جبل عرفات پر چڑھا بھی تھا، اور خوب خوب رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اپنے گھر والوں کے لئے، بیوی بچوں کے لئے اچھی زندگی کی دعا کرتا رہا۔ اپنے اچھے مستقبل کے لئے دعا کرتا رہا کہ یہ جگہ مقبولیت کی ہے، بلکہ جتنی بھی مقبولیت کی جگہیں تھیں وہاں خاص طور سے بڑی دیر تک دعائیں کرتا اور ساتھ ہی ساتھ اس نعمت غیر مترقبہ کا شکر بھی ادا کرتا۔

پھر غروبِ آفتاب پر گورنمنٹ کی طرف سے توپ داغا گیا اور پھر سارا مجمع مزدلفہ کے لئے چل پڑا، میں اکیلا تھا اور دیگر پیدل والوں کے ساتھ خراماں خراماں پیدل ایک گھنٹہ میں عشاء کے وقت مزدلفہ پہنچ گیا اور وہاں پہونچ کر سنت کے مطابق مسجد مشعرحرام کے پاس پڑاؤ ڈالا، مغرب اور عشاء ایک ساتھ پڑھی، پھر کچھ کھا پی کر سو گیا۔ ۱۰؍ ذی الحجہ کی فجر کی اذان سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ کر اللہ کی عبادت میں لگ گیا، اور سب کے لئے دعائیں کیں، پھر شیطانوں کو مارنے کیلئے یہیں سے کنکریاں چن لیں۔ پہلے دن کے لئے سات کنکریاں، اور دوسرے وتیسرے دن کے لئے ۲۱/۲۱ رکنکریاں، اور احتیاطاً ۲۱ رکنکریاں اور چن لیں کہ اگر ۱۳؍ ذی الحجہ کو بھی رکنا ہو تو کنکریاں کم نہ ہوں۔ اس کے بعد فجر کی اذان ہوئی، نماز پڑھ کر وقوف کیا اور دعائیں کرتا رہا، سورج نکلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے میں منیٰ کے لئے اس طرح چل پڑا کہ منیٰ میں داخل ہوتے ہوتے سورج نکل آئے، منیٰ پہنچنے کے بعد سیدھے بڑے شیطان کو کنکری مارنے چلا گیا، بھیڑ بہت تھی مگر بچ بچا کر کنکری ماری۔ حج اِفراد میں قربانی نہیں ہوتی اس لئے وہیں حلال ہو گیا، اور سلے ہوئے کپڑے پہن کر طواف زیارت کے لئے سیدھے مکہ مکرمہ پیدل روانہ ہو گیا۔ دن ہی دن میں طوافِ زیارت کر کے عصر تک منیٰ واپس آ گیا۔ اب یہاں دو راتیں گزارنی تھیں ۱۱؍اور ۱۲؍ ذی الحجہ کی۔ مکہ سے طوافِ زیارت کے بعد واپسی پر میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ جن میں بوڑھے مرد اور عورتیں اپنے خیمے کی تلاش میں سرگرداں ہیں تو میں انھیں ان کے خیمے تلاش کر کے پہنچاتا رہا اور ان کی ڈھیر ساری

دعائیں لیتا رہا۔ وہ لوگ اپنے لوگوں کو پاکر بہت خوش ہوتے اور مجھے دعائیں دیتے، اور میں ان سے کہتا کہ آپ لوگ میری اچھی زندگی کی دعا کریں، وہ لوگ منہ مانگی دعا کرتے۔ منیٰ کے اِن تین دنوں میں ہر سال میرا یہی کام ہوتا، یا تو گم شدہ لوگوں کو ان کے خیمے پہنچاتا، یا کمزوروں کو کنکری مارنے لے جاتا۔

اسی طرح ایک دن کنکری مارنے جاتے ہوئے حاجی صغیر احمد صاحب و حاجی عبد الرحمٰن صاحب سے راستے میں ملاقات ہوگئی اور ان کے خیمے کا بھی پتہ چل گیا، اور مکہ میں ان لوگوں کی رہائش بھی معلوم ہوگئی، اس طرح مجھے بڑی تسلی ہوئی اور اب تو ان کے خیمے کے قریب ہی میں نے پڑاؤ ڈال دیا۔

اسی دوران مولانا محمود صاحب مبارکپوری سے ملاقات ہوئی، ملتے ہی پھوٹ پھوٹ کر روئے، جیسے کسی بہت بڑی پریشانی اور مصیبت سے گزر رہے ہوں، اور واقعی ہوا بھی ویسا ہی تھا۔ بمبئی سے وہ ریاض تو آگئے، مگر ریاض سے مدینہ کے لئے انھیں کوئی فلائٹ نہیں ملی تو ایر پورٹ پر کام کرنے والے پاکستانی حضرات کی مدد سے وہ بائی کار مکہ مکرمہ آئے تھے۔ جب وہ چپ ہوئے اور روداد سفر سنا کر ان کی طبیعت کچھ ہلکی ہوئی تو میں انھیں اپنے خیمے میں لے گیا، پھر ہم دونوں ساتھ رہے۔ حاجی صغیر احمد صاحب اور حاجی عبدالرحمٰن صاحب سے ان کی ملاقات کروائی، ان لوگوں نے ہمارا بڑا خیال رکھا۔ اس طرح ہم ١٢/ ذی الحجہ تک ان کے آس پاس رہے، پھر حاجی صاحبان سے رخصت ہوکر ہم دونوں ١٢/ ذی الحجہ کی کنکریاں شام سے پہلے مار کر منیٰ سے پیدل مکہ کے لئے نکل پڑے۔ اس دن رات میں حاجی صغیر صاحب وغیرہ سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی گئی اور ١٣/ ذی الحجہ کو طواف وداع کیا گیا اور مدینہ منورہ کے لئے ہم دونوں ساتھ روانہ ہوگئے۔

چونکہ یہ میرا پہلا حج تھا اس لئے اس کی کافی اہمیت اور قدر تھی، کسی بھی رکن کو میں نے معمولی طریقہ سے نہیں ادا کیا، بلکہ اسے انتہائی اہتمام کے ساتھ ادا کیا اور ادائیگی میں افضل کو ملحوظ رکھا، اور دعائیں تو اتنی کیں کہ شاید ہی پھر کبھی اتنی کی ہوں گی۔ میرا یہ حج قابل

رشک حج تھا، اس کے بعد کے سولہ حجوں میں یہ بات نہیں پیدا ہوئی۔

جس شوق ومحبت اور وارفتگی کے ساتھ یہ حج کیا گیا اور جس خلوص قلب سے دعائیں کی گئیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب قبول ہوئیں اور بعد کی زندگی میں اس کی قبولیت کے آثار ومظاہر سامنے آتے گئے، **فللّٰہ الحمد و الشکر**۔

مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی کارروائی [ذی الحجہ ١٣٩٦ھ/ دسمبر ١٩٧٦ء]

میں اور مولوی محمود صاحب ١٣/ ذی الحجہ کو مدینہ واپس آگئے، دو چار روز میں مولوی محمود صاحب کے دیگر پرانے ساتھی مکہ سے مدینہ واپس آگئے۔ ان کی مدد سے داخلہ کی کارروائی ہوئی۔ میرا داخلہ اصلاً **كلية الشريعة** میں ہوا تھا، وہاں جانے کے بعد پتہ چلا کہ یہاں ایک نیا کلیہ کھلا ہے، جس کا نام **كلية الحديث الشريف** ہے۔ میں نے کوشش کر کے **كلية الشريعة** سے **كلية الحديث** میں ٹرانسفر کرالیا۔ اس کلیہ میں میرے ساتھ مبارکپور کے مولوی رضاء اللہ تھے، یہ صاحب تحفۃ الاحوذی کے پوتے تھے۔ مولوی محمود و مولوی فضل حق صاحبان کا داخلہ **كلية الدعوة** میں ہوا تھا۔

اس جامعہ کا نظام تعلیم **نظام السنة** (سن وار) تھا، **نظام الساعات** نہ تھا، جو لوگ نظام السنۃ کے مطابق پڑھ کر بی اے کرتے ہیں انھیں **ليسانس** کہا جاتا ہے، اور جو نظام الساعات کے مطابق پڑھ کر بی اے کرتے ہیں ان کو بکالوریوس کہا جاتا ہے۔

اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں پانچ کلیات چلتے تھے: **كلية الشريعة ، كلية الدعوة وأصول الدين ، كلية اللغة العربية ، كلية القرآن الكريم** ، اور **كلية الحديث الشريف** ۔ ان سبھی کلیات میں نظام السنۃ ہی تھا، یعنی آپ چار سال میں بی اے پورا کر کے لیسانس کی ڈگری لے سکتے تھے۔ سعودی عرب کی جامعات وکلیات میں پڑھنے والے سارے طلباء کو چاہے وہ مقامی ہوں یا بیرونی سعودی حکومت کی طرف سے ان کو وظیفہ دیا جاتا تھا۔ **كلية القرآن** میں ٨٠٠/ ریال اور باقی کلیات میں ٥٠٠/ ریال ملتے تھے۔ اتنے پیسے میں ہمارے بالائی اخراجات پورے ہوجاتے تھے۔ ناشتہ، لنچ اور ڈنر یونیورسٹی دیتی تھی،

اورعصر کے بعد جو طالب علم مدینہ شہر یا مسجد نبوی جانا چاہتا تو اس کے لئے جامعہ سے بسیں ایک جگہ تیار کھڑی ملتیں اور انھیں مسجد نبوی کے قریب اتار دیتیں اور پھر وہیں سے عشاء کے بعد اُن طلباء کو واپس لاتی تھیں ۔طلباء کا علاج بھی یونیورسٹی کی طرف سے مفت ہوتا تھا، ہر سال شعبان میں سالانہ چھٹی کے بعد یونیورسٹی گھر جانے اور واپس آنے کا ٹکٹ دیتی تھی ۔ ہر کلاس کے طلباء کو ان کی مقررہ درسی کتابیں تو فری ملتی ہی تھیں، دوسرے مصادر ومراجع بھی یونیورسٹی دیتی تھی ۔اس طرح طالب علم جب چار پانچ سال میں فارغ ہوتا تو اس کے پاس اچھا خاصا ذخیرہ کتابوں کا ہو جاتا تھا جسے طلباء اپنے وطن کے ان حاجیوں سے گھر بھیج دیتے تھے جو پانی والے جہاز سے حج کرنے جاتے تھے۔

میں چونکہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں عربی کی اہم کتابوں کو پڑھا کر گیا تھا، اس لئے مجھے وہاں کے نصاب تعلیم کی مقررہ کتابوں کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوئی، بلکہ میں ہر روز عشاء کی نماز اور کھانا کھانے کے بعد کسی بھی ہال میں بیٹھ کر کچھ انڈین طلباء کو اکٹھا کر کے انھیں مشکل کتابوں کو گویا پڑھاتا تھا، اس طرح مجھے وہ کتاب ازبر ہو جاتی تھی اور میں ہر سال ممتاز کامیابی سے پاس ہوتا تھا، جس کی وجہ سے جامعہ کی طرف سے ایک ہزار ریال کا مستحق بن جاتا تھا۔

اس طرح میں نے چار سال میں بی اے مکمل کرلیا، اور ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں ممتاز اول سے کامیابی حاصل کی ۔مولوی رضاء اللہ مبارکپوری ممتاز ثانی اور ابراہیم سعودی ممتاز ثالث تھے۔

مدینہ منورہ میں بی اے کے چند اساتذہ کرام:

سعودی اساتذہ: شیخ محمد امان علی جامی (عقیدہ)، شیخ حماد بن محمد انصاری افریقی (الجرح والتعدیل) ڈاکٹر شیخ محمد عمر بن حسن بن عثمان محمد فلاتۃ (مصطلح الحدیث)، شیخ دکتور ضیاء الرحمٰن الاعظمی (عقیدہ)، شیخ عبدالعزیز العبداللطیف (مصطلح الحدیث)۔

مصری اساتذہ: دکتور شیخ عاشور (تفسیر)، دکتور شیخ عبداللہ کُرَیِّم (فقہ)، شیخ دکتور

احمد طہ ریّان (فقہ)، اور شیخ دکتور محمد السید احمد الوکیل (سیرۃ نبویۃ)۔

عراقی اساتذہ: پروفیسر دکتور شیخ اکرم ضیاء العمری (تحقیق المخطوطات) دکتور شیخ سعدی ہاشمی (تخریج الحدیث)

اردنی اساتذہ: دکتور شیخ عبدالرؤوف اللبدی (شرح ابن عقیل)

شامی اساتذہ: دکتور شیخ محمود میرہ (الجرح والتعدیل)

پاکستانی اساتذہ: دکتور شیخ عبدالغفار حسن (مصطلح الحدیث)

کچھ اور بھی اساتذہ تھے، مگر اب ان کے نام یاد نہیں ہیں، میں ان میں سے سب سے زیادہ جن سے قریب اور متاثر تھا وہ یہ ہیں:

شیخ عبدالعزیز العبداللطیف: (رحمہ اللہ) مجھ سے اپنے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے رسالہ کی تبییض کرواتے کہ میری ہینڈ رائٹنگ بہت اچھی تھی۔ وہ انتہائی خوش اخلاق اور باکردار شخصیت کے مالک تھے، مجھے اکثر اپنے گھر بلایا کرتے اور قہوہ اور کھانے سے ضیافت کرتے، مجھ سے جو بھی کام لیتے اس کا جو استحقاقی معاوضہ ہوتا اس سے زیادہ دیتے تھے۔

شیخ عاشور: ان کے پڑھانے کا طرز اتنا اچھوتا تھا، اور ان کی عربی اتنی عمدہ تھی کہ مجھے ان میں مولانا وحید الزماں صاحبؒ نظر آتے تھے۔ تفسیر میں اکثر سید قطب شہید کی **فی ظلال القرآن** سے پڑھاتے تھے، اور میں **فی ظلال القرآن** سے ہی امتحان کی تیاری کرتا تھا اور تفسیر میں ہمیشہ ممتاز آتا تھا۔

شیخ احمد طہ ریّان: ان کے فقہ پڑھانے کا انداز بہت انوکھا تھا، وہ نیل الاوطار پڑھاتے تھے اور مذاہب فقہ پر بڑی مدلل گفتگو کرتے تھے، اور اکثر جگہوں پر وہ مذہب حنفی کو ترجیح دیتے تھے، جبکہ وہ شافعی تھے۔ ان کا مدلل ومبرہن انداز مجھے بہت پسند تھا۔

شیخ لبدی: شیخ کا کمال یہ تھا کہ شرح ابن عقیل انھیں ازبر تھی، اس کے مسائل کو اتنا عمدہ طریقے سے سمجھاتے تھے کہ شرح ابن عقیل کو بالکل پانی کر دیتے تھے۔

شیخ اکرم ضیاء العمری: حنفی تھے اور مجھے بہت پسند تھے، اس لئے کہ انتہائی سنجیدگی

سے مخطوطات کی تحقیق کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے،اور طلبہ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔

دورانِ تعلیم بعض ناگوار واقعات:

تعلیم کے اِن چار سالوں میں کچھ ناگفتہ بہ و ناگوار واقعات سے بھی سابقہ پڑا۔

پہلا واقعہ یہ تھا کہ میرے مدینہ کے دوسرے سال ہمارے خیر آباد کے قاری منظور احمد کا داخلہ میری کوششوں سے ہوا۔ انڈیا کے ہمارے کچھ قاسمی احباب کو اس کی بھنک لگ گئی کہ ابواللیث کی کوششوں سے قاری منظور کا داخلہ ہوا ہے تو ان میں سے کسی نے میری طرف سے ہندی میں محمد آباد تھانے میں یہ تحریر بھیجی کہ قاری منظور ایسے ہیں ویسے ہیں، انھیں مدینہ نہ آنے دیا جائے۔ تھانے سے پولیس ان کے گھر پہنچی، تو لوگوں نے کہا کہ ابواللیث کی کوششوں سے تو ان کا داخلہ ہوا ہے، وہ کیسے یہ خط لکھ سکتے ہیں، اور پھر وہ اتنی ہندی نہیں جانتے کہ ایسا خط لکھ سکیں۔

مجھے جب اس کی خبر ملی تو سخت افسوس اور صدمہ ہوا، میں سیدھے مسجد نبوی گیا اور روضۃ الجنۃ میں دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ بارِالٰہا! جس نے بھی یہ حرکت کی ہو تو اس سے بدلہ لے۔ پتہ تو نہیں چلا کہ کس نے وہ حرکت کی تھی مگر اسی سال ان میں سے ایک کا جامعہ سے اخراج ہو گیا، یہ اس کا آخری سال تھا۔ میں اس سے اپنی بزرگی اور ولایت نہیں ثابت کرنا چاہتا ہوں، صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مظلوم کے دل سے جو آہ نکلتی ہے سیدھے اللہ کے دربار میں پہنچتی ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

(مظلوموں کی آہ سے ڈرو، اس لئے کہ یہ جب دعا کرتے ہیں تو اللہ کے دربار سے قبولیت اس کے استقبال کیلئے آتی ہے۔)

میں مظلوم تھا، دل ٹوٹا تو اللہ سے رو رو کر دعا کی، وہ بھی روضۃ الجنۃ میں۔ اسی سال ایک قریبی طالب علم کے اخراج نے معاملہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

مدینہ یونیورسٹی کے قیام کے دوران ایک انتہائی تلخ حقیقت یہ سامنے آئی کہ برصغیر (ہندو پاک اور بنگلہ دیش) کے اہل حدیث یا غیر مقلد طلباء (جو وہاں اپنے کو سلفی کہتے

تھے) نہ جانے کس وجہ سے ان کو حنفیوں بالخصوص فضلاء دیوبند سے اللہ واسطے کا بیر تھا، ان سے دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، میں بھی دیوبند کا فاضل تھا، اس لئے ان کی عنایت خاص اور توجہِ خصوصی کا خاص مورد تھا، میں ذہین تھا، درجہ میں ممتاز آتا تھا، ہر میدان میں ان کا مقابلہ کرسکتا تھا، اس لئے مجھ پر خصوصی نظر اور عنایت تھی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، میری ہر کوتاہی اور کمی پر ان کی نظر ہوتی تھی، اپنے اعتبار سے جو کچھ کمی وہ پاتے اسے **عمادة شؤون الطلاب** میں پہنچادیتے تھے تاکہ کسی طرح بے حیثیت کرسکیں، مگر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد شامل حال رہی، دشمنی کرنے والے اور مجھے مٹانے والے خود مٹ مٹا کر رہ گئے اور بفضلہٖ تعالیٰ میں نے امتیازی پوزیشن سے بی اے کیا، اس کے بعد جامعہ ام القریٰ میں داخلہ ہوا، وہاں بھی یہی معاملہ اور رویہ رہا، لیکن وہاں بھی شاندار طریقے سے ایم اے اور دکتوراہ کیا۔

ایک واقعہ یاد آرہا ہے، ایک مرتبہ ان لوگوں نے حد ہی کردی، مدیر جامعہ شیخ عبد المحسن حمد عباد (حفظہ اللہ) کے پاس جاکر شکایت کی کہ ابواللیث کا عقیدہ خراب ہے یا کمزور ہے، کیونکہ وہ ماتریدی ہے۔ میری شیخ کے یہاں طلبی ہوئی، تم کیا ہو، ماتریدی یا اشعری؟ میں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ: شیخ! میں جب یہاں آیا تھا تو میں یہ سب نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کیا چیز ہے، میں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کا ایک سیدھا سادا فرد سمجھتا تھا، ماتریدی، اشعری اور سلفی تو میں نے یہاں آکر جانا اور وہ بھی ان لوگوں کی وجہ سے، جن کا یہی رات دن مشغلہ ہے۔ اس کے بعد شیخ نے مجھے ماتریدی، اشعری اور سلفی کا فرق سمجھانے کے بجائے ان سلفیوں سے کہا کہ ابواللیث وغیرہ کا تو داخلہ ہی اس بنیاد پر ہوا ہے کہ وہ سب دارالعلوم دیوبند کے فارغ ہیں اور حنفی ہیں، ان کو یہاں پڑھنے کا موقع ملے، وہ مختلف ثقافتوں اور نظریات کو دیکھیں۔ اس لئے آپ حضرات ان معاملات میں نہ پڑیں۔

بہر حال حنفی طلباء کو زیر کرنے کی کوشش تو ہمیشہ رہی، لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ملی، تجربہ یہ ہوا کہ اگر انسان حق پر ہو اور دوسروں کی دل آزاری میں نہ رہتا ہو تو اس کو ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے، میرے ساتھ تو یہی ہوا۔ میں صرف پڑھنے سے تعلق رکھتا تھا، اور جس قدر محنت و کوشش میں کر سکتا تھا اس سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ بحثی مسابقات میں شرکت کرتا اور پہلے نمبر پر کامیاب ہوتا، کلاس میں ہمیشہ ممتاز آتا تھا۔ اساتذہ میری تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی (رحمہ اللہ) نے توحید کے امتحان کے بعد کلاس میں کہا کہ فلاں ٹیبل نمبر کس کا ہے؟ میں ابھی کلاس میں پہنچا نہیں تھا، لڑکوں نے کہا کہ ابو اللیث کا، تو شیخ نے میرے جواب کی کچھ عبارتیں سنائیں اور تب تک میں حاضر ہو گیا۔ سب لڑکے مجھے مبارکباد دینے لگے۔ اس کے بعد شیخ نے کھل کر بات کی کہ تم نے یہ جواب دیا اور اس پر تم نے جو تبصرہ کیا ہے یا رائے دی ہے وہ کوئی بہت پڑھا لکھا فاضل شخص ہی دے سکتا ہے، پھر انھوں نے میرے بارے میں سوال کیا کہ کہاں کہاں پڑھا ہے، میں نے بتایا کہ دیوبند کا پڑھا ہوں اور سات سال مدرسۃ الاصلاح سرائمیر پڑھا کر آیا ہوں، تب شیخ نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ تمھارے سارے جوابات نہایت مدلل اور علمی ہیں، میں نے تمھیں ممتاز نمبر دیا ہے، یہ کوئی سالِ سوم کا واقعہ تھا۔

میرے کلاس فیلو میں مبارک پور کے مولوی رضاء اللہ صاحب بھی تھے، وہ صاحب تحفۃ الاحوذی کے پوتے لگتے تھے، لگنا اس لئے لکھا کہ ان کے دادا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے بھائی تھے۔ ان کا سلوک و برتاؤ میرے ساتھ اچھا تھا، لیکن اہل حدیث ہونے کا اثر خفی یہ تھا کہ اگر میرے خلاف کوئی کچھ کہتا تو خاموش ہی رہتے کبھی دفاع میں کچھ نہیں کہتے تھے۔

مسابقۂ بحث میں میری شرکت اور پہلی پوزیشن:

میں نے مدینہ یونیورسٹی کے چار سالہ تعلیمی دور میں بحث کے تین مقابلوں میں شرکت کی۔ میں بھی یہاں موجود دیگر فضلاء دیوبند کی طرح ان میں شریک نہ ہوتا، لیکن ایک خاص واقعہ کی وجہ سے میں نے شرکت کی۔ قصہ یہ پیش آیا کہ کچھ غیر قاسمی طلباء آپس میں اپنی

عربی دانی کی ڈینگیں مار رہے تھے، میں وہاں سے گزر رہا تھا، کسی نے مجھے آواز دی، میں بیٹھ گیا، ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ تم قاسمی لوگوں میں کوئی صلاحیت نہیں ہوتی، یہ قاسمی حضرات بڑی مشکل سے پاس ہوتے ہیں، بحث کے مقابلے میں ان کی شرکت نہیں ہوتی۔ بہت تبصرے ان لوگوں نے کئے، سچی بات یہ ہے کہ ہم سے پہلے جو لوگ تھے اور ان کا جو حال تھا اسی پس منظر میں یہ باتیں کہی جارہی تھیں، جو حقیقت سے بہت دور بھی نہیں تھیں، واقعی میں بھی محسوس کررہا تھا کہ ان میں آگے بڑھنے کا ولولہ یا جذبہ نہیں تھا، بنیادی خواہش اور آرزو یہی رہتی کہ کسی طرح پاس ہوجائیں اور کہیں مبعوث ہوجائیں اور روزی روٹی کا مسئلہ حل ہوجائے۔ لیسانس کے لئے کم از کم چار سال اور زیادہ سے زیادہ چھ سال درکار ہوتے تھے، اِن سارے لوگوں میں سے کوئی کبھی بھی ممتاز پوزیشن سے پاس نہ ہوا، اور بعض لوگ چھ سال مکمل کرکے پاس ہوتے، اور بحثی مسابقہ میں حصہ لینا تو بہت دور کی بات تھی۔ وجہ صلاحیت اور ذہانت کی کمی نہیں تھی، بلکہ مقصد سے اعراض اور بے توجہی بنیادی وجہ تھی۔

میں نے ان لوگوں سے کہا کہ پہلے جو کچھ ہوا وہ تو مجھے بہت معلوم نہیں، لیکن اب ایسا نہ ہوگا ان شاء اللہ۔ پہلا سال تو وہاں کے حالات کا جائزہ لیتے لیتے مسابقۂ بحث میں شرکت کا وقت نکل گیا، مگر میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اگر مجھ میں صلاحیت ہے (اور وہ تھی) تو میں ان شاء اللہ اپنے رب کی مدد اور توفیق سے کلاس میں ممتاز ہوکر دکھادوں گا اور مسابقۂ بحث میں پہلی پوزیشن لاکر سب کا منہ بند کردوں گا۔ بفضلہٖ تعالیٰ پہلے سال ممتاز آیا، اور دوسرے سال بھی ممتاز آیا اور مسابقۂ بحث میں شریک ہوا اور میری بحث پہلے انعام کی مستحق ٹھہری۔ بحث کا عنوان تھا ''العقوبات فی الاسلام'' تیسرے سال بھی ممتاز تھا، اور مسابقۂ بحث میں میری بحث کا عنوان تھا ''حکم التامین فی الاسلام'' اور یہ پہلے انعام کی مستحق بنی۔ چوتھے سال کے مسابقۂ بحث میں بھی شریک ہوا، اس کی بحث کا عنوان تھا ''السیاسة المالية والاقتصادية فی القرآن'' یہ اس پایہ کی تھی کہ رابطہ عالم اسلامی نے اس کو اپنے سلسلۂ دعوۃ الحق میں ''أسس النظام المالی والاقتصادی فی القرآن'' کے عنوان

سے شائع کیا۔ چوتھے سال کے سالانہ امتحان میں ممتاز اول آیا، یعنی پورے کلاس میں پہلی پوزیشن۔ اس طرح جو کچھ میں نے معترضین سے کہا تھا، اللہ کی توفیق اور مدد سے اس کو پورا کردکھایا، ان تینوں سال میں ان طلباء کا دور دور تک کہیں پتہ نہ تھا جو اس روز زبانِ طعن واعتراض دراز کئے ہوئے تھے، ہاں ان میں بعض چوتھے سال کلاس میں ممتاز آئے تھے۔

لیکن میرا ممتاز آنا اور مسابقۂ بحث میں مسلسل اول آنا، ان لوگوں کے دل کا ایسا ناسور بن گیا جو رہ کر رِستا رہتا اور وہ لوگ اسے بھول نہ سکے اور کھلی دشمنی پر آمادہ ہوگئے، ان لوگوں نے میرے اخراج کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، لیکن اللہ کے فضل سے میرا بال بیکا نہ کرسکے۔ ایک آدھ بار مجھے شؤون الطلاب میں بلا کر ان کی سازشوں سے آگاہ کردیا گیا اور مجھے نصیحت کی گئی کہ ذرا بچ بچا کر رہنا، تم سے کوئی بھی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس کی بنیاد پر تم ہماری گرفت میں آجاؤ اور معتوب ہو جاؤ۔

ان لوگوں کے گہرے مطالعے اور آئے دن کے منفی سابقے کے بعد تجربہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ لوگ غیر سلفیوں سے للّٰہی بغض رکھتے ہیں۔ اپنی نجی مجلسوں میں تو وہ غیروں کو مشرک تک کہہ دیتے تھے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ ان لوگوں نے اپنی سمجھ کو ہی اسلام سمجھ لیا تھا، اور جو اُن کی اِس سمجھ میں ان کا ساتھ نہ دے، ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے تو وہ گمراہ ہے، بے دین ہے۔ فروعی اختلافات کو وہ اصول دین کے درجہ میں رکھ کر بات کرتے تھے، حالانکہ اس طرح کے اختلافات تو **قرون مشهود لها بالخير** سے چلے آرہے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد صحابۂ کرام کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا اور آپ نے فرمایا **لا يصلين أحدكم العصر إلا في بني قريظة** تم میں سے ہر کوئی بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھے۔

”وہاں پہنچنے میں صحابہ کو تاخیر ہوئی اور راستے میں عصر کا وقت ختم ہونے لگا، ان حضرات میں مشورہ ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیئے، بعض نے کہا کہ آپ نے صراحۃً فرمایا ہے کہ بنو

قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھی جائے، اس لئے راستے میں نہیں پڑھی جائے گی، خواہ نماز کا وقت نکل جائے، جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہی کیا جائے گا، دوسرے کچھ حضرات نے فرمایا کہ آپ کی منشا بہ عجلت پہنچنے کی تھی، نماز کا قضا کرنا مقصود نہیں تھا، اس لیے نماز ادا کر لی جائے اور جلد از جلد وہاں پہنچا جائے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے ظاہر الفاظ کو دیکھا اور اس پر عمل کو ضروری سمجھا، دوسرے گروہ نے آپ کی منشا کو اصل قرار دیا اور اس کی تعمیل ضروری سمجھی..... یہ اختلافِ عمل اور اجتہادِ رائے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے دونوں کو درست اور حق بجانب قرار دیا اور کسی کو کوئی تنبیہ نہیں فرمائی (بخاری شریف، ج:۱،ص:۵۹۱ مطبوعہ ہند) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود منشا رسالت یہی ہے کہ اعمال واجتہاد کا تنوع باقی رہے''۔

فروعات کا یہ اختلاف عہد نبوت میں بھی تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے باقی رکھا، اور صحابہ میں بھی تھا اور اس پر کوئی کسی کو غلط کار یا گناہ گار نہیں قرار دیتا تھا۔

''حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عہد نبوت میں ان کو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کسی ضرورت سے رسول اللہ ﷺ نے کہیں بھیجا تھا، انہوں نے رات وہیں گزاری، اتفاقاً دونوں کو جنابت لاحق ہوئی، پانی موجود نہ تھا، اس وقت تیمّم کا حکم خدا کی طرف سے آچکا تھا، لیکن اس کا وضو کا بدل ہونا تو عام طور سے معلوم تھا، لیکن یہ کہ وہ غسل جنابت کا بھی بدل ہے، واضح طور سے معلوم نہ ہوا تھا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کیا اور تیمّم کیا اور خود طریقۂ تیمّم میں بھی اجتہاد کیا وہ یہ کہ زمین پر خوب لوٹے اور پورے حصۂ بدن پر مٹی لگالی اور اس کے بعد نماز پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا اجتہاد کیا، وہ یہ کہ تیمّم وضو کا بدل تو ہوسکتا ہے لیکن غسل جنابت کا بدل نہیں ہوسکتا، انہوں نے تیمّم نہیں کیا اور نماز بھی نہیں پڑھی۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں آکر پورا واقعہ ذکر کیا تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ تیمّم میں صرف دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارا جاتا ہے، ایک مرتبہ چہرے کیلئے اور ایک مرتبہ ہاتھوں کیلئے۔ اس سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ جنابت کے لیے بھی تیمّم ہے، اور وہی تیمّم ہے جو وضو کے لیے ہوتا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، چنانچہ

عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اخیر تک یہی رہا کہ جنابت کیلئے تیمّم نہیں، جب کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی وہ یہی فتویٰ دیتے تھے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔ (بخاری شریف، **کتاب التیمم** ج:۱،ص:۴۸)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو منشائے رسالت کے جاننے والوں میں سب سے بڑھ کر تھے، اجتہاد اور فہم کے اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی''۔

حضرت قاسمؒ بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ جو حضرت صدیق اکبر کے پوتے، حضرت عائشہؓ کے شاگرد اور فقہائے مدینہ میں ہیں، ان سے دریافت کیا گیا کہ امام کے پیچھے سِرّی نمازوں میں قرأت کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ اگر تم قرأت کرو تو تمہارے لئے حضرات صحابہ کرام میں نمونہ موجود ہے اور اگر نہ کرو تو اس کا بھی نمونہ موجود ہے۔

(**جامع بیان العلم وفضله**، ج:۲،ص:۸۰)

سید التابعین امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"**ما أحب ان أصحاب رسول الله ﷺ لم يختلفوا لانهم لو كانوا قولاً واحداً كان الناس في ضيق وأنهم أئمة يقتدى بهم فلو أخذ رجل بقول أحد كان في سعة۔**" (جامع بیان العلم وفضلہ، ج:۲،ص:۸۰)

''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوا ہوتا، کیوں کہ اگر سب کا ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے، یہ حضرات پیشوا اور مقتدیٰ ہیں، ان کی پیروی کی جاتی ہے تو اگر کوئی شخص کسی صحابی کا قول اختیار کرلے گا تو وہ وسعت میں ہوگا۔''

سلف کی اس وسعت کو اور سلفیوں کی اس تنگ دلی کو دیکھ کر میں حیران رہ جاتا تھا کہ یا اللہ! یہ کیسے سلفی ہیں اور کون سے سلف سے نسبت کرکے اپنے کو سلفی کہتے ہیں۔ چند اختلافی مسائل کو لے کر جس طرح سے ان کا رویہ ہوتا ہے اس سے ہر جگہ اختلاف وانتشار کی ایک عجیب صورت پیدا ہوجاتی ہے، اس لئے کہ دنیا کے بیشتر خطے میں وہی لوگ آباد ہیں جو کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں، یہ سارے لوگ ہمیشہ سے باہم شیر وشکر رہتے چلے آئے ہیں،

لیکن گزشتہ نصف صدی سے اس کی وجہ سے ہر جگہ لوگ دو گروپ میں تقسیم ہو چکے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت:

مدینہ یونیورسٹی کے قیام کے دوران کا ایک اہم واقعہ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ میں شرکت کا ہے۔ ۲۱/۲۲/۲۳/ مارچ ۱۹۸۰ء مطابق / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ کو دارالعلوم دیوبند کا شہرہ آفاق صد سالہ اجلاس منعقد ہوا، اس کی تیاری مہینوں بلکہ سالوں پہلے سے شروع ہوگئی تھی، پوری دنیا میں موجود فضلاءِ دارالعلوم کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اس وقت مدینہ یونیورسٹی کے مدیر [وائس چانسلر] ڈاکٹر عبداللہ بن عبداللہ الزائد تھے، جو انتہائی وسیع الظرف اور عظیم المرتبت انسان تھے، ان کے نزدیک سارے مسالک والے حق پر تھے، سلفی وغیر سلفی کا ان کے یہاں کوئی تصور نہ تھا۔ ان کی انھیں خوبیوں کی وجہ سے تھوڑی ہمت ہوئی کہ انھیں بھی اس صد سالہ اجلاس میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ اس کے لئے میں نے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ قاسمی کو مطلع کیا کہ وہ یہاں تشریف لائیں اور ان کی معیت میں ہم لوگ شیخ عبداللہ الزائد کی خدمت میں حاضر ہوں اور انھیں شرکت کی دعوت دیں، اور ساتھ ہی یہاں زیر تعلیم فضلاء دارالعلوم کے لئے اجلاس صد سالہ میں شرکت کے لئے رخصت بھی لے لیں۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب تشریف لائے، اور میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان کو لے کر شیخ کی آفس میں پہنچا، شیخ نے بڑا پُر تپاک خیر مقدم کیا، اور عربی ثقافت کی رو سے کھجور اور قہوہ سے ضیافت کی۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحب کی طرف سے ان کے یہاں آنے کا مدعا بیان کیا، شیخ نے یہ سن کر بہت خوشی کا اظہار کیا اور صد سالہ اجلاس میں شرکت کی دعوت قبول فرمالی، اور نہ صرف ہم تمام فضلاء دیوبند کی صد سالہ اجلاس میں شرکت کی چھٹی منظور کی بلکہ تمام پندرہ بیس فضلاء کے آنے جانے کے ٹکٹ دینے کا بھی آرڈر جاری کر دیا۔ مجھ سے ان تمام فضلاء دیوبند کے نام مانگے، میں نے ان تمام فضلاء کے نام لکھے جن کا داخلہ دارالعلوم دیوبند کی شہادت کی بنیاد پر ہوا تھا۔ مولوی محفوظ الرحمٰن سلفی کا نام اسی

لئے نہیں دیا گیا کہ ان کا داخلہ جامعہ سلفیہ بنارس کی سٹیفکیٹ پر ہوا تھا۔

شیخ صد سالہ اجلاس میں شریک ہوئے اور ہم سب بھی، لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے جو انتشار اور بدنظمی کا عالم تھا وہ خاصا شکایت آمیز رہا، توقع سے ہزاروں گنا زائد مجمع دارالعلوم دیوبند سے اپنی محبت وعقیدت کی بنا پر جمع ہوگیا، جس کی وجہ سے سارا پروگرام انتشار کا شکار ہوگیا، قریب تھا کہ شیخ شرکت کے بغیر ہی واپس چلے آتے، مگر بڑی معذرت کے بعد وہ شریک ہوئے اور اچھے موڈ میں واپس ہوئے۔

بعد میں جب ہم ان سے مدینہ میں ملے تو انھوں نے بتایا کہ دارالعلوم دیوبند کا جو خاکہ ہمارے ذہن میں لوگوں نے بٹھا رکھا تھا وہ تو اس کی زمینی حقیقت کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا، دارالعلوم تو پوری ایک یونیورسٹی ہے۔ جہاں دیکھو ایک نور برستا نظر آتا ہے، تاحد نظر سفید کرتے، پائجامے اور ٹوپی میں جیسے فرشتوں کا پرے کا پرا اتر آیا ہو۔ یہ سب دیکھ کر شروع کی ساری بدنظمیاں میں بھول گیا، اور اس کی پرنور عمارتیں، دیدہ زیب درسگاہیں اور مشرع چہرے نگاہوں میں گردش کر رہے ہیں۔

شیخ عبداللہ الزائد جس کھلے ذہن اور مزاج کے آدمی تھے، اور اس وقت سلفیوں کا جو حال تھا اس کی وجہ سے وہ زیادہ دن وہاں نہ رہ سکے اور ہم لوگوں کے مکہ جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد وہ وہاں سے ہٹا دیئے گئے۔

مدینہ منورہ میں تعلیم کے دوران بچے ہندوستان میں تھے، اللہ تعالیٰ نے وہاں ۲۲/ اپریل ۱۹۷۸ء کو مجھے ایک بچی سے نوازا، جس کا نام رضیہ عائشہ رکھا گیا۔ اس طرح اب تین اولادیں ہوگئیں، ایک بیٹا اور دو بیٹیاں۔

مدینہ منورہ کا ایک معمول:

مدینہ منورہ کے چار سالوں میں مَیں، مولوی محمود اور دو ایک دوست پیدل مدینہ شہر جاتے تاکہ راستہ میں واقع کھجور کے درخت دیکھیں اور تازہ کھجوریں کھائیں۔ ایسا میرے خیال میں متعدد بار ہوا تھا۔ مدینہ کے لوگ چاہے وہ شہر کے رہنے والوں ہوں یا دیہات کے

بدوی کاشتکار، سب ہی بہت بااخلاق اور عظیم کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ ہم لوگ جب بھی اس راستے سے گزرتے اور کھجور کے باغات میں داخل ہوتے تو فوراً وہاں کے مالکان آجاتے اور ہمیں مرحبا اہلاً وسہلاً کہہ کر ہمارا استقبال کرتے اور ادھ پکی، رطب اور پکی ہوئی ڈھیر ساری کھجوریں پیش کرتے۔ ہم لوگ وہاں کھجور کھاتے بھی اور ساتھ لے بھی آتے تھے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کوئی بھی مجھ سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ جب تم دیوبند سے ممتاز نمبر سے فارغ تھے، اور سات سال مدرسۃ الاصلاح میں پڑھا چکے تھے، تو تم نے مدینہ اور مکہ میں کیا نئی چیز سیکھی؟

یہ سوال بہت ہی اہم ہے اور مجھ سے اُسی زمانے میں ہی میرے بعض احباب یہ سوال کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں کہتا کہ:

۱۔ سب سے پہلے تو میں نے وہاں جا کر یہ جانا کہ B.A,M.A,Phd کیا ہوتا ہے

۲۔ اور وہاں جا کر ایک نئے طریقۂ تدریس (پڑھنے پڑھانے) کا علم ہوا۔

۳۔ تیسرے یہ کہ وہاں جا کر عربی بولنے اور لکھنے کا ماحول ملا اور عربی بولنے اور لکھنے پر بہترین دسترس اور قدرت حاصل ہوئی، مقالے اور تھیسس لکھنے کا اسلوب اور طریقہ ملا۔ بحثی مسابقات کے ذریعہ طلباء میں سوئی ہوئی صلاحیتیں اجاگر کی جاتیں۔ یہ ساری چیزیں انڈیا میں رہ کر ملنا تو دور کی بات ہے سوچی بھی نہیں جاسکتی تھیں، اب البتہ حالات میں تبدیلی آئی ہے۔

۴۔ اور ایک اہم ترین بات جو شاید بعض لوگوں کو اچھی نہ لگے، کہ وہاں کی یونیورسٹیوں کی ڈگری کی بدولت مجھے ایک ایسی ملازمت ملی جس کی وجہ سے ایک معقول تنخواہ ملی، جس کی وجہ سے اطمینان وسکون کے ساتھ علم اور دین کی جو خدمت میسر آئی کرتا رہا، اور حسب توفیق جو ہوسکا محض اللہ کے فضل سے دیگر کارِ خیر کیا۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی، انھیں زندگی کی بہتر راہ پر لگایا۔ ورنہ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے باصلاحیت وذی استعداد فضلاء جب معاش کی طرف سے پریشان ہوئے تو انھوں نے مدرسہ اور علمی لائن چھوڑ کر معمولی ملازمت اور کاروبار کی راہ اختیار کی، اور میں الحمدللہ اب تک ایک وقار کے ساتھ اسی تعلیمی سلسلہ سے منسلک ہوں۔

چھٹا باب

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ

حدیث میں ماسٹر (ایم اے) کے لئے مکہ مکرمہ روانگی:

شعبان ۱۴۰۰ھ مطابق جولائی ۱۹۸۰ء میں بی اے میں ممتاز اول (پوری کلاس میں پہلی پوزیشن) سے پاس کرنے کے بعد اس وقت کے انڈین وغیر انڈین طلباء کی دیکھا دیکھی مبعوث بننے کے لئے دار الافتاء ریاض سے آئے وفد کے انٹرویو میں بیٹھا۔ انٹرویو میں مجھ سے ایسے سوالات کئے گئے تھے جن کا تعلق میری علمی اور اخلاقی صلاحیت سے کچھ تھا ہی نہیں، بلکہ ان سوالات سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ انھیں یہ اندازہ لگانا تھا کہ یہ لڑکا (ان کے معیار کے مطابق) سلفی ہے یا نہیں۔

یہاں میں یہ بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سلفی کا مطلب اس وقت کے سلفیوں کے نزدیک یہ نہیں ہے جو وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ سلفی وہ ہے جو سلف صالحین کے عقیدے پر ہو، جبکہ عملی طور پر ان کے نزدیک سلفی وہ ہے جو امام احمد اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کے عقیدے پر ہو، اور جو اس پر نہ ہو وہ بدعتی ہوتا ہے۔ وہ اس لئے کہ ان کے پہلے قول ''سلفی وہ ہے جو سلف صالحین کے عقیدے پر ہو'' کی رُو سے تو ہم اہل دیوبند بھی سلفی ہیں۔ خاص طور سے اس لئے کہ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو امام طحاوی نے اپنی کتاب'' **العقيدة الطحاوية**'' میں لکھا ہے۔ انھوں نے اس کے شروع میں ہی لکھا ہے:

''**هٰذا ذكر بيان أهل السنة والجماعة علىٰ مذهب فقهاء الملة: أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي، وأبي يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري، وأبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني رضوان الله عليهم**

أجمعين ، وما يعتقدون من أصول الدين ويدينون به ربَّ العالمين‘‘۔

اس نص سے پتہ چلا کہ اِس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ اوران کے صاحبین امام ابویوسف اورامام محمد کا عقیدہ ہے، یہ عقیدہ اورابن ابی العز کی **شرح العقيدة الطحاوية** مدینہ یونیورسٹی میں پڑھائی بھی جاتی ہےاورہم نےبھی انھیں پڑھا ہے۔مزید دیگر کتابیں بھی پڑھی ہیں، جیسےامام ابن تیمیہ کی **الرسالة التدمرية والرسالة الواسطية** اورشیخ محمد بن عبدالوہاب کی **كتاب التوحيد**،اوراس کی شرح تیسیر العزیزالحمید وغیرہ۔ ان تمام کے باوجودوہ ہمیں سلفی نہیں مانتے،جس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ سلفی یا اثری اصطلاح کامفہوم اِن کا اپنا گھڑا ہوا ہے۔

انٹرویو لینے والوں میں سےایک نےسوال کیا تھا کہ تمہارےعقیدےکےمطابق زیارتِ قبورسے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا کہ مُردوں کے لئے دعاءمغفرت اوراپنے لئے عبرت کہ ہمیں بھی ایک دن یہیں آنا ہے۔ یہ جواب اُن لوگوں کےعقیدےکےعین مطابق تھا،اس لئے کچھ کہا نہیں،مگران کےانداز واطوار سے مجھے لگا کہ انھیں میرے جواب پر یقین نہ ہو۔ چنانچہ انٹرویو میں صحیح جواب دینے کے باوجود ملازمت کے لئے مجھے نہیں لیا گیا کہ میرے بارے میں جو کچھ ان کے کانوں میں بھرا گیا تھااس کی روشنی میں میرا عقیدہ کمزورتھا۔

وہاں سے ناکامی کا اثر دل پر تو تھا ہی ، دوسری طرف میں نے یونیورسٹی میں ایم اے کے لئے بھی درخواست دے رکھی تھی اورانٹرویو بھی بہت عمدہ ہوا تھا،مگر وہاں بجائے مجھے لینے کےمولوی رضاءاللہ کولیا گیا،اورحقیقی وجہ یہاں بھی وہی تھی جواوپر بیان کی گئی۔اور جوعذرلنگ کےطور پر مجھے وجہ بتائی گئی وہ یہ کہ اگرچہ مجموعی اعتبار سےتم ممتاز اول یعنی کلاس کے ٹاپر ہو،مگر چونکہ تم عقیدہ میں ایم اے کے انٹرویو میں بیٹھے تھےاورمولوی رضاءاللہ بھی، چونکہ عقیدہ میں تمہارانمبر۹۷ ہےاوررضاءاللہ کا ۱۰۰ ہے،اس لئے اس کوترجیح دی گئی۔ مجھے پہلے ہی سے کچھ اسی طرح کے نتیجہ کا خدشہ نہیں بلکہ یقین ہو چلا تھا،اس لئے کہ انٹرویو لینے والوں میں ایک شیخ ابوبکرالجزائری تھے جوانتہائی سیدھےسادےاللہ میاں کی گائے ، اور

دوسرے شیخ حماد بن محمد انصاری افریقی تھے، سلفیت کے لئے انتہائی متعصب انسان۔ اور مولوی رضاء اللہ ان کے خادمِ خاص بھی تھے، سلفی بھی تھے اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب [صاحب تحفۃ الاحوذی] سے نسبت بھی رکھتے تھے، اس لئے ان کا لیا جانا یقینی تھا۔

تکلیف تو بہت ہوئی، کیونکہ ملازمت بھی نہیں ملی اور ایم اے میں داخلہ بھی نہیں ہوا، اب جائیں تو کہاں جائیں۔ ایسی حالت میں کوئی بھی ہو اس کے اوپر افکار وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے اور وہ اپنے کو بیچ بھنور میں محسوس کرے گا، اس وقت میری مثال بالکل اس انسان جیسی تھی جو بیچ سمندر میں ڈوب رہا ہو اور اتنے میں اس کے ہاتھ ایک تنکا لگ گیا ہو اور وہ اسی تنکے کے سہارے کنارے آ لگے۔ میں جن حالات سے گزر رہا تھا بالکل انھیں حالات سے مولوی سلامت اللہ صاحب اصلاحی بھی گزر رہے تھے، مگر وہ میری طرح پریشان نہ تھے، کافی اطمینان اور سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ انھوں نے میری یہ پریشان کن کیفیت دیکھی تو تسلی کے چند کلمات کہے اور یہی میرے لئے تنکے کا سہارا ثابت ہوئے، انھوں نے کہا کہ امید کی راہیں یہیں سے ختم نہیں ہو جاتیں، ابھی ہم لوگ مکہ مکرمہ چلیں گے، وہاں ایم اے میں داخلہ کے لئے ٹرائی کریں گے، ان شاء اللہ خیر ہوگا۔

ان کی باتوں سے کافی ڈھارس بندھی اور بہت سکون ملا، چنانچہ میں اور وہ دونوں مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا، عمرہ کیا گیا، جن حالات سے ہم لوگ دو چار تھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کس تضرع وابتہال کے ساتھ عمرہ کیا گیا ہوگا اور کس خلوصِ قلب سے دعائیں کی گئی ہوں گی، دل کی یہ حالت اور ماہ مبارک کی بابرکت ومقبول ساعتیں! اللہ نے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ان دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازا، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ جب امیدیں ختم ہو جاتی ہیں، سہارے ٹوٹ جاتے ہیں اور انسان خود کو ہر طرح سے بے سہارا اور بے بس محسوس کرتا ہے اور اپنے رب کی طرف دوڑتا ہے تو وہ ذات خوب دستگیری کرتی ہے۔ بس اس وقت یہی دل کی صدا تھی کہ کریم آقا تو محض اپنے فضل سے مکہ یونیورسٹی میں ایم اے میں داخلہ کرا دے۔

مکہ یونیورسٹی جس کا نام ''جامعہ ام القریٰ'' تھا، اس وقت جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ کی شاخ تھی، جس کے مدیر اس وقت ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف تھے، جو بعد میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری بھی ہوئے۔ بڑے وسیع القلب انسان تھے، ان کے اندر تعصب بالکل نہ تھا، اس وقت مکہ یونیورسٹی پر سلفیوں کا ابھی اتنا غلبہ نہ تھا، ہر مسلک والے کا داخلہ بآسانی ہوجایا کرتا تھا، بعد میں یہاں بھی دوسروں کے لئے دقتیں شروع ہوگئیں۔ جس وقت میرا داخلہ ہوا تھا اس وقت وہاں **كلية الدعوة واصول الدين** قائم نہیں ہوا تھا، میرے دکتوراہ کے دوسرے یا تیسرے سال یہ کلیہ قائم ہوا اور قسم الکتاب والسنۃ اس کے تابع کردیا گیا۔ یہاں ڈاکٹر وصی اللہ عباس سلفی استاذ تھے، اور سلفیت کی چھل پہل شروع ہوچکی تھی۔

داخلہ کے لئے انٹرویو اور قدرے تاخیر سے داخلہ:

خوب دعا کرکے دوسرے روز ''جامعہ ام القریٰ'' گئے۔ ان دنوں مولانا حبیب الرحمٰن محدث الاعظمیؒ کے پوتے مولوی انور رشید الاعظمی وہاں بی اے کررہے تھے، انھوں نے ہمیں اپنا مہمان بنایا، پھر کلیۃ الشریعہ میں داخلہ کے لئے درخواست دی گئی۔ ڈاکٹر عُلَیّان بن **محمد الحازمی** اس کے ڈین تھے، بے انتہا اچھے اور رحم دل آدمی تھے۔ ہم دس بارہ لڑکے تھے، سب کے پاس کسی نہ کسی کی سفارش تھی، میرے پاس کسی کی بھی سفارش نہیں تھی۔ میں تھا، میری صلاحیتیں تھیں اور کچھ علمی کام کے ساتھ تائید خداوندی، اور ان معمولی ظاہری اسباب کے علاوہ مسبب الاسباب یعنی اللہ کی ذات تھی۔ میرے ایک کلاس فیلو پاکستان کے مولوی ثناء اللہ تھے، انھوں نے مقبول پوزیشن سے ہی بی اے پاس کیا تھا، ان کے پاس شیخ بن باز کی زوردار سفارش تھی، اس سفارش کی وجہ سے ان کا ایم اے میں داخلہ تو ہوا مگر وہ تعلیم مکمل نہ کرسکے، اور ان کا اخراج ہوگیا۔ انٹرویو ہوا، میرا انٹرویو ممتاز تھا، جبکہ باقی احباب انٹرویو سے خوش نہیں تھے، لیکن جب نتیجہ نکلا تو اُن تمام درخواست دہندگان کا نام مقبولین کی لسٹ میں تھا اور اس میں میرا نام نہ تھا، وہ سارے طلباء وہاں موجود تھے کہ آج مقبولین وغیر مقبولین کا اعلان ہونا تھا۔ جب کلیۃ الشریعۃ کے ملازم نے مقبولین کی لسٹ نوٹس بورڈ پر لاکر

چسپاں کی تو سب کے نام تھے اور میرا نام ندارد تھا، پیروں تلے زمین کھسک گئی، میرے پاؤں میں لرزش پیدا ہوگئی، اور میرا پورا وجود سنسنا اٹھا۔ مولوی سلامت اللہ صاحب کے بیان کے مطابق اس غیر متوقع نتیجہ کو دیکھ کر میرا چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا، اس وقت صدمے اور غم کی جس کیفیت سے میں دوچار تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، ایسا لگ رہا تھا جیسے میں چلنے کی سکت کھو بیٹھا ہوں، اور بقول اردو شاعر

دردوغم کا مرقع ہر اک نقطہ ہے، قصۂ غم سنانے کے لائق نہیں
کیوں بضد ہو کہ نازک مزاجی ابھی بارِ عفت اٹھانے کے لائق نہیں

کہ اتنے میں امید کی کرن جگمگائی اور عمید الکلیۃ ڈاکٹر عُلَیَّان نمودار ہوئے اور میرا نام لے کر پکارا۔ میں گیا تو کہنے لگے کہ تم پریشان مت ہونا، تمہارا داخلہ ہوگیا ہے۔ نام لسٹ میں نہیں آیا ہے، وہ اس لئے کہ تم سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔ پھر وہ مجھے اپنے آفس میں لے گئے، پوچھا کہ تم مدینہ میں ممتاز اول تھے اور تمہارے پاس تین مسابقاتی بخشیں ہیں جو پہلے نمبر پر کامیاب ہوئی ہیں، تو تمہارا داخلہ مدینہ میں کیوں نہیں ہوا؟ میں نے کہا کہ ایم اے میں داخلہ کی درخواست میں نے وہاں دی تھی مگر وہاں حدیث میں ایم اے کا شعبہ ابھی کھلا نہیں تھا، اس لئے میں نے اور میرے ایک انڈین کلاس فیلو مولوی رضاء اللہ نے عقیدہ میں ایم اے کی درخواست دی تھی اور اس کے انٹرویو میں بیٹھے تھے، مگر یونیورسٹی کو صرف ہم دونوں میں سے کسی ایک انڈین کو لینا تھا، ان لوگوں نے مولوی رضاء اللہ کو لے لیا کیونکہ آخری سال کے امتحان میں عقیدہ میں ان کا ۱۰۰ ر نمبر تھا اور میرا ۹۷، اس لئے ان کو ترجیح دی گئی، یہی بات ہم سے مدینہ میں کہی گئی تھی۔ یہ بات سن کر انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم باہر بیٹھو اور میری دوسری کال کا انتظار کرو۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ مسکراتے ہوئے نکلے، مجھے مبارکباد دی اور کہا کہ ہم نے مدینہ فون کیا تھا اور ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری عمید الدراسات العلیا نے بالکل وہی بات کہی جو تم نے کہی تھی، اس لئے ہمیں اطمینان ہوگیا۔ اب تم منظوری لیٹر لے لو اور ویزے وغیرہ کی کارروائی کرو۔

اب کیا تھا، مسرت سے میرا چہرہ جگمگا اٹھا، بقول عارفؔ خیرآبادی

جگمگا اٹھا تھا دل فرطِ مسرت سے مرا　　　ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا مل گیا

مولوی سلامت اللہ صاحب جنھوں نے میری دونوں حالتوں میں چہرے کا مشاہدہ کیا تھا، لسٹ نکلنے پر میرے نام کی عدم موجودگی کے بعد کا، اور شیخ علیان کی اس خوشخبری کے بعد کا۔ دونوں چہروں میں نمایاں فرق انھوں نے محسوس کیا، سیاہ اور روشن چہرہ۔ فوراً ہم دونوں وہیں مسجد میں داخل ہوئے، شکرانہ کی دو دو رکعتیں پڑھیں اور منظوری لیٹر لے کر مدینہ واپس ہوئے، پھر عید کے بعد مدینہ یونیورسٹی سے خروج نہائی کا لیٹر لے کر کسی قریبی ملک میں جا کر پھر مکہ یونیورسٹی کے ویزے پر انٹری کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ مولوی سلامت اللہ صاحب کے بھانجے ڈاکٹر خالد سیف اللہ اُن دنوں جامعہ اردنیہ میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے، اس لئے اردن جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان کے بھانجے جب مکہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے تو اسی دوران انھوں نے اپنے بعض اردنی ساتھیوں کی تحریک پر اردن کے ایک گاؤں سحاب کے ایک انتہائی ملنسار، نیک اور خوش دل امام مسجد کی لڑکی سے شادی کر لی تھی، اور فراغت کے بعد وہ وہیں کے ہو گئے، انھیں اردنی نیشنلٹی بھی مل گئی۔

اردن کا ایک وقتی سفر:

ہم دونوں نے پہلے تو جدہ میں واقع اردن کے سفارت خانے سے اردن کا ویزا لیا، اور GMC کار سے اردن جانے والے دیگر مسافرین کے ساتھ مدینہ سے خیبر و تبوک ہوتے ہوئے سعودی عرب کے بارڈر حالة عمار میں ۱۴؍ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۲؍ ستمبر ۱۹۸۰ء کو خروج کی کارروائی کی گئی اور اسی وقت وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر اردن کے بارڈر المدورۃ میں داخل ہو گئے، اور کاغذی کارروائی کے بعد چند گھنٹوں میں اردن کی راجدھانی عمّان پہنچے، عمان، مدورۃ سے تقریباً ۲۰۰؍ کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ پہلے تو ہم دونوں ایک ہوٹل میں گئے، دوسرے دن جب ڈاکٹر خالد سیف اللہ کے خسر کو ہم لوگوں کے آنے کی اطلاع ہوئی تو ہوٹل آ کر ہمارے سامان لے کر سحاب چلے گئے اور دوسرے دن ۱۵؍

ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۳؍ستمبر ۱۹۸۰ء کو سعودی سفارتخانہ عمان سے خالد سیف اللہ صاحب کے خسر کی عنایت وتوجہ سے ہمیں بڑی آسانی سے ویزا مل گیا۔ پھر ہم تین چار روز وہیں ان کے مہمان رہے، اور ان کی ضیافت کا خوب لطف اٹھایا۔

سحاب میں قیام کے دوران وہاں کے دیہاتی لوگوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ لوگ نام کے دیہاتی تھے، علم وعمل، اخلاق واطوار اور عادات وکردار کے لحاظ سے بے انتہا اچھے لوگ تھے۔ گاؤں تھا اس لئے سب کو معلوم ہوگیا کہ ہم مہمان ہیں، راستہ چلتے سب لوگ بڑے احترام سے پیش آتے، سلام کرتے اور حددرجہ اعزاز کرتے۔ کھانے اگرچہ انڈین طرز کے نہیں تھے، مگر بے حد لذیذ اور صحت بخش ہوتے تھے، ہمہ وقت ہم دونوں کی دلجوئی میں پورا گھر لگا رہتا تھا۔

وہاں چار پانچ روز رہ کر ہم لوگ ۱۸؍ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۶؍ستمبر ۱۹۸۰ء کو GMC گاڑی سے مدینہ اور مکہ جانے والے مسافرین کے ہمراہ اردن کے المدورۃ بارڈر سے خروج لیتے ہوئے سعودی عرب کے بارڈر حالۃ عمار سے داخل ہوتے ہوئے تبوک آگئے۔ ارادہ تھا کہ تبوک میں وہ مقام دیکھا جائے گا جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے غزوۂ تبوک میں پڑاؤ ڈالا تھا، رومیوں کے نہ آنے کی وجہ سے بغیر جنگ ہی کے یہاں سے مدینہ واپسی ہوئی تھی۔

وہاں کے مقامی حضرات سے پوچھا گیا تو ان لوگوں نے ایک جانب اشارے سے بتایا کہ وہاں پڑاؤ کیا تھا، اور اب وہاں ایک مسجد ہے جو مسجد النبی کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں بیس دن قیام فرمایا تھا، مگر ہرقل کی جانب سے کوئی حرکت یا پیش قدمی ایسی نہ ہوئی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔

یہ واپسی براہِ خیبر ہورہی تھی، ارادہ تھا کہ وہاں بھی کچھ دیر رک کر زیارت کرلی جائے اور وہاں کے آثار کو دیکھ لیا جائے، مگر ہمارے ٹیکسی ڈرائیور اور دیگر مسافروں کا موڈ نہ تھا اس لئے خیبر سے بس مرور ہوا، زیارت نہ ہوسکی۔ خیبر ہو یا اس طرح کے تاریخی مقامات،

اس کی زیارت کے لئے اپنی گاڑی ہو اور اپنا ڈرائیور ہو تب اچھی طرح سیر حاصل زیارت ہو پائے گی ورنہ نہیں۔

اب ہم جلد از جلد مدینہ منورہ پہنچنا چاہتے تھے، مدینہ میں ابھی بعض احباب تھے، ان کے یہاں ایک دن ٹھہر کر کچھ آرام کیا گیا، اور دوسرے دن ۱۹/ یا ۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ کو مکہ مکرمہ کے لئے احرام باندھ کر رات میں نکلے اور صبح سویرے مکہ مکرمہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا، اور پہلے عمرہ سے فارغ ہوئے۔ اس وقت چونکہ ہر طرح سے اطمینان وسکون کا معاملہ تھا اس لئے صرف تشکر کے جذبات دلوں میں موجزن تھے، داخلہ کے وقت ابتہال وتضرع والی کیفیت نہ تھی، ہر جگہ رک کر زبانی اور عملی طور پر شکریہ ادا کیا جاتا تھا، صفا ومروہ کی سعی کے بعد حلال ہوگئے، اور اپنے میزبان مولوی انور رشید الاعظمی کے پاس چلے گئے۔ پھر جامعہ ام القریٰ کے باضابطہ طالب علم ہونے کی کارروائی کرتے کراتے حجاج کرام کی آمد شروع ہوگئی اور حج تک یہ روٹین بنا کہ روزانہ میں اور مولوی انور رشید صاحب حرم چلے جاتے۔ حجاج کی خدمت کرتے اور عشاء کی نماز کے بعد طواف کرکے بذریعہ بس اپنے کمرے میں چلے آتے۔ حج کے بعد باقاعدہ مجھے اور مولانا سلامت اللہ صاحب کو ایک کمرہ ملا جس میں ہم دونوں ساتھ رہتے تھے۔

یہ ایم اے کا پہلا سال تھا اور ایم اے کے پہلے سال کا مطلب ہے چند کورس کی کلاس میں حاضری دے کر پڑھائی۔ وہاں کئی کورسز پڑھے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ فتح الباری: استاذ محمد الامین (مصری)
۲۔ التفسیر الموضوعی: دکتور محمد عبدالمنعم القیعی [یہ اعمیٰ تھے] (مصری)
۳۔ تخریج الحدیث: استاذ سید احمد صقر (مصری)
۴۔ الاسرائیلیات والموضوعات: دکتور محمد محمد ابوشہبہ (مصری)
۵۔ بحث: السید احمد صقر

میں اس کے امتحان میں بھی ممتاز اول تھا۔ اس کلاس میں ہم کل بارہ طالب علم

تھے، جس میں سے میرے علاوہ کوئی انڈین نہیں تھا، اور ثناء اللہ پاکستانی کے علاوہ کوئی سلفی بھی نہ تھا۔ میں امتحان دینے کے بعد سیدھے مدینہ منورہ چلا گیا، کیونکہ مجھے تفسیر موضوعی میں ممتاز آنے میں کچھ شبہ تھا، اس لئے مارے شرم کے مدینہ چلا گیا تھا کہ اس وقت شرمندگی نہ ہو، لیکن جب نمبر نکلا تو میں ہر کورس میں ممتاز تھا۔

اسی سال اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں مجھے ایک اور بیٹا عطا کیا، ۲۹؍مئی ۱۹۸۲ء کو ابوسلمہ حمود کی ولادت ہوئی، اب میرے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوگئیں۔

بچوں کی مکہ مکرمہ آمد:

سال پورا ہونے کے بعد پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا، اور اب صرف رسالہ (تھیسس) لکھنے کا مرحلہ درپیش تھا، اس لئے اب بچوں کو بلانے کا خیال آیا۔ چنانچہ میں اور مولانا سلامت اللہ صاحب ہم دونوں نے بچوں کو بلانے کا پلان بنایا۔ اس سلسلے کی ساری کارروائیاں مکمل کرلیں، اور اس سال حج پر نوادہ سے حاجی ممتاز احمد صاحب اپنی اہلیہ ریحانہ خاتون بنت محمد یاسین خیرآباد کے ساتھ آئے ہوئے تھے، یہ دونوں میرے سالے حسین احمد کے ساس اور سسر تھے، ان کے ہاتھوں بیوی بچوں کا ٹکٹ بھیجا۔ الحمدللہ وہ سب ۱۹۸۲ء میں مکہ مکرمہ آگئے اور ہم سب خوش وخرم رہنے لگے۔ میں اور مولوی سلامت اللہ صاحب جہاں بھی رہے ساتھ رہے۔ بچوں کے آنے کے بعد بھی ایک ہی بلڈنگ کے دو علیٰحدہ علیٰحدہ فلیٹ میں رہتے رہے، میرے اور ان کے بچے ایک ہی مدرسہ میں پڑھنے لگے۔

ایم اے کا رسالہ امام ھنّاد بن السری کی کتاب ’’الزھد‘‘ کی تحقیق:

پہلے سال کے بعد اب رسالہ لکھنے کی فکر ہوئی۔ اس وقت زیادہ تر طلباء کا رُجحان کسی پرانی کتاب کی تحقیق کا تھا، میں نے بھی ایک کتاب ’’ناسخ الحدیث ومنسوخہ‘‘ لابن شاہین کا مخطوطہ ڈھونڈھ نکالا، اور اس کی تحقیق کا پروپوزل کلیہ میں جمع کردیا، اور میرے مشرف ڈاکٹر محمد احمد یوسف القاسم (مصری) مقرر کئے گئے تھے۔ بڑی محنت کے ساتھ اس کی تحقیق میں منہمک ہوگیا۔ دو سال کے بعد میرے مشرف نے کہا کہ اس کتاب کی تحقیق

جامعہ ازہر میں ہوچکی ہے اور انھوں نے باصرار اسے چھوڑ کر دوسری کتاب اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اس جلد بازی میں تلاش بسیار کے بعد **امام ہنّاد بن السری** کی کتاب "**الزھد**" ہاتھ لگی۔ اوراس کی تحقیق کلیہ کی طرف سے پاس ہوگئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی سلفی اس کی تحقیق کررہے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میرے مناقشے سے پہلے اسے شائع نہ کریں، شاید انھیں مجھ پر رحم آگیا اور مناقشہ سے پہلے تک بلکہ اس کے چندسال کے بعد ۱۴۰۶ھ میں انھوں نے **الزھد** کو اپنی تحقیق سے شائع کیا۔ بیچ میں دوسال ضائع ہونے کی وجہ سے ایم اے میں مجھے تقریباً پانچ سال لگ گئے۔

ایم اے کی ڈگری کے لئے میرا **امام ہنّاد بن السری** کی کتاب "**الزھد**" کا انتخاب کئی اعتبار سے مفید رہا۔ حدیث کی کسی بھی باسند کتاب یا بے سند کتاب کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ تحقیق کرنے والا منجھا ہوا محدث بن جاتا ہے۔ اسے تحقیق کے دوران علوم الحدیث میں پڑھے ہوئے سارے قواعد وضوابط کو برتنا پڑتا ہے اور جو چیز اس نے نظریاتی طور پر پڑھی ہوتی ہے تحقیق میں اس کی تطبیق کرنی پڑتی ہے، چاہے وہ رجال کے سلسلے کی جرح وتعدیل کا مسئلہ ہو یا کسی حدیث پر صحیح، حسن، ضعیف یا موضوع کا حکم لگانے کا مسئلہ ہو، اور تحقیق کے دوران دوسرے علوم میں بھی مہارت اور دسترس حاصل ہوجاتی ہے۔ غرض یہ کہ ایک کتاب "الزہد" کی تحقیق کے بعد مجھے احساس ہوا کہ اب اگر حدیث یا حدیث کی کسی کتاب کی تحقیق کرنی ہوتو آسانی کی جاسکتی ہے۔

ماسٹر کے دوسرے سال بچے آگئے۔ یونیورسٹی سے ۸۰۰/ریال ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ اکیلے آدمی کے لئے یہ وظیفہ بہت کافی تھا، لیکن بچوں کے ساتھ نہیں۔ اس لئے آمدنی بڑھانے کے لئے عام طور سے لڑکے کہیں نہ کہیں کام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے یونیورسٹی کی لائبریری کے مخطوطات ڈپارٹمنٹ میں مستقل کام دلا دیا، بلکہ اس کے ڈائرکٹر شیخ محمد عثمان کنوی اور استاذ ہاشم سوڈانی کا مجھ پر کرم تھا کہ ان لوگوں نے ۱۲/سال تک مجھے ہی رکھا اور میرے علاوہ کسی کو وہاں نہیں رکھا۔ وہاں سے مجھے ۷۰۰/ریال ماہانہ مل جاتا تھا، یہ پیسہ اور

وظیفہ ملا کر کام اچھا چل جاتا تھا، بلکہ میری اہلیہ یعنی ابوطلحہ کی امی کہا کرتی تھیں کہ اس میں کافی برکت ہوتی تھی، اپنی بیٹی سعدیہ ورضیہ اور بہو کے لئے وہیں سے انھوں نے پیسہ بچا بچا کر زیورتیار کر لئے تھے۔

اس قسم المخطوطات میں کام کی بدولت مجھے وہاں ایک ایسی عظیم شخصیت سے دوستی ہوگئی جس کی بدولت میں ملیشیا میں کام کررہا ہوں، ان کا ذکر آگے کہیں کروں گا۔

ماسٹر کے ان پانچ سالہ عرصہ میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا جس کا ذکر کیا جائے۔صرف اتنا ہوا کہ شروع شروع میں یونیورسٹی نے فیملی والے طلباء کے لئے ملاوی محلے میں ایک کنڈ مونیم ٹائپ کا مکان کرائے پر لے رکھا تھا، فیملی والے طلباء کو اس میں سے ایک ایک فلیٹ دیدیا جاتا۔اس کی بجلی و پانی اور کرایہ سب یونیورسٹی کے ذمے تھا، لیکن تین سال کے بعد یونیورسٹی نے اس نظام کو ختم کردیا۔اب طلباء خود ہی کرایہ پر مکان لیں اور کرایہ، بجلی، پانی سب کا خرچ برداشت کریں ، یونیورسٹی سے مدد طلب کرسکتے ہیں ، اس میں کافی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ کرایہ کے لئے پیسہ ہوتا ہی نہیں، اور یونیورسٹی بھی مدد سے ہاتھ کھینچ لیتی تو اس کے لئے ہم طلباء کو یہاں وہاں کی خاک چھاننی پڑتی، کبھی رابطہ عالم اسلامی کی، کبھی حرم مکی کی اور کبھی دارالافتاء ریاض کی۔

ایک غیبی مدد:

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کرایہ کا کہیں سے نظم نہ ہوسکا۔نہ جامعہ سے، اور نہ ہی کسی اور جگہ سے، اور کرایہ دینے کا دن آ گیا تھا۔مثلاً کل سال بھر کا کرایہ پانچ ہزار ریال دینا ہے اور آج تک اس کا انتظام نہیں ہوسکا۔ میں بے حد فکر مند پیدل حرم شریف گیا، جاتے ہی طواف کیا، اور پھر عشاء کی نماز کے بعد طواف کیا، میزابِ رحمت کے عین نیچے دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ سے بڑے انہماک کے ساتھ دعا کی کہ اے اللہ! میں یہاں تیرے سوا کس سے مانگوں؟ اب تک مکان کے کرائے کا کوئی انتظام نہیں ہوا ہے، اب تو ہی کوئی انتظام کر۔دعا کرکے حرم سے نکلا اور گھر جانے کے لئے بس پر سوار ہوا، میرا معمول یہی تھا کہ حرم پیدل

جاتا تھا اور واپسی بس سے۔ بس کی ایک سیٹ پر بیٹھ گیا، میرے ساتھ ایک صاحب انتہائی بزرگ صفت میری بغل میں آکر بیٹھ گئے، میں فکرمند، غمگین صورت بیٹھا تھا، انھوں نے مہرسکوت توڑتے ہوئے دریافت کیا کہ تم کہاں کے ہو اور کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ انڈیا کا ہوں اور جامعہ ام القریٰ میں پڑھتا ہوں، پوچھا کہاں اترنا ہے؟ میں نے کہا کہ یہیں قریب میں۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتا ہوں، کیسے کھاتے پیتے ہو اور کرایہ وغیرہ کیسے دیتے ہو؟ میں نے کہا کہ کبھی یونیورسٹی دیدیتی ہے اور کبھی حرم مکی کے امام شیخ سُبَیِّل اور کبھی رابطہ۔ اتنا جواب دیتے دیتے میرے اترنے کا اسٹاپ آگیا اور میں اتر گیا۔ جب میں اترا ہوں اور بس چلی گئی تو میرے جبے [عربی کرتا] کی داہنی جیب کچھ کچھ بھاری لگی، دیکھا تو اس میں پانچ ہزار ریال کی گڈی پڑی ہوئی تھی۔ یہ تھی اللہ کی مدد، انھوں نے میری مدد کے لئے اپنے کسی فرشتے کو اس شریف انسان کی صورت میں بھیجا تھا اور دوسرے دن میں نے کرایہ ادا کردیا۔

حرمین شریفین میں دعا کی تاثیر:

حرمین شریفین میں دعا کی عجب تاثیر ہوتی ہے، اور اس میں طواف وعبادت کا الگ ہی لطف ملتا ہے، عبادت میں خوب دل لگتا ہے۔ وہاں عبادت اس طرح ہوتی ہے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ایک حدیث میں احسان کی تعریف میں کہا ہے: ”**الاحسان أن تعبد الله كأنك تراه ، فإن لم تكن تراه فإنه يراك**“ (متفق علیہ) اس حدیث میں اللہ کے رسول نے احسان کے دو مرتبے بتائے ہیں۔ پہلا مرتبہ تو وہ ہے جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، یہ تو انبیاء کرام اور خاصانِ خدا کے حصے میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ اس مرتبہ پر پہنچنے کے لئے انسان کو جس اخلاص وللہیت کی ضرورت پڑے گی وہ ہر کس وناکس کا حصہ نہیں ہے۔

احسان کا دوسرا مرتبہ وہ ہے جو ہر کس وناکس کرسکتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ دل میں یہ تصور کرنا کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لئے ہم

انتہائی خلوص کے ساتھ اس کی عبادت کریں، یہ اتنا مشکل اور دشوار نہیں ہے۔تو حرم مکی میں حطیم کے اندر، میزاب رحمت کے نیچے، اور مسجد نبوی میں روضۃ الجنۃ کے اندر نماز میں بالکل یہی کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ میاں ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ ہم ان کی نگرانی میں نماز پڑھ رہے ہیں، اس لئے دل میں اللہ اور اس کی خوشنودی کے سوا کوئی بات نہیں ہوتی۔ اور جو نماز اس طرح پڑھی جائے اس کا اثر بھی دیرپا ہوگا اور اس کے اثرات انسان کے ظاہر اور اس کی زندگی پر مرتب ہوں گے۔

میں نے گزشتہ صفحات میں لکھا کہ ماسٹر کے مرحلے میں ایک سال کے بعد اپنے بیوی بچوں کو یہیں بلالیا۔ اب تک میں اکیلا تھا، اب بیوی چار بچوں کو لے کر آ گئیں۔ ابوطلحہ مسعود، سعدیہ عائشہ، رضیہ عائشہ اور ابوسلمہ حمود، اور یہاں مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ۱۵/اپریل ۱۹۸۴ء میں ایک بیٹی عنایت کی جس کا نام سعاد رکھا گیا۔

ماسٹر کی تھیسس مکمل کر کے کلیہ میں جمع کر دی گئی، اور اب مناقشہ کا انتظار تھا، اللہ اللہ کر کے وہ دن بھی آ گیا، اور ۱۴/ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۶/دسمبر ۱۹۸۴ء کو میرا مناقشہ ہوا۔ مناقشہ کے لئے دو شخصیتوں کو منتخب کیا گیا تھا، وہ تھے ڈاکٹر منصور بن عون العبدلی، اور دوسرے ڈاکٹر **عوید عیاد المطرفی**۔ چار گھنٹے تک علمی مناقشہ کرنے کے بعد ان حضرات نے ممتاز پوزیشن عطا کی، اور ہال میں موجود بہت سارے احباب اور اساتذہ کرام نے مبارکبادیوں سے مجھے خوب نوازا۔ کلیۃ الشریعۃ کے سکریٹری ڈاکٹر حمزۃ الفعر بھی موجود تھے۔ انھوں نے مبارکباد دینے کے بعد مجھ سے کہا کہ ان شاء اللہ تم یہیں سے دکتوراہ بھی کرو گے۔ میں ان ساری مبارکبادیوں اور دعاؤں کو سمیٹے ہوئے سیدھے گھر گیا اور اہلیہ کو ساتھ لے کر سیدھے حرم گیا، اور شکرانے کا طواف کیا اور پھر گھر لوٹے۔

جامعہ ام القریٰ سے دکتوراہ میں داخلہ کی تیاری:

ماسٹر کی تھیسس کا مناقشہ ہونے کے بعد اب دکتوراہ میں داخلہ کی فکر سوار ہوئی۔ دوسرے دوست طلباء سے پتہ چلا کہ جب وزارت تعلیم عالی سے ماجستر کے نتیجے پر تصدیق

[مصادقہ] آجائے گی تب تم دکتوراہ میں داخلہ کی درخواست دے سکتے ہو۔ادھر مہینے پر مہینے گزر رہے تھے اور پی ایچ ڈی میں داخلہ کے لئے انٹرویو کی کئی تاریخیں آئیں اور گئیں، جب جب میں نے درخواست دی تو مجھ سے یہ کہا گیا کہ تمہارے ماسٹر کے نتیجہ پر وزارت تعلیم سے مصادقہ نہیں آیا ہے اس لئے تم ابھی انٹرویو میں نہیں بیٹھ سکتے۔

اللہ اللہ کر کے مصادقہ آگیا اور دکتوراہ میں داخلہ کے انٹرویو کی اقرب تاریخ کے لئے میں نے درخواست دی اور براہ راست کلیۃ الشریعۃ کے عمید (جو اس وقت ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید تھے، جو حرم مکی کے امام بھی تھے۔) کے پاس جمع کی۔مگر انھوں نے یہ کہہ کر درخواست لوٹا دی کہ ہمارے پاس اساتذہ کی کمی ہے اور ہمیں جن طلباء کو لینا تھا لے چکے ہیں۔میں نے کہا کہ جن طلباء کو انٹرویو میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی ہے، ان میں سے کئی طلباء کے نتائج پر وزارت تعلیم سے مصادقہ نہیں آیا ہے، تو آپ انھیں آگے کی کسی تاریخ میں انٹرویو کے لئے رکھیں اور مجھے اس میں، اس لئے کہ میرے نتیجہ پر مصادقہ آچکا ہے، مگر ان سب کے باوجود بھی انھوں نے انکار کر دیا۔اب مجھے شبہ ہوا کہ کوئی بات ضرور ہے، اندر اندر کوئی گیم کھیل رہا ہے۔

اس ٹکے سے جواب کے بعد میرا جو حال ہونا تھا وہ ہوا، اس وقت بھی میری بالکل وہی حالت تھی جو ماسٹر میں داخلہ کے وقت تھی، لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس وقت میری مدد کی تھی اِس وقت بھی کی۔میں مایوس و نامراد ہو کر عمید کی آفس سے باہر آیا ہی تھا کہ ڈاکٹر **عوید عیاد المطرفی** مل گئے، جنھوں نے میرا ایم اے کا مناقشہ لیا تھا اور ممتاز پوزیشن دی تھی۔ان سے وہیں عمید کے آفس کے باہر ملاقات ہوگئی۔انھوں نے دیکھتے ہی سوالات کی بوچھار کر دی۔کہا: **كيف حالك يا شيخ ؟بشّرني،هل قُبِلتَ في الدكتوراه ؟**

(یعنی شیخ نے کہا کہ: کیا حال ہے؟ مجھے کچھ اچھی خبر سناؤ، تمہارے دکتوراہ میں داخلہ کا کیا ہوا؟۔

میں روہانسا ہو گیا اور عرض کیا کہ ابھی آج کی بالکل تازہ بات ہے کہ چار مہینے انتظار کے بعد وزارت تعلیم سے مصادقہ آیا ہے، اور میں عمید کے پاس گیا تو انھوں نے یہ ٹکا سا

جواب دیا جبکہ بہت سے ایسے طلباء کے کاغذات لئے گئے ہیں جن کے نتیجے پر ابھی مصادقہ نہیں آیا ہے۔ شیخ کو یہ سب سن کر بہت غصہ آیا، وہ اسی طیش کی حالت میں سیدھے عمید کی آفس میں گئے اور لگا کہ لڑائی کرلیں گے، مگر اتفاق سے وہ نہیں تھے، تو سیدھے ان کے سکریٹری ڈاکٹر حمزۃ الفعر کی آفس میں گئے اور وہ مل گئے۔ ان سے میرے داخلہ کے متعلق گزرے ہوئے احوال کہے اور پوچھا کہ کیا اساتذہ کی کمی کی وجہ سے اِس طالب علم کا داخلہ نہیں ہوگا، اور آپ نے اِس کے مناقشہ کے دن اس کے دکتوراہ میں داخلہ کا وعدہ کیا تھا۔

شیخ حمزہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ ڈاکٹر صالح نے بالضبط کیا کہا ہے، میں نے ان سے وہی بات کہی جو شیخ صالح نے کہی تھی، تو انھوں نے ڈاکٹر صالح کی بات کی لاج رکھتے ہوئے کہا کہ ہاں اساتذہ کی کمی تو ہے لیکن میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، تم اسے دھیان سے سنو، وہ یہ کہ تم کسی سے اس وقت تک کچھ نہ کہنا جب تک تمہارے داخلہ کی قرار مدیر جامعہ کے یہاں سے آنہ جائے۔ پھر انھوں نے کہا کہ پرسوں [یہ ١٩٨٥ء کا کوئی دن تھا] تمہارا فلاں وقت انٹرویو ہے، تم اچھی طرح انٹرویو دینا اور کسی سے کچھ بھی نہ کہنا۔ متعینہ وقت پر انٹرویو ہوا، انٹرویو تو جیسے تیسے گزرگیا۔ میرے داخلے کا فیصلہ تو ہو چکا تھا، چنانچہ انٹرویو کے پندرہ بیس دن کے بعد مجھے مدیر جامعہ ڈاکٹر راشد الراجحی حفظہ اللہ کی طرف سے داخلہ کا لیٹر موصول ہوا۔ عموماً میں اور مولانا سلامت اللہ صاحب ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے، انھیں فوراً اطلاع ہوگئی۔ میں اور وہ سیدھے گھر آگئے، اہلیہ کو خوشخبری سنائی، ظہر کی اذان ہو چکی تھی، میں اور مولانا سلامت اللہ صاحب ظہر کی نماز کے لئے مسجد جانے کے لئے نکلے تو بنارس کے ایک سلفی طالب علم بھی ہماری بلڈنگ سے مسجد جاتے ہوئے مل گئے۔ پہلے ان سے جب بھی ملاقات ہوتی تھی تو ان کا پہلا سوال یہی ہوتا تھا کہ دکتوراہ میں داخلہ کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟ جیسے وہ اور ان کے دوسرے سلفی احباب نے میرے خلاف گیم کھیلا تھا، اس کے نتیجہ کی تصدیق میری زبانی چاہ رہے ہوں۔ اس گیم میں ان کے ساتھ سلفیوں کا ایک پورا ٹولہ شامل تھا، جس میں سے اب ایک کے علاوہ سب راہئ ملک عدم ہو چکے۔ اس سوال کے جواب میں ان سے

ہمیشہ میں یہی کہتا کہ ماسٹر کے نتیجے پر وزارت تعلیم عالی سے ابھی مصادقہ نہیں آیا ہے۔ لیکن انٹرویو کے بعد انھوں نے جب بھی دریافت کیا تو میں ڈاکٹر حمزۃ الفعر کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے توریہ سے کام لیتا، اور کہتا کہ ابھی مصادقہ نہیں آیا ہے۔ وہ سمجھتے کہ ایم اے کے نتیجہ پر وزارت تعلیم کا مصادقہ، اور میں اپنی نیت میں یہ رکھتا کہ میرے دکتوراہ کے انٹرویو کے نتیجہ پر مدیر جامعہ کا مصادقہ۔ آج جب انھوں نے پوچھا کہ ہاں بھئی کیا ہو رہا ہے؟ تو مولانا سلامت اللہ صاحب نے انھیں بتایا کہ آپ مولانا (ابواللیث) کو مبارکباد دیں، ان کا دکتوراہ میں داخلہ ہوگیا ہے۔ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ فق پڑ گیا، مگر اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے کہا کہ ابھی تو آپ مصادقہ نہ آنے کی بات کر رہے تھے اور آج داخلہ ہو جانے کی خبر دے رہے ہیں، تو میں نے کہا کہ ہاں ایسا بعض مصلحتوں کی وجہ سے کرنا پڑا۔ وہ سمجھ گئے کہ ہماری ان ریشہ دوانیوں کا ابواللیث کو علم ہوگیا ہے، جو کامیاب نہیں ہوئیں۔

کچھ بچوں کا ذکر:

اسی دوران ۱۹۸۵ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور خوبصورت بیٹی سے نوازا، جس کا نام بچوں نے ہی سہام رکھا، وہ ۴/نومبر ۱۹۸۵ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی۔ اس کے ڈیڑھ سال کے بعد ۲۶/اپریل ۱۹۸۷ء کو اللہ تعالیٰ نے ایک چاند سے بیٹے سے نوازا جس کا نام بچوں نے سعودیہ کے بانی ملک عبدالعزیز کے نام پر عبدالعزیز رکھا، اس طرح اب ۳/بیٹے اور ۴/بیٹیاں یعنی کل سات ہوگئے۔ الحمد للہ آج اس تحریر کے لکھتے وقت یعنی ۶/فروری ۲۰۲۱ء مطابق ۲۳/جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ کو سب بخیر و عافیت، شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ عبدالعزیز جب شکم مادر میں تھا تو اہلیہ کو پیٹ میں شدید درد کی شکایت ہوئی، چیک کرانے پر پتہ چلا کہ ان کے پتّے میں پتھری ہے جس کا واحد علاج آپریشن ہے۔ ہم نے یونیورسٹی کے کلینک میں ایک مصری ڈاکٹر سے مشورہ لیا کہ ان کے پتّہ میں پتھری ہے جس کا واحد حل آپریشن ہے اور یہ حمل سے ہیں تو کیا کیا جائے، تو اس ڈاکٹر نے بڑے اطمینان سے کہا کہ آپریشن پیدائش کے بعد ہوگا، تب تک کے لئے ہم درد روکنے کی دوا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی

کیا گیا، جب عبدالعزیز میاں پیدا ہوگئے، پھر اس کے سال بھر کے بعد ان کی امی کا آپریشن بھی ہوگیا۔

دکتوراہ میں داخلہ کے بعد میں نے اطمینان کی سانس لی، اور داخلہ کی ساری کارروائیاں مکمل کرلی گئیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد محمد الشریف (مصری) میرے مشرف مقرر ہوئے، اور امام طحاوی کی کتاب ''بیان مشکل الآثار'' کی تحقیق پر دیگر طلباء کو رسالے کے لئے موضوعات دیئے جارہے تھے۔ اس کے پہلے جزء سے ساتویں جز تک کی تقسیم ہوچکی تھی۔ اس کا آٹھواں جز جو آخری تھا وہ میرے حصے میں آیا۔ تھیسس کا کام شب وروز تیزی سے ہونے لگا۔ میری لگن تھی کہ اِن سبھوں کے کسی اور فتنے کے کھڑے کرنے سے پہلے پہلے میں فارغ ہوجاؤں۔ چنانچہ میں نے ۵؍سال میں دکتوراہ کا رسالہ مکمل کرلیا۔ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ ۱۹۸۶ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک میں رسالہ کی تیاری میں لگارہا ۱۹۹۰ء کے ہی کسی مہینے میں رسالہ مناقشہ کے لئے کلیہ میں جمع کردیا۔

پی ایچ ڈی کی تکمیل اور ''تاریخ الحرمین الشریفین'' کا قصہ:

پی ایچ ڈی کا رسالہ جمع کرنے کے بعد یہ احساس تو تھا ہی کہ اس کا مناقشہ ہوتے ہوتے دوسال تو لگ ہی جائیں گے، اس عرصہ میں کیا ہوگا؟ جمع کرنے کے معاً بعد ہی اللہ تعالیٰ کی مددِ غیب سے اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ حرمین شریفین کے تعمیراتی کاموں کی ڈیزائننگ کرنے والی ایک پاکستانی کمپنی ''**اتحاد المهندسين**'' کو حرمین شریفین کی تاریخ لکھوانی تھی۔ انھیں کوئی ایسا آدمی چاہئے تھا جو عربی کے ساتھ انگریزی یا اردو جانتا ہو، میں اس کام کے لئے بہت موزوں ثابت ہوا، اور میرا انتخاب اس کے لئے ہوگیا اور میں چار ہزار پانچ سوریال ماہانہ پر وہاں حرمین شریفین کی تاریخ پر کام کرتا رہا۔ اتفاق دیکھئے کہ اُدھر مناقشے کی تاریخ پڑی اور اِدھر ''تاریخ الحرمین الشریفین'' بھی تکمیل کے قریب پہنچ گئی۔ مجھے یاد آتا ہے کہ جب مجھے دکتوراہ کی سٹیفکیٹ مل گئی اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد میں نے وہ تاریخ ''**اتحاد المهندسين**'' کے منیجر کے حوالے کی۔ اس کتاب کا اصل ٹائپ شدہ نسخہ آج بھی

میرے پاس محفوظ ہے۔

دکتوراہ کا رسالہ بہت ضخیم تھا، تین جلدوں میں ایک ہزار چار سو صفحات پر مشتمل تھا۔ اس رسالہ کو جلد پڑھنا آسان نہ تھا، اس لئے مناقشین نے اس کو پڑھنے میں ڈیڑھ دو سال لگادیئے اور ۵؍شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق ۸؍فروری ۱۹۹۲ء کی صبح کو مناقشہ ہوگیا۔ مناقشین میں سے پروفیسر ڈاکٹر احمد نور سیف اور ڈاکٹر محمود میرہ تھے، اور میرے مشرف مصر کے پروفیسر ڈاکٹر محمد محمد الشریف تھے۔ ان سبھی حضرات نے باتفاقِ رائے مجھے ممتاز پوزیشن سے نوازا۔

بچوں کی انڈیا واپسی اور ابوطلحہ وسعدیہ کی شادی اور میری عدم شرکت:

میں نے اس عرصے میں ایک کام یہ کیا کہ بیوی بچوں کو ۱۱؍اگست ۱۹۹۲ء کو گھر انڈیا بھیج دیا، اور والد صاحب کو ابوطلحہ مسعود اور سعدیہ عائشہ سلمہما اللہ کی شادی کی تاریخ طے کرنے کے لئے کہہ دیا۔ ایسا اس امید پر کیا تھا کہ مجھے کہیں نہ کہیں ملازمت ملنے کی پوری امید تھی، اور میں اس کے بعد اس مقررہ تاریخ تک گھر پہونچ جاتا۔ چنانچہ بیٹے ابوطلحہ کی شادی کی تاریخ دوشنبہ ۱۶؍نومبر ۱۹۹۲ء اور بیٹی سعدیہ عائشہ کی شادی کی تاریخ بدھ ۱۸؍نومبر ۱۹۹۲ء کو پڑی، یعنی ۱۶؍نومبر کو ابوطلحہ کا نکاح ہوگا اور ۱۸؍کو ولیمہ ہوگا، اسی روز سعدیہ کی بارات آئے گی اور نکاح ہوگا۔ انسان اپنے گمان اور پلان کے مطابق ایک پروگرام ترتیب دے لیتا ہے، لیکن کبھی کبھی قضا وقدر کے فیصلے اس کے بالکل برعکس صادر ہوتے ہیں، میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

مجھے بدقسمتی سے اس وقت تک ملازمت نہ مل سکی، اور شادی کی تاریخ بھی آ گئی ایسے میں سعودی عرب چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ یہ میری اولادوں میں سے پہلی شادی تھی، گھر کے تمام لوگوں کو اس کا بہت دکھ تھا کہ ابوطلحہ اور سعدیہ کے ابو اس میں شریک نہ ہوسکے۔ اس میں عدم شرکت کا مجھے کتنا افسوس اور قلق رہا ہوگا، میرا ہی دل جانتا ہے، لیکن اصل بندگی یہی ہے کہ انسان اپنے مالک کے فیصلے کے آگے دل وجان سے راضی رہے، اور میں تو اب تک متعدد بار یہ دیکھ چکا تھا کہ تقدیر کا فیصلہ میری منشا کے بالکل خلاف نظر آیا، لیکن

وہی بعد میں میرے لئے بڑے خیر کا باعث بنا۔

افسوس اور صدمہ اس لئے مزید بڑھ گیا کہ محمد احمد (جس سے سعدیہ کی شادی ہونی تھی) کے والد انیس احمد بھائی جو میرے سالے بھی تھے بہت پہلے ہی انتقال کر چکے تھے، اس لئے میری عدم موجودگی کا احساس اور زیادہ تھا، شادی کے دن گھر میں بڑی اداسی اور رونا دھونا تھا، کہ گھر کا اصل ذمہ دار اور بچوں کا سرپرست ہی موجود نہیں ہے، بالکل یہی کیفیت تھی ؎

آئی بہارِ گلشن، گل سے بھرا ہے لیکن
ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل

اسی کے ساتھ اپنے عزیز دوست مولانا فضل حق عارف خیرآبادی کی زبان سے سنا ہوا ایک شعر بار بار یاد آتا رہا، آپ بھی سنئے! ؎

یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خُم کے خُم بھرے ہیں مے سے اور خالی ہے میخانہ

بہرحال نوشتۂ تقدیر کو تو پیش آنا ہی تھا اور وہ آکر رہا، میں اپنے دو عزیز بچوں کی شادی کے موقع پر ان سے ہزاروں کلومیٹر دور رہا اور حاضری سے محرومی رہی۔ سچ ہے **وما تشاؤن إلا أن يشاء الله رب العالمين.**

یہاں ملازمت کا مسئلہ اس طرح الجھا ہوا تھا کہ اگر میں وہاں موجود رہ کر حل نہ کرتا تو پھر اس کی تلافی کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ میں سارا دن حرم میں رہ کر دعائیں کرتا رہا، میرا وجود تو ضرور دور تھا لیکن اس دن میری تمام تر توجہات بچوں کی طرف ہی تھیں۔ بہرحال ان دونوں کی شادی ہوگئی، اور تمام امور بخیر وخوبی مکمل ہوگئے۔ ابوطلحہ میاں کام کے ویزے پر دوبارہ مکہ مکرمہ آگئے، اور بگڑے ہوئے فریج اور اے سی بنانے کا ایک ورکشاپ کھول لیا۔ اب مکہ میں ہم چار آدمی رہ گئے۔ میں، میرا بیٹا ابوطلحہ، میرے بھائی ابوالخیر سلّمہٗ (کام کے ویزے پر دونوں آئے تھے) اور مولوی ابوسعد اعظمی صاحب [آنوک والے]۔ ملاوی میں مسجد قطری کے پاس ایک فلیٹ میں رہتے تھے۔ میں حرمین شریفین کی تاریخ پر کام بھی کرتا

رہا، اور ملازمت کی تلاش میں بھی لگا رہا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خصوصی حفاظت اور فضل وکرم سے بخیر وخوبی نہائی تعلیم کے یہ تینوں مراحل (B.A/M.A/P.H.D) طے ہوگئے۔ اس مقام پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ آخر میں نے کون سا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے غیر مقلدین میرے پیچھے پڑے رہتے تھے، مگر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سامنے آکر مقابلہ کرتے۔ پیٹھ پیچھے وار کرنا ہی ان کا شیوہ تھا۔ دوسرے قاسمی طلباء کے پیچھے اتنا نہیں پڑے رہتے تھے جتنا میرے پیچھے تھے۔ بہت سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا معاملہ دوسرے قاسمی فضلاء سے قدرے مختلف تھا۔ وہ صرف پاس ہونا چاہتے تھے، ان کے اندر آگے بڑھنے کا کوئی خاص جذبہ نہ تھا، اور میں ہر مرحلہ میں ممتاز تھا، اور ان لوگوں سے کسی بحث میں دبتا نہیں تھا۔ اس کا انھیں بے حد قلق تھا، اس لئے میرا پتا کاٹنے کی ہمہ وقتی کوششوں میں ہمیشہ منہ کی کھاتے رہے، رہے سدا نام اللہ کا۔

ایک دفعہ میں دس بجے کے قریب کلیۃ الدعوۃ کے لان سے گزر رہا تھا۔ وہاں بہت سارے غیر مقلد طلباء ایک قاسمی طالب علم کو گھیرے بحث مباحثہ کر رہے تھے۔ قاسمی نے مجھے آواز دی، میں رک گیا۔ میرے رکتے ہی غیر مقلد طلباء کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اس قاسمی نے بتایا کہ یہ لوگ مجھ سے قرأۃ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین جیسے گھسے پٹے مسائل پر بحث کر رہے ہیں اور مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ میں نے ان غیر مقلد طلباء کو مخاطب کیا کہ آپ لوگ یہاں کھڑے ہوکر کیا کر رہے ہیں۔ اگر کلاس میں دیر ہے تو کچھ کتابیں پڑھیں، اور جس کام کے لئے یہاں آئے ہیں وہ کریں۔ یہ بلانتیجہ بحث کرنے سے آپ کو کیا مل جائے گا۔ پھر میں نے مزید انھیں خاموش کرنے کے لئے کہا کہ آپ یہ بتائیے کہ کیا اگر آپ غالب آجائیں تو یہ قاسمی اپنا مسلک تبدیل کر لے گا، یا اگر یہ غالب آ گیا تو کیا آپ اپنا مسلک بدل لیں گے؟ سب نے کہا کہ نہیں ہم کبھی نہیں بدلیں گے۔ تو میں نے اس موقع کو اچھی طرح سے استعمال کرتے ہوئے کہا: گویا آپ لوگ بلاوجہ یہ بحث ومباحثہ کر رہے ہیں، جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ تو یاد رکھئے کہ اب اگر آپ لوگوں نے کسی بھی قاسمی کو

پریشان کیا تو میں آپ تمام لوگوں کے نام مدیر جامعہ کی آفس میں پہنچا دوں گا اور کہوں گا کہ یہ لوگ یہاں فتنہ وفساد مچا رہے ہیں، اور پڑھنے کے بجائے دوسرے طلباء کو پریشان کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں لائبریری میں اپنے کام پر چلا گیا، اور اس دن کے بعد قصداً وہاں سے گزرتا کہ دیکھوں آج بھی وہ سب جمع ہیں اور بحث مباحثہ کر رہے ہیں، تو اس کے بعد کبھی وہ وہاں نظر نہیں آئے۔ان قاسمی طلباء سے میں نے پوچھا بھی تو ان سبھوں نے کہا کہ اُس دن کے بعد سے پھر کبھی ایک مرتبہ بھی کوئی بحث نہیں چھیڑی۔ الحمدللہ ہم لوگ مطمئن ہو کر پڑھ رہے ہیں۔

اِس ایک واقعہ کے علاوہ کوئی بھی دوسرا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، اور میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اپنے رسالے کا کام کرتا رہا۔مولانا سلامت اللہ صاحب نے ایم اے کے بعد ساتھ چھوڑ دیا اور رابطہ سے تعاقد کرا کے جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں مبعوث ہو گئے۔ وہ کیا گئے کہ میری علمی دنیا ویران ہو گئی، اب مشکل گھڑی میں کون تسلی دے گا، لیکن ان کے بعد اللہ میاں نے مولانا محمد اقبال مسعود ندوی بھوپالی کی صورت میں ایک دوست وغمگسار بھیج دیا، پھر ہر دکھ درد میں وہ شریک رہتے، میرا بے حد خیال رکھتے۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہی دکتوراہ سے فارغ ہوئے، اس وقت وہ کناڈا میں ہیں۔

ساتواں باب

تعلیمی زندگی کا ایک جائزہ

جب ولولہ صادق ہوتا ہے جب عزم مصمم ہوتا ہے
تکمیل کا ساماں غیب سے اس وقت فراہم ہوتا ہے

میری اب تک کی زندگی یعنی تعلیمی دور کے قابل ذکر احوال قارئین کے سامنے آ چکے ہیں، قارئین نے محسوس کیا ہوگا کہ اس میں کئی مرحلے ایسے آئے ہیں جو ہمتوں کو توڑ دینے اور حوصلوں کو بے جان کر دینے کے لئے کافی تھے، لیکن ہر مرحلہ پر توفیق الٰہی اور نصرتِ غیبی نے میری دستگیری کی اور میں ان دشواریوں کو عبور کر کے بحمد اللہ منزل مقصود تک بخیر وعافیت پہنچ گیا۔ میں اس باب میں اپنی تعلیمی زندگی کا ایک جائزہ لینا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ یہ چیز اوروں کے حوصلوں اور عزائم کے لئے مہمیز ثابت ہو اور شکستہ حوصلوں میں توانائی کا باعث بنے۔

جس طرح درس نظامی پڑھنے والے حضرات کی تعلیم کا آخری مرحلہ دورۂ حدیث پاس کر کے سندِ فضیلت حاصل کرنا ہوتا ہے، اسی طرح جامعی تعلیم یعنی یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق پڑھنے والوں کا آخری درجہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حصول ہوتا ہے، گویا یہ ڈگری ان کی اعلیٰ تعلیم کی معراج اور انتہا ہے۔

۱۹۹۲ء میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کے بعد میں نے ایک طرح سے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ سانس لینا آگے کی انتہائی دشوار گزار منزل (تلاش ملازمت) کے لئے گویا اپنی مقامی زبان میں سُستانا کہہ لیجئے، یعنی دم لینا۔ پھر سُستا کر یعنی دم لے کر دوڑ لگانی ہے۔ سچ ہے ؎

اک مسافر کی طرح میں تو سفر کرتا ہوں   لے لیا دم جو کہیں مجھ کو گھنی چھاؤں ملی

اس شعر کا مصداق میرا وجود بن گیا تھا، لیکن اگلے مرحلہ کی داستان کے شروع کرنے سے پہلے میں ماضی کے ان اوراق کو پلٹتا ہوں، کہ شاید نسلِ نو کو اس میں کچھ سبق آموز اور تشجیعی مواد مل جائیں، جو اُن کی زندگی کے بنانے سنوارنے اور سدھارنے میں مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

میری زندگی کے وہ سات سال جو میں نے بیت العلوم مالیگاؤں اور مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں بسلسلۂ تدریس گزارے ہیں، اگر ان کو فی الحال اس داستان سے نکال کر دیکھا جائے تو نظامی اور جامعی تعلیم میں کل ۳۰ رسال صرف ہوئے ہیں، یعنی اتنا عرصہ جس میں ایک نسل تیار ہو جائے۔ ۱۳ رسال پرائمری سے دارالعلوم دیوبند تک۔ اور ۱۷ رسال بی اے سے پی ایچ ڈی تک۔

اس دوران میں کن کن حالات سے گزرا اور کیسے کیسے جانگسل مراحل طے کئے ہیں، اب سوچتا ہوں تو جھرجھری آجاتی ہے، دل کانپ کر رہ جاتا ہے، پھر اپنے کریم مولیٰ کا کرم اور اس کا فضل وانعام یاد آتا ہے تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور دل تشکر وامتنان کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے، کہ نہ جانے کون سی ادا میرے مالک کو پسند آگئی کہ اس نے ہر مرحلے سے اس عاجز وناکارہ بندے کو اس حسن وخوبی سے گزار دیا کہ عقل حیران ہو کر رہ گئی۔

الحمدللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

بچپن میں پڑھائی سے جان چرانا، مدرسہ نہ جانے کے لئے طرح طرح کے بہانے تراشنا، پھر اس پر مزید شرارتیں جن پر بے پناہ مار کھانا۔ دارالعلوم دیوبند میں آخری سال ۱۹۶۹ء میں طلباء کی اسٹرائیک میں مشتبہ ہونا، اور اس اشتباہ کو دور کرنے کے لئے قاری ریاست علی صاحب کی بے توجہی کا شکار ہونا۔ دارالعلوم سے دورۂ حدیث کے بعد مزید تعلیم کے لئے دارالعلوم کا انکار کر دینا۔ پھر بڑی مشکل سے کسی طرح چھ مہینے کے لئے مالیگاؤں میں تدریسی ملازمت کا ملنا۔ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں دشوارترین معاشی حالات سے دوچار ہونا۔ مدینہ یونیورسٹی میں دورانِ تعلیم اپنے ہی کچھ احباب کی سازش کا شکار ہونا، اسی کے ساتھ غیر مقلد انڈین طلباء کی ریشہ دوانیوں سے اپنے کو بچا کر حصول تعلیم میں لگے رہنا۔

پھر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد دارالافتاء ریاض سے ملازمت کا نہ ملنا، اور یہاں پورے کلاس میں ٹاپ کرنے کے باوجود ایم اے میں میرا داخلہ نہ ہونا۔ پھر مکہ یونیورسٹی میں کافی تحقیق وتفتیش کے بعد داخلہ ہونا۔ پھر دکتوراہ میں بڑی جدوجہد کے بعد میرا لیا جانا۔

یہ خاصے طویل واقعات ہیں جن کا میں نے ایک سرسری سا جائزہ پیش کردیا ہے۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن میں سے تنہا ایک واقعہ کسی بھی انسان کی ہمت توڑنے کے لئے کافی تھا، چہ جائیکہ یہ سارے واقعات یکے بعد دیگرے مجھ پر طوفانی ہوا کی طرح پیش آتے چلے گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ رہی ہوتی، اور اس کی حفاظت اور نصرت کی چادر مجھ پر تنی نہ رہی ہوتی تو یہ بے قیمت انسان کب کا سپر ڈال دیئے ہوتا، اور آج گھر میں بیٹھا ایک گمنام زندگی بسر کررہا ہوتا۔ اپنے احوال پر جب غور کرتا ہوں تو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ کسی بھی حال میں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے، مقابلے میں شکست کوئی خاص بات نہیں ہے، لیکن اگر حوصلہ ٹوٹ جائے اور مایوسی چھا جائے تو پھر انسان کی زندگی ختم ہوجاتی ہے، اس لئے کہ اگر حوصلہ باقی ہے تو انسان جدوجہد کے بعد اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرسکتا ہے۔

اس راہ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا خوب تجربہ ہوا کہ: **فإن مع العسر يسراً إن مع العسر يسراً** (سورۃ الانشراح: ۶/۵) کہ دشواریاں چاہے جیسی بھی ہوں ان کے بعد آسانیوں کو آنا ہے۔ پریشانیوں کی رات کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو اس کے بعد راحت وآرام کی صبح آنی ہی ہے، ہائے جگر نے کیا خوب کہا ہے ؎

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر　　　ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

واقعی میری زندگی اس کی عملی تفسیر ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ دشواریاں اور دقتیں آئیں اور وقتی طور پر میں پریشان بھی خوب ہوا، لیکن کچھ ہی عرصہ میں وہ چلی گئیں۔ پریشانیوں کی گھٹائیں چھاتیں، دشواریوں کے بادل منڈلاتے مگر جلد ہی منجانب اللہ رحمت وکرم کی پُروائیاں چلتیں اور ان بادلوں کو دور کہیں پہنچا دیتیں۔ نورالانوار میں پڑھا ہوا یہ شعر کافی ڈھارس بندھاتا۔ ؎

إِذَا اشْتَدَّتْ بِکَ الْبَلْوىٰ فَفَکِّرْ فِیْ اَلَمْ نَشْرَحْ
فَعُسْرٌ بَیْنَ یُسْرَیْنِ إِذَا فَکَّرْتَهُ فَافْرَحْ

جب تم پر مصیبت سخت ہو جائے تو تم سورہ الم نشرح میں غور کرو، تو تمہیں عسر یعنی دشواری دو آسانیوں کے درمیان ملے گی، جب تم اس پر غور کروگے تو خوش ہو جاؤ گے۔

قارئین کرام! ہاں! ایک بات کا میں نے ہمیشہ خیال رکھا کہ خود میں نے کبھی کسی کو بالقصد تکلیف نہیں پہنچائی، کسی کے خلاف کوئی سازش نہیں رچی، اور ان سب چیزوں سے ہمیشہ اللہ کی پناہ مانگتا رہا اور میرا کریم آقا ہمیشہ مجھے ایسے مواقع سے بچاتا رہا۔

یہاں پر اس بات کا اقرار جذبۂ احسان شناسی بھی ہے اور محسن کا شکریہ بھی، کہ اگر سعودی عرب کا ہم جیسے مفلس ومفلوک الحال پر احسان نہ ہوتا تو ہم اپنے پیسوں سے یہاں تک تو پہنچ نہ پاتے۔ میں نے جامعی تعلیم کے تینوں مرحلوں (بی اے، ایم اے، پی ایچ ڈی) سعودی عرب کے ۲/فرمانراؤں کے دور میں پورا کیا، میں جب مدینہ منورہ گیا تھا تو شاہ فیصل کی شہادت کو ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا، ہر جگہ ان کے کارناموں کا چرچا تھا، وہ میرے یہاں آنے سے ڈیڑھ سال قبل ۱۲/ اپریل ۱۹۷۵ء کو شہید کئے گئے۔ ان کے بعد شاہ خالد بن عبدالعزیز بادشاہ بنے، میں نے بی اے ان کے عہد میں کیا۔ ایم اے اور پی ایچ ڈی ملک فہد بن عبدالعزیز کے عہد میں کیا اور ڈاکٹر بن گیا۔

مدینہ منورہ کے چار سال، اور مکہ مکرمہ میں ۱۳/سال کا دور مجموعی طور پر خوشحالی وفارغ البالی اور اخذ وعطا کا دور تھا، سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا کی تو اس نے خرچ بھی خوب کیا، اس کی دولت سے سعودی باشندوں کو تو فائدہ پہنچا ہی عام مسلمانوں کو بھی پہنچا اور آج تک کچھ نہ کچھ پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سعودی عرب کو خاص طور سے اور مسلم حکمرانوں کو عام طور سے اچھی اور مفید سیاست کی توفیق بخشے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہو اور وہ خود بھی آخرت میں اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوں۔ سچی بات یہ ہے کہ

زبان وقلم میں یہ قدرت کہاں جو ہو حمدِ خالق میں گوہر فشاں

اسلامی مدارس اورعصری یونیورسیٹوں کی دینی تعلیم میں فرق:

تعلیم انسان کا زیور ہے، اس سے انسان اپنے اوراپنے بچوں کے مستقبل کوسنوارتا ہے، اگر انسان زیورِتعلیم سے آراستہ ہوتا ہے تو اسے زندگی گزارنے کا صحیح سلیقہ آتا ہے، انسان کے بات کرنے کے انداز سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہے یا گنوار، اسی لیےاللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾[الزمر:۹] یعنی کیا تعلیم یافتہ اور جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی نہیں۔ تعلیم یافتہ کی رفتار سے، گفتار سے، کھانے پینے کے انداز سے، رہن سہن سے، گویا اس کی ہر چیز سے یہ فرق نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے، تعلیم چاہے کسی بھی میدان کی ہو: دینی ہو، دنیاوی ہو، اس سے بحث نہیں، فقط تعلیم اسے ہر چیز کا ڈھنگ سکھا دیتی ہے۔

موجودہ حالات میں جب کہ نہ تو اسلامی حکومت ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیم کی کوئی وقعت واہمیت کہ اس کے ذریعے سرکاری ملازمت تو ملنے سے رہی؛ بلکہ مسلمان بھی اسے بہت قدر کی نظر سے نہیں دیکھتے، ایسے حالات میں تعلیم کس چیز کی حاصل کرنی چاہیے، کیا سب علم دین حاصل کر کے مولوی بن جائیں اور پھر کسی مدرسے میں پڑھائیں، مسجد میں اذان دیں، امامت کریں، جلسوں میں تقریریں کریں، نکاح پڑھائیں اور نماز جنازہ پڑھائیں اور تعزیتی تقریریں کریں، یا صرف دنیاوی علوم حاصل کر کے انجینئر، ڈاکٹر، اکنامک، بزنس مین وغیرہ بن جائیں اور اپنے کو دینی زندگی سے الگ کر لیں؟

یہ دونوں سوچیں غلط ہیں، وہ اس لیے کہ شریعت میں دونوں طرح کے علم میں درک حاصل کرنا فرض کفایہ ہے؛ لیکن اس حد تک شریعت کا علم فرض عین ہے، جس سے آپ ایک اسلامی زندگی گزار سکیں۔ ایمان کیا ہے؟ ایمان کے ارکان کیا ہیں؟ عبادتیں کتنی ہیں اور کیسے ادا کی جائیں؟ اللہ اور بندوں کے ہمارے اوپر بنیادی حقوق کیا ہیں اور وہ کیسے ادا کئے جائیں؟ اس حد تک علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے، باقی مولوی بننا، مفتی بننا، اسی طرح ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ بننا یہ فرض کفایہ ہے۔

بہت پہلے سے یہ بات مشہور چلی آرہی ہے کہ علم دوطرح کے ہوتے ہیں: ایک دینی، دوسرے دنیوی۔ حالاں کہ اگرغور سے دیکھا جائے تو سارے علم دینی ہیں، دنیوی کوئی ہے ہی نہیں؛ کیوں کہ جس علم کے سیکھنے اوراس پرعمل کرنے سے ثواب، اوراس کے نہ سیکھنے اوراس پرعمل نہ کرنے سے عقاب آتا ہو، وہ دنیوی نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پرڈاکٹری لے لیجیے، کیا علم طب سیکھنا اوراس کے مطابق مریضوں کا علاج کرنا دنیوی عمل ہے؟ کیا اس پر ثواب وعقاب کا ترتب نہیں ہوتا؟ اسی طرح روزی کمانے کے لیے کسی بھی جائز پیشہ کا علم حاصل کرکے اسے ایمان داری سے کیا جائے تو کیا اس کو دنیوی علم کہیں گے؟ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ہر وہ علم جو انسان وحیوان کی خدمت کے لیے ہو وہ دینی ہے، دنیوی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں لوگ فقیہ ومحدث بھی ہوتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی معاش کا علم حاصل کرکے اسے بھی روبہ عمل لاتے تھے، تاریخ میں بہت سے ایسے علماء ہیں جو بزاز، حداد، نساج اور حلاج کے نام سے مشہور ہیں۔

یا پھر دینی علم کی دو قسم کی جائے: ایک علم دینی خاص اور دوسرے علم دینی عام۔ علم دینی خاص سے مراد وہ علم لیا جائے جسے سیکھنے کے بعد مولوی کی ڈگری یا خطاب ملتا ہے اور علم دینی عام سے مراد ہر وہ علم لیا جائے جس سے انسان وحیوان کی خدمت ہوتی ہو اور اسے خدمت خلق کے لیے استعمال کیا جائے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد ''آمدم برسرِ مطلب''، مَیں اصل مدعا کی طرف آتا ہوں کہ اسلامی مدارس اور عصری یونیورسیٹیوں میں دینی تعلیم میں کیا فرق ہے؟ میں چوں کہ اسلامی مدارس سے بھی فارغ ہوں اور عصری یونیورسٹیوں کا بھی پڑھا ہوا ہوں؛ اس لیے شاید میں ان دونوں میں فرق کو اچھی طرح واضح کرسکوں۔

ا:۔ پہلا فرق تو یہ ہے کہ اسلامی مدارس عام مسلمانوں کے ہوتے ہیں اور ان ہی کے صدقات وخیرات سے چلتے ہیں، اس لیے مدرسین اور ان میں کام کرنے والوں کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں، جس سے ان کی ضروریات زندگی بمشکل ہی کسی طرح پوری ہوتی ہیں، اور یونیورسٹیاں حکومتوں کے خرچ سے چلتی ہیں، اس لیے ان میں کام کرنے والے سارے لوگوں

کی تنخواہیں اتنی ہوتی ہیں، جن سے ان کی ساری ضروریات پوری ہوجاتی ہیں۔

۲:- دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلامی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ فیس نہیں دیتے، بلکہ ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے، علاج ومعالجہ اور درسی کتابوں کا سارا خرچ مدارس اٹھاتے ہیں۔ جب کہ سعودی عرب کے علاوہ دیگر ملکوں کی یونیورسٹی میں دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ تعلیم کی فیس الگ دیتے ہیں اور اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے، علاج معالجہ اور درسی کتابوں کا خرچ بھی وہ خود ہی اٹھاتے ہیں۔

۳:- تیسرا فرق یہ ہے کہ اسلامی مدارس میں کسی بھی مضمون کو مضمون کی حیثیت سے نہیں پڑھایا جاتا؛ بلکہ ان میں نظام سنہ ہونے کی وجہ سے ایک کتاب مقرر ہوتی ہے اور اسے ختم کیا جاتا ہے۔ جب کہ یونیورسٹی میں مضمون کو مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے، اس لیے جو گہرائی اور گیرائی اسلامی مدارس میں آتی ہے، وہ یونیورسٹی میں نہیں آتی۔

۴:- چوتھا فرق یہ ہے کہ اسلامی مدارس میں مقالے وغیرہ لکھنا داخل درس نہیں ہوتا، جب کہ یونیورسٹیوں میں ہر مضمون میں کم ازکم ایک اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، مقالہ لکھنا ضروری ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اسلامی مدارس کے عام فضلاء مقالے لکھنا نہیں جانتے اور یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل کے لیے مقالے لکھنا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔

۵:- پانچواں فرق یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ اپنے اساتذہ کا جو ادب و احترام کرتے ہیں، وہ بات یونیورسٹیوں کے طلبہ میں اتنی نہیں ہوتی۔

۶:- چھٹا فرق یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم مخلوط نہیں ہوتی، جب کہ سعودی عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں کی یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہوتی ہے، کلاس میں ایک طرف لڑکے اور دوسری طرف لڑکیاں بیٹھتی ہیں اور ایسا اس لیے ہے کہ چہرہ، پردے میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ یا برقعہ کے رواج ہونے نہ ہونے پر چلتا ہے۔

ان چھ فرقوں کے علاوہ بھی کچھ فروق اور ہیں؛ لیکن میں نے اہم فروق کی نشان دہی کی ہے۔

آٹھواں باب

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں

دکتوراہ کے بعد ملازمت کے لئے تگ ودَو:

میں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ میں بسلسلۂ ملازمت ملیشیا پہنچوں گا، اور وہاں کسی یونیورسٹی کا پروفیسر بنوں گا، لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہوکر رہا، کہنے والے نے بالکل سچ کہا ہے کہ ؂

دو چیز آدمی را کشد زور زور یکے آب ودانہ دِگر خاکِ گور

دو چیزیں انسان کو پوری قوت سے اپنی طرف کھینچتی ہیں، ایک رزق، دوسرے قبر کی مٹی۔

اب آپ سنئے! کہ کس طرح تقدیر الٰہی نے مجھے ملیشیا پہنچایا۔ میں نے تو اپنی بساط بھر کوشش کی کہ مجھے دارالافتاء ریاض یا رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے کوئی ملازمت مل جائے، گوکہ سلفی احباب کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے اس میں کامیابی کی امید نہ ہونے کے برابر تھی۔ لیکن اپنے دل اور دوسروں کی تسلی کے لئے میں ان دونوں جگہوں پر گیا اور درخواست دی، اور حسب توقع وہاں سے ملازمت نہیں ملی۔ میرے انتہائی مخلص دوست ڈاکٹر مولانا اقبال مسعود ندوی بھوپالی (مقیم حال کناڈا) بھی میرے ساتھ ہی دکتوراہ سے فارغ ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے آپس میں طے کیا کہ چپکے سے ریاض چلتے ہیں، اور وہاں کی بعض یونیوسٹیوں میں درخواست دیتے ہیں، شاید کام بن جائے، مگر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا، سلفی دوستوں کی کرم فرمائیاں ساتھ ساتھ رہیں اور بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

۱۴۱۳ھ کے ذی قعدہ [مئی ۱۹۹۳ء] کا مہینہ تھا اور ہم دونوں ریاض پہنچ گئے۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ اور جامعۃ الملک سعود میں درخواست دی گئی۔ جامعۃ الملک سعود سے بڑی امید افزا خبریں ملیں، بلکہ وہاں تدریس کے لئے ہم دونوں کا سلیکشن بھی ہوگیا

اور شؤون الموظفین کے کلرک نے ایک دن کہا کہ کل آکر منظوری لیٹر لے جاؤ۔ جب ہم دوسرے دن لیٹر لینے پہنچے تو اقبال مسعود ندوی صاحب کو تو اس نے منظوری لیٹر دے دیا اور مجھ سے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ تمہارے لیٹر پر مدیر جامعہ کا دستخط ہوتے ہوتے رہ گیا، کسی نے تمہارے خلاف کچھ بات پہنچا دی۔

ظاہر ہے کہ اس نتیجے کے بعد میرا کیا حال ہوا ہوگا، اور مایوسی کی کیسی شدید کیفیت طاری رہی ہوگی، لیکن یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے زیادہ دیر تک نہیں رہنے دی۔ صبح کو ہمیں اس ناکامی کی اطلاع ملی، اور میں نے دوپہر میں اپنے لڑکے ابوطلحہ مسعود کو فون کیا کہ اسے صورتحال سے باخبر کر دوں، مگر قبل اس کے کہ میں اس سے کچھ کہتا اس نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالوہاب بن ابراہیم ابوسلیمان (١) میری دکان پر آئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اپنے ابو سے کہنا کہ اگر انھیں ملیشیا میں ملازمت چاہئے تو کل اپنے کاغذات مجھے دیدیں۔

یہ بات سنتے ہی میں نے کہا کہ آج میں ریاض سے بذریعہ بس چل کر صبح ان شاء اللہ مکہ مکرمہ پہنچ جاؤں گا۔ مکہ پہنچتے ہی رات بھر کے سفر کے بعد بھی میں نے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور کاغذات درست کر کے ڈاکر عبدالوہاب صاحب کے گھر جا کر انھیں دے دیا۔ انھوں نے اپنی سفارش کے ساتھ ملیشیا کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے ریکٹر ڈاکٹر عبدالحمید بن احمد ابوسلیمان (جو ڈاکٹر عبدالوہاب ابوسلیمان کے چچازاد بھائی تھے) کے پاس بھیج دیا، اور حج سے دس دن پہلے ملیشیا سے منظوری آ گئی، اور ڈھائی ہزار رنگٹ (ملیشیائی کرنسی) پر بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ میری پوسٹنگ ہوگئی۔ میں نے اپنا موافقتی لیٹر بھیج دیا، جس میں اس کی وضاحت کر دی کہ میں حج کے فوراً بعد ملیشیا آ جاؤں گا۔

(١) ان سے میرا تعارف جامعہ ام القریٰ لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں ہوا، وہ وہاں آتے اور مجھ سے کوئی مخطوطہ طلب کرتے، میں اولین فرصت میں ان کے حکم کی تعمیل کرتا، جس کی وجہ سے مجھ پر بیحد شفقت فرماتے تھے۔ بڑے ہی مخیرّ اور جید سعودی عالم ہیں۔ محرم ١٣٥٦ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ فقہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ اور اس وقت هيئة كبار العلماء کے بڑے ہی مقبول ممبر ہیں۔ ابتدائی تعلیم مکہ میں ہوئی، فقہ میں کلیۃ الشریعۃ مکہ سے ١٣٧٧ھ میں بی اے کیا۔ ١٣٨٥ھ میں لندن یونیورسٹی سے ایم اے کیا، اور ١٣٩٠ھ میں وہیں سے دکتوراہ کیا۔ بہت سی پوسٹوں پر رہے، ١٥/ سے زیادہ ان کی تصانیف ہیں۔

میں نے یہ خوشخبری سب سے پہلے اپنے والد صاحب کو فون پر سنائی۔ اس کے بعد اس سال حج پر آئے ہوئے لوگوں میں اختر النساء بوا (حاجی محمد ایوب چچا کی بڑی بہن) اور نثار بھیا کو دی اور ان لوگوں کی دعائیں لیں۔

ملیشیا کے بارے میں پہلے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے آس پاس سرائمیر کے علاقے کے بہت سے لوگ یہاں آئے اور بس گئے، یہاں کی خوشحالی اور مالداری ہر شخص کی زبان پر تھی۔ میرے گاؤں کے لوگوں نے جب سنا تو سب نے یہاں کی تعریف کی۔ ملیشیا کے بارے میں انھیں سب خیالات وتصورات میں گم رہتا، اور پھر وہ دن آ گیا جس میں مجھے جدہ سے براہ راست کوالالمپور جانا تھا۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں حاضری:

الحمدللہ ۴/جولائی ۱۹۹۳ء مطابق ۱۵/محرم ۱۴۱۴ھ اتوار کے دن میں ملیشیا پہنچ گیا۔ کوالالمپور کے ایرپورٹ پر پہلا قدم رکھتے ہی یہ دعا ''أَللّٰهُمَّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ'' پڑھی اور امیگریشن کرا کے سامان لے کر باہر نکلا تو یونیورسٹی کا ڈرائیور انتظار میں کھڑا تھا۔ گاڑی پر بیٹھا اور اس نے ایک ہوٹل میں پہنچا دیا۔

دوسرے دن ۵/جولائی کو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا گیا جو اس وقت پٹالنگ جایا (PJ) میں تھی۔ یونیورسٹی میں اس حاضری کا مطلب یہ تھا کہ آج سے میں یہاں کا استاذ ہو گیا اور تنخواہ شروع ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ کچھ رنگٹ ادھار دیئے گئے تاکہ اس ماہ کے پورا ہونے تک اخراجات وغیرہ کی کوئی دشواری نہ ہو۔ پھر انڈیا کے کچھ ڈاکٹر حضرات سے ملاقات ہوئی، جیسے ہمارے قریبی قصبہ محمد آباد کے جمیل فاروقی صاحب، بندول جیراج پور کے ارشد اسلام صاحب، اور بڑہریا کے اسرار احمد خاں صاحب۔ انھیں حضرات کی مدد سے امپانگ پوائنٹ کے علاقہ میں مکان کرایہ پر لیا گیا اور ایک مہینہ کے بعد ۱۳/اگست ۱۹۹۳ء میں بچے بھی آ گئے، اور ایک سال کے بعد پھر سب اکٹھا ہو گئے، اور اب یہاں کے قیام کا ۲۸/واں سال ہے۔

ڈاکٹر عبد الحمید ابوسلیمان سے پہلی ملاقات:

جامعہ کے ریکٹر (مدیر) ڈاکٹر عبد الحمید ابوسلیمان کی عادت تھی کہ وہ ہر نئے مدرس سے خصوصی ملاقات کرتے اور ان سے چند مسائل پر گفتگو کرتے۔

ڈاکٹر عبد الحمید ابوسلیمان صاحب کے بارے میں پہلے بتا دوں کہ وہ سعودی تھے۔ اور ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء سے لے کر ثانویہ تک پڑھتے ہوئے مکہ مکرمہ کے مدرسہ **تحضیر البعثات** سے ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) میں فارغ ہوئے۔ اور ۱۳۷۸ھ (۱۹۵۹ء) میں جامعۃ القاہرۃ کے کلیۃ التجارۃ سے بکالوریوس کیا، اور پھر وہیں سے ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۲ء) میں علوم سیاسیہ سے ماسٹر کیا۔ پھر ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں امریکا میں پنسلوانیا سے علاقات دولیۃ میں دکتوراہ کیا۔ یہ ندوۃ الشباب ریاض کے جنرل سکریٹری بھی رہ چکے ہیں، اور ۱۴۱۹ھ (۱۹۹۹ء) میں ''**المعهد العالمی للفكر الاسلامی**'' کے پہلے صدر رہے۔ اور ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۹ء تک ہماری یونیورسٹی کے ریکٹر (مدیر) بھی رہے۔

یہ اسلامائزیشن آف نالج مکتبۂ فکر کے بانی تھے۔ یہ اور ان جیسے کئی مسلم افراد جب یورپ یا امریکہ پڑھنے گئے تو انھوں نے محسوس کیا کہ وہاں کے جامعات میں تو اللہ تعالیٰ کے وجود کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ ہر چیز کو طبعیات یا ظاہری و مادی اسباب سے جوڑا جا رہا ہے۔ اگر کہیں زلزلہ آیا تو اسے اللہ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے یہ کہا جاتا ہے کہ زمین کے اندر بخارات جمع ہو گئے تو وہ اس طرح بُرکان (لاوا) یا زلزلے کی شکل میں نکلے۔ یہ نظریہ ان کے اس نظریے سے متصادم ہوا جو وہ اپنے باپ دادا سے لے کر گئے تھے، تو انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ علوم انسانیہ Human Sciences (علم النفس، علم الاجتماع، علم الاتصال، علم السیاسۃ، علم التاریخ، علم الاحیاء وغیرہ) علوم کو اسلامیایا جائے۔ اس پر انھوں نے پوری دنیا کے علماء سے رابطہ کیا اور ان کے سامنے یہ پلان رکھا تو سب نے اس نظریہ کو بہت سراہا۔ اس طرح ان لوگوں نے امریکا اور کناڈا میں موجود مسلم طلباء کی ایک انجمن (**اتحاد الطلبة المسلمين فی أمريكا و كندا**) بنائی، اور پھر یہی انجمن فکر اسلامی کا انٹرنیشنل

انسٹی ٹیوٹ (المعهد العالمی للفکر الاسلامی) بن کرا بھرا، اوراس کی بہت سارے ملکوں میں شاخیں ہیں۔

یہ نظریہ اس وقت تک تو بہت سراہا گیا اور علمی حلقوں میں مقبول رہا جب تک اس کے بانیوں نے علوم انسانیہ اور اجتماعیات کو اسلامیانے تک محدود رکھا۔ لیکن ان حضرات نے اس عام مقبولیت کو دیکھ کر اپنے بال و پر نکالنے شروع کیے اور اس کی لپیٹ میں علوم شرعیہ (علم التفسیر، علم الحدیث، علم الفقہ واصول الفقہ) کو بھی لے لیا، اس کو بھی اسلامیانے کی بات کرنے لگے، تب علماء کا متحفظ محتاط طبقہ ان کا مخالف ہو گیا۔ اس طبقے کو لگا کہ یہ لوگ اپنے اس نظریہ میں مخلص نہیں ہیں، اور امریکن اسلام لانا چاہتے ہیں۔ ایسا اسلام جس میں فرائض کی حد تک عبادت ہو۔ ربا حلال ہونا چاہئے۔ حدود اور قصاص کو وقت اور حالات کے پیش نظر بدلتے رہنا چاہئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور مہدی کے آنے کا ان کے یہاں کوئی تصور نہیں۔ حدیث حجت تو ہے لیکن حدیث میں پوشیدہ منہجیت (آئیڈیالوجی) حجت ہے، اور حدیث کا جو یہ ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہے یہ وقت وحالات کے مطابق نبی کریم ﷺ کی وقتی تطبیق ہے، یہ تشریع دائم نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جب ۶ / جولائی ۱۹۹۳ء کو ڈاکٹر عبدالحمید ابوسلیمان صاحب سے ملنے گیا تو انھوں نے بڑے عظیم اخلاق کا مظاہرہ کیا اور وہ تھے بھی عظیم اخلاق کے حامل، اور آخر میں جو انھوں نے سوال کیا وہی درحقیقت ان کی ملاقات کا ماحصل تھا۔ انھوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا کہ تم حدیث میں اکسپرٹ ہو، تمہاری نظر سے حدیث کی تقریباً ساری ہی مطبوع کتابیں گزری ہوں گی۔ میں خاموش سنتا رہا اور ہاں ہوں کرتا رہا۔ پھر انھوں نے پوچھا: کیا بخاری میں ضعیف حدیثیں ہیں؟ میں نے کہا کہ میرے نزدیک صحیحین کی ساری حدیثیں صحیح ہیں سوائے چند احادیث کے (جو ایک ہاتھ کی انگلی سے زیادہ نہیں ہوں گی) جن میں بعض الفاظ محل نظر ہیں، انھیں اپنے رجحان کے اعتبار سے میرا یہ جواب اچھا نہیں لگا ہوگا۔ انھوں نے ڈاکٹر سونو قطب صاحب (یہ ان کے بہت ہی قریبی ایک افریقی اور غضب کی صلاحیت کے

حامل شخص تھے) کو میرے ساتھ لگایا کہ وہ معہد کے نظریات کے مطابق میری ذہن سازی کریں، گویا میں پھولوں کے ایسے باغ میں تھا جس میں جگہ جگہ کانٹے بھی تھے۔ میرا کمال یہ ہوگا کہ دامن کو کانٹوں سے بچاتے ہوئے پھولوں سے استفادہ کروں، یا اس طرح رہوں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ڈاکٹر سونو قطب نے مجھ سے کہا کہ تم ''تاثیر البعدین الزمانی والمکانی فی الحدیث'' (حدیث پر زمانہ وحالات کا اثر) پر ایک مقالہ لکھو اور مجھے دکھاؤ۔

سب سے پہلے تو میں نے ان حضرات کے نظریہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ان کی بہت ساری کتابیں پڑھیں، جیسے اسلامیة المعرفة : الخطة والإنجازات (یہ کتاب ڈاکٹر عبد الحمید ابو سلیمان نے بعض دوسرے حضرات کے ساتھ مل کر لکھی تھی) اور انھیں کی کتاب ''أزمة العقل المسلم'' اور اس زمانے میں اِن کے ہر محاضرے میں شریک ہوتا اور ان کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر طٰہ جابر العلوانی (عراق کے اچھے اور اسلامیة المعرفة کے سرگرم رکن) اکثر آتے اور اپنے نظریہ کی ترویج کے لئے بہت سارے محاضرے دیتے۔

اُن ساری کتابوں اور ان کے محاضرات وتقریروں کو سننے کے بعد مجھے خوب اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ اخلاق کے بے انتہا اچھے لوگ ہیں، لیکن دینی سوچ میں جمہور کی ڈگر سے اچھا خاصا ہٹے ہوئے ہیں۔

مجھے ان کے سارے افکار سے اتنا سروکار نہیں تھا جتنا حدیث کے بارے میں ان کے نظریات جاننے سے تھا۔ حدیث کے بارے میں ان حضرات کی دو باتیں آپ اگر جان لیں تو سمجھئے کہ آپ حدیث کے بارے میں ان کے سارے نظریات جان لیں گے۔

پہلی بات: حدیث سے ان کی مراد۔ دوسری بات: حجیت حدیث سے ان کی مراد۔

ان حضرات کے نزدیک حدیث کا وہ مفہوم نہیں تھا جو فقہاء اربعہ کے نزدیک ہے۔ جمہور امت کے نزدیک حدیث کی تعریف یہ ہے: ''ما أضيف الىٰ رسول الله ﷺ من

قولٍ أو فعلٍ أو تقريرٍ أو صفةٍ خُلُقيةٍ أو خِلقية ،(یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال وافعال اور جن پر آپ نے سکوت فرمایا ہو وہ ، اور آپ کے اخلاق وعادات اور آپ کے جسم سے متعلق صحابہ کرام کی توصیف)اور ڈاکٹر عبدالحمید صاحب وغیرہ کے نزدیک حدیث کی تعریف یہ ہے:''أداء نبوی معصوم ضمن بيئة وواقع وثقافة محددة ''۔(۱)(ایک خاص جگہ اور خاص حالات وعادات میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کئے گئے پاکیزہ تصرفات)،اور ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی فرماتے ہیں:''السنة هي تطبيق لقيم القرآن ، وتنزيلٌ لها في واقع نسبي محدد ''۔(۲)(یعنی ایک خاص زمانہ وحالات میں رسول اللہ ﷺ کا قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے اور اسے بروئے کار لانے کا نام سنت ہے)۔

ان دونوں مجمل تعریفوں کی شرح میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر قول وفعل ان کے زمانے کے لوگوں کے لئے تھا ، جو ایک خاص عادات واطوار کے حامل ہوا کرتے تھے۔اب حالات وعادات بدل چکے ہیں تو اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی ہدایات ہم پر لاگو نہیں ہوں گی ۔مثال کے طور پر تین ڈھیلوں سے استنجاء کرنے والی حدیث، یہ اُس زمانے کے لوگوں کے لئے ان کے حالات میں تو مناسب تھی کہ وہ لوگ باہر استنجاء کے لئے جاتے تھے۔ پانی کی کمیابی تھی ،لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ ہر گھر میں ٹوائلٹ ہیں، پانی بکثرت پایا جاتا ہے،اس لئے یہاں اِن حالات میں ڈھیلے یا پتھر سے استنجاء کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔اسی طرح آپ کے زمانے میں دانت صاف کرنے کا صرف ایک ہی وسیلہ تھا ''اراک کی مسواک''تو آپ نے فرمایا:'' لولا أن أشق علىٰ أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلوٰة ''(اگر میری امت پر شاق گزرنے کی بات نہ ہوتی تو میں ہر نماز کے وقت ان کو مسواک کرنے کا حکم دیتا۔) ظاہر ہے اس وقت دانت صاف کرنے کا جو وسیلہ دستیاب تھا آپ نے اس کا حکم دیا،لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ہم کسی اور وسیلہ سے دانت صاف کریں، جیسے پاؤڈر منجن،ٹوتھ پیسٹ وغیرہ تو اس حدیث پر عمل نہیں ہوگا۔

(۱)ندوة السنة النبوية ومنهجها في بناء المعرفة الحضارة ،ص:۴۵۳
(۲)مقالہ'' اسلامية المعرفة بين الامس واليوم، مجلة اسلامية المعرفة ،عدد:۱۹،ص:۱۵

اس مکتبِ فکر کے ماننے والوں کے نزدیک سنت کی حجیت کا وہ مفہوم نہیں ہے جو ہم لوگ سمجھتے ہیں۔ حجیتِ سنت کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر قول و فعل اور سکوت حجت ہے، یعنی اس سے شریعت کے پانچوں احکام (واجب، مندوب، مباح، حرام اور مکروہ) میں سے کوئی ایک ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس مکتبِ فکر والوں کے نزدیک ہر ہر حدیث بذاتِ خود حجت نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر پوشیدہ آئیڈیالوجی (منہجیت) حجت ہے۔ جیسے گزشتہ مثالوں (استنجا و مسواک) میں ۳ر پتھروں یا ڈھیلوں سے استنجا کرنا یا اراک کی مسواک کرنا حجت نہیں ہے بلکہ اُن دونوں میں ایک آئیڈیالوجی مضمر ہے، وہ حجت ہے۔ مثلاً تین ڈھیلے سے استنجا میں منہجیت ہے نجاست کو اس مقام سے کم کرنا۔ اب یہ ٹیسو سے بھی ہوسکتا ہے، یا پانی سے بھی ہوسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو جس سے بھی نجاست کم کی جائے گی اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس سے اس حدیث پر عمل ہو گیا۔

اسی طرح مسواک والی حدیث میں جو منہجیت پوشیدہ ہے، وہ دانت کی صفائی ہے، وہ جس سے بھی حاصل ہو وہ اس حدیث پر عمل کے دائرے میں آئے گی۔ اب اگر کسی نے کوئلہ کے منجن سے دانت صاف کیا، کولگیٹ سے صاف کیا، یا کسی پاؤڈر نما منجن سے صاف کیا تو اس کو اس حدیث پر عمل کرنے والا مانا جائے گا۔ ان حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہر حدیث کا یہی حال ہے، اس میں جہاں کسی وقتی مسئلہ کا حل ہے، وہیں اس میں ایک منہجیت پوشیدہ ہے، اور یہ حضرات منہجیت سے ان احادیث کے اصلی مقاصد ومصالح کو مراد لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شریعت کی ساری نصوص چاہے وہ قرآن کی ہوں یا حدیث کی وہ سب مبنی بر مصالح و مقاصد ہوتی ہیں۔

جب مجھ سے ''حدیث پر زمانہ وحالات کا اثر'' کے موضوع پر مقالہ لکھنے کو کہا گیا تو میں نے از سر نو حدیث کی بہت ساری کتابوں کا صرف اس نقطۂ نظر سے غائر مطالعہ کرنا شروع کیا کہ حالات و زمانہ کے حدیث پر اثر انداز ہونے کی احادیث کو اکٹھا کروں، چنانچہ بہت ساری نصوص جمع کیں۔ اس موضوع پر اور اس سے ملتے جلتے موضوعات پر کئی مقالے

لکھے(۱)، اور ایم اے کی کئی تھیسس لکھوائیں (۲)۔ اور علوم حدیث کی درایتی قسم میں ایک علم کا اضافہ کیا جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ لیکن میرے ان مقالوں میں ان حضرات کی تائید نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح کا نقد ہوتا ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ میں نے بیچ کی راہ اختیار کی ہے، اور اس کو دوسرے ائمہ کرام کے قول وفعل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو تصنیفات کے باب میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

ملیشیا کا عمومی کلچر:

ملیشیا جنوبی ایشیا کا ایک ابھرتا ہوا مسلم ملک ہے، اس نے ۱۹۵۷ء میں انگریزی سامراج سے آزادی حاصل کی۔ ۱۳؍ریاستوں پر مشتمل اس ملک کا دستور وفاقی پارلیمانی ہے اور وفاق کا مذہب اسلام ہے، لیکن دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہے۔ مسلم آبادی کا تناسب ۶۰ فیصد ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت سادہ دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، مسلم، ہندو، چائنیز، بدھسٹ اور کرسچین وغیرہ، اور خود مسلمانوں میں حنفی، شافعی اور سلفی وغیرہ، لیکن یہ سارے لوگ باہم شیر وشکر ہو کر رہتے ہیں۔ ان میں کبھی کسی قسم کا مذہبی یا مسلکی تصادم دیکھنے کو نہیں ملا۔ یہاں مختلف کلچر پائے جاتے ہیں۔ ملیشین کلچر، چائنیز کلچر، عرب کلچر، ہندو کلچر اور

---

(۱) البعد الزماني والمكاني وأثرهما في فهم السنة. والمنهج العلمي عند المحدثين في التعامل مع متون السنة. ومنهجية التعامل مع البعدين الزماني والمكاني في السنة عند المحدثين. وتوظيف السنة النبوية في ضوء الواقع المعاصر. والبعدان الزماني والمكاني في السنة والتعامل معهما: تأصيل وتطبيق۔

(۲) مثلا: رسالة الماجستير للأخت عبلة جواد عبد الرحيم الهرش بعنوان "أبعاد الزمان والمكان في السنة النبوية من واقع السنة "تحت إشرافي، ورسالة الماجستير للأخ عصام محمد أبو إسنيئة بعنوان "تغير الأحكام الفقهية بتغير الزمان والمكان معايير وضوابط "تحت إشراف الدكتور صبحي محمد جميل، ورسالة الماجستير للأخ سعيد بوهراوة بعنوان "البعد الزماني والمكاني وأثرهما في النص الشرعي الإطار المعرفي والمعيار "تحت إشراف الدكتور علي جنيد۔

بدھسٹ کلچر۔ کھانے پینے، لباس، شادی بیاہ، گھر اور باہر کی رہائشی بود وباش سب مختلف ہوتے ہیں۔

یونیورسٹی کے ہر شعبے میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ رہتی ہے۔ شروع شروع کی ایک مردم شماری کے مطابق ایک مرد پر ۱۵؍ عورتیں پڑتی تھیں۔ یونیورسٹی کی ہر کلاس میں لڑکیاں دو تہائی اور لڑکے ایک تہائی، اور کسی کسی کلاس میں لڑکوں کا تناسب ایک چوتھائی ہی ہوتا ہے۔ پورے ملک میں اور یونیورسٹیوں میں مسلم عورتیں مہذب لباس پہنتی ہیں، سر دوپٹے سے ڈھکا ہوا، اور چہرہ کھلا ہوا۔ یہ عام ماحول ہے، اور غیر مسلم عورتوں کے لباس تہذیب وحیا سے عاری ہی نہیں بلکہ اسلامی کلچر سے بیزاری نظر آتی ہے۔

کلاس کی صورتحال:

جب میں پہلے دن کلاس میں گیا تو مجھے بڑا عجیب سا لگا۔ کلاس روم کے ایک طرف لڑکے اور دوسری طرف لڑکیاں، سب کے چہرے کھلے ہوئے۔ اور ان کی عمریں ۲۰؍ سے ۲۵؍ سال۔ مشرقی تہذیب اور ماحول کا اثر تھا کہ پڑھاتے وقت میں لڑکیوں کی طرف نہیں دیکھتا تھا، مجھے شرم آتی تھی، مگر یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہیں چل سکا۔ اور مجھے ہر طرف دیکھ کر پڑھانا پڑا۔ لڑکیوں نے مجھ سے درخواست کی کہ سر! آپ صرف لڑکوں کی طرف رخ کر کے پڑھاتے ہیں، اور ہمیں بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ میں لڑکیوں کو پڑھانے کا عادی نہیں رہا ہوں، یہ اسی کا اثر ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد جب اس ماحول کا عادی ہو گیا تو رفتہ رفتہ وہ صورت حال ختم ہو گئی۔

پی ایچ ڈی کے بعد میری یہ پہلی ملازمت تھی۔ اس ملک کی سرکاری زبان ملایو اور انگلش تھی۔ میں صرف عربی اور اردو جانتا تھا، یونیورسٹی کی زبان انگلش اور عربی تھی۔ میں چونکہ انگلش نہیں جانتا تھا اور اب بھی وہی حال ہے، اس لئے مجھے ہمیشہ عربی زبان میں پڑھائے جانے والے کورسز ملے۔ یہاں کے طلبہ کی انگلش عربی سے اچھی ہوتی ہے، عربی میں یہ بے انتہا کمزور تھے اور آج بھی ہیں۔ جامعۃ الازہر اور اردن میں یہاں کے پڑھے

ہوئے لوگوں کی عربی زبان ایسی نہیں ہے جن پر خود انھیں اعتماد ہو، لیکن وہ پڑھتے اور سمجھتے ہیں، مگر عربی لکھنے، بولنے اور عربی عبارت پڑھنے میں بے حد کمزور ہیں۔ پڑھتے وقت ان کی اعرابی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ وہ نحو وصرف کے گرامر جانتے ہیں مگر پڑھتے وقت اس کی تطبیق نہیں کر پاتے۔ میں نے خارجی اوقات میں چند لڑکوں اور لڑکیوں کو اعراب پڑھانے کی کوشش کی اور انھیں بڑا اچھا فرق محسوس ہوا، لیکن ان طلباء نے عربی لکھنے، بولنے اور پڑھنے میں دوام نہیں رکھا تو وہ پھر بھول گئے۔

اس یونیورسٹی کے کلیات (فیکلٹیز) کچھ اس ڈھنگ سے رکھے گئے تھے کہ عصری علوم والے کلیات بھی خالص عصری علوم کے لئے نہ رہ جائیں، بلکہ ان میں بھی اسلامیات کی آمیزش رہے، چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر میرے کلیہ (اور یہ سب سے بڑا کلیہ ہے) کا نام ''كلية معارف الوحي والعلوم الإنسانية'' (Kulliah Of Revealed Knowlweledge& Human Sciences) ہے اور اس کے دو بڑے بڑے شعبے رکھے گئے۔ ایک شعبہ علوم انسانیہ کا جس میں تاریخ، سیاست، علم النفس، اجتماعیات، لسانیات رکھے گئے۔ اور دوسرا شعبہ علوم شریعہ کا جس میں اصول الدین ومقارنۃ الادیان، قرآن وسنت، فقہ واصول الفقہ اور عربی زبان وادب رکھے گئے۔ تاکہ یہاں پڑھنے اور پڑھانے والوں کے ذہنوں میں دین ودنیا کا امتزاج باقی رہے۔ کیونکہ اس یونیورسٹی کے موسسین نے یورپ اور امریکا میں دین کا دنیا سے اور دنیا کا دین سے انفصال دیکھا ہے، تو وہاں کی یونیورسٹیوں کے مقابلہ میں **منظمة مؤتمر العالم الاسلامی** کی جانب سے اس قسم کی دو یونیورسٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک ملیشیا میں قائم ہوئی، اور دوسری اسلام آباد پاکستان میں۔ یہ دونوں یونیورسٹیاں ابتداء میں چند ممالک کے خرچ سے چل رہی تھیں، وہ ممالک یہ ہیں: ملیشیا، سعودیہ، ترکی، پاکستان، مالدیپ اور بنگلہ دیش، مگر ایسا کچھ ہی سال چلا۔ پھر ملیشیا اور پاکستان اپنی اپنی ان یونیورسٹیوں کی خود کفالت کرنے لگے۔

ان یونیورسٹیوں کے محرک ملیشیا کے وزیر اعظم مآثر محمد تھے، اور ملیشیا کی یہ یونیورسٹی

۲۰رمئی ۱۹۸۳ء میں پٹالنگ جایا (PJ) میں قائم ہوئی۔اور ۲۰۰۱ء میں وہ گومبک ایریا میں اپنی نئی عمارت میں منتقل ہوئی۔

لیکن غالباً ۱۹۹۹ء میں اُن دونوں شعبوں میں پڑھائے جانے والے کورس الگ الگ ڈپارٹمنٹ میں تقسیم کردیئے گئے، پھر ہر ہر ڈپارٹمنٹ کے لئے نصابِ تعلیم مقرر کیا گیا۔ چنانچہ میں ڈپارٹمنٹ آف قرآن اینڈ سنت میں رکھا گیا۔ اس کے لئے پروفیسر ڈاکٹر عبدالقہار العانیؒ سے قرآن، اور مجھ سے حدیث کے لئے دس دس کورس منتخب کر کے ان کی تفصیلی آؤٹ لائن بنانے کے لئے کہا گیا، اس طرح ہر علم کا الگ الگ ڈپارٹمنٹ ہو گیا۔اور جب یونیورسٹی گومبک کیمپس میں آ گئی تو ایم اے اور پی ایچ ڈی کا بھی آغاز کر دیا گیا، ان دونوں کے کورس بھی ہم دونوں نے منتخب کئے اور ان کی آؤٹ لائن بنائی۔

ملیشیا کی اس یونیورسٹی کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس نے اب تک مجھے اپنے دامن میں سمیٹے رکھا، جبکہ میں صرف عربی میں پڑھا سکتا ہوں، انگریزی بالکل نہیں جانتا۔ انگلش سیکھنے کی کوشش کی مگر اس میں جی نہیں لگا۔ میرے بہت سے احباب نے انگلش سیکھنے میں کافی وقت لگایا۔ وہ کچھ کچھ سمجھ لیتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتے ہیں، مگر اس میں مہارت نہیں آئی، اور ان کی ترقیات موخر ہو گئیں۔ میں یکسو ہو کر عربی میں ہی اپنے آرٹیکلز اور بکس لکھتا رہا اور سب سے پہلے میں اسسٹنٹ سے ایسوسیٹ پروفیسر ہوا، پھر فل پروفیسر بنا، جبکہ وہ لوگ بہت دنوں کے بعد ایسوسیٹ بنے، دیکھیں کب فل پروفیسر بنتے ہیں۔

دنیا کی ساری عصری یونیورسٹیوں میں ہر سمسٹر کے آخر میں امتحان سے پہلے طلباء کو اپنے مدرسین کی تقییم (VALUATION) کرنی ہوتی ہے۔ ہماری یونیورسٹی میں بھی ہوتی تھی اور اب بھی ہوتی ہے۔ طلباء نے اب تک مجھے ۱۰۰ رنمبر میں سے ۹۰ اور ۱۰۰ کے درمیان نمبر دیئے ہیں، جو ممتاز مانا جاتا ہے۔

یونیورسٹیوں میں پڑھانے کا وہ طریقہ نہیں ہوتا جو درس نظامی کے مدارس میں ہوتا ہے، کہ طلباء واساتذہ کے سامنے کوئی داخلِ درس عربی کتاب ہوتی ہے۔ طالب علم سبق کی

عبارت پڑھتے ہیں اور استاذ اس کو اپنی زبان میں سمجھاتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں کتاب نہیں بلکہ کورس اور مضمون پڑھایا جاتا ہے، مثلاً **مصطلح الحدیث** پڑھانے کے لئے استاذ اپنے پاس سے نوٹس تیار کر کے لاتا ہے، اور وہ وہائٹ بورڈ کی مدد سے طلباء کے سامنے اپنا نوٹ پڑھ کر چلا جاتا ہے، اور طلباء کو ان مراجع کی نشاندہی کر دیتا ہے کہ انھیں یہ سبق کن کن کتابوں میں ملے گا۔

میں چونکہ درسِ نظامی اور جامعی دونوں طریقوں سے اچھی واقفیت رکھتا تھا، اس لئے میں دونوں طریقوں کے امتزاج اور آمیزش سے کورس پڑھاتا تھا، جس سے طلباء سبق کو اچھی طرح سمجھ جاتے اور میرے اس طریقے کو بہت سراہتے تھے۔

ہماری یونیورسٹی چونکہ عالمی اسلامی یونیورسٹی تھی اور ایک خوشحال ملک میں تھی، اس لئے دنیا کے گوشے گوشے سے اسلام پسند والدین اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو بلاخوف وخطر یہاں بھیجتے تھے اور وہ اپنی منشا کے مطابق تعلیم حاصل کر کے اپنے مستقبل کو سنوارنے لگتے، اس اعتبار سے یہاں کافی رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔

میری اکیڈمک ترقیاں:

ملیشیا کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بخیر وخوبی میرے شب وروز گزرنے لگے اور اللہ میاں نے مجھے قبول عام سے نوازا۔ میں بچپن سے محنتی تھا، جس کام میں لگ جاتا اسے پوری توجہ سے پورا کر کے ہی چھوڑتا، یہاں بھی اسی وطیرہ پر زندگی گزرتی رہی، جس کی وجہ سے یہاں کے افراد کی توجہ وعنایت مجھے حاصل ہوتی رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے کام اور اپنے اوصاف کی وجہ سے اپنی شناخت بناتا ہے اور مقبولیت حاصل کرتا ہے۔

ملیشیا میں آنے کے بعد مجھے اگر کوئی دقت ہوئی تو وہ صرف انگریزی زبان نہ جاننے کی تھی، میں نے اس کے حصول کی کوشش کی مگر اس میں جی نہ لگا جیسا کہ میں کہیں اسے لکھ بھی چکا ہوں۔ ملیشین زبان سیکھنے کی رغبت اس لئے نہ ہوئی کہ یونیورسٹی سے باہر کی دنیا سے میرا کوئی خاص رابطہ نہ تھا۔ انگریزی بس اس حد تک آ گئی کہ میں بازار، کلینک اور

دوسری روزمرہ کی ضروریات پوری کرلوں۔

مگر چونکہ حدیث میرا ''تخصصِ دقیق'' تھا جو کم لوگوں میں ہوتا ہے اور اس میں میری کئی اہم کتابیں اور مقالات تھے اس لئے یونیورسٹی کے ذمہ داران مجھے برداشت کرتے رہے اور آج بھی کررہے ہیں، اور طلباء تو حد درجہ قدر دانی اور محبت کا معاملہ پہلے بھی کرتے تھے اور اب بھی کررہے ہیں، **والحمدللّٰہ علیٰ ذلک**۔

اسوسیٹ پروفیسری:

ہر عصری یونیورسٹی کے اساتذہ کو ترقی دینے کا ایک سسٹم ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایک سسٹم تھا جو اَب ذرا مشکل کردیا گیا ہے۔ ۲۰۰۱ء میں صرف ایک کتاب اور دو مقالے جو ریفریڈ مجلّہ میں چھپے ہوئے ہوں اسوسیٹ پروفیسر بننے کے لئے کافی ہوتے تھے، مگر میں نے دو کتابیں (تخریج الحدیث اور علوم الحدیث) پیش کیں، اور ۵/مقالے۔ اس لئے مجھے ایک ہی دفعہ میں ۲۱/ مارچ ۲۰۰۱ء کو پروفیسر ڈاکٹر محمد کمال حسن (زید مجدہ) کے ایام ادارت میں اسوسیٹ پروفیسر بنادیا گیا۔

فل پروفیسری کی ترقی:

میں نے ۲۰۰۸ء میں فل پروفیسری کے لئے درخواست دی، اور ساتھ ہی ساتھ ۸/ کتابیں (**اتجاهات فی دراسات السنة، رحيق التفاسير اول، دوم، المرويات فی ليلة النصف من شعبان والتوسعة على العيال يوم عاشوراء فی ميزان النقد الحديثی، علامات الترقيم، الطريقة المسنونة للمصافحة بين الرجال، إعفاء اللحية بين النص والتطبيق**) اور ۱۳/مقالے پیش کئے، اور ایک ہی مرتبہ میں یکم/جنوری ۲۰۰۹ء میں فل پروفیسر بنادیا گیا، یہ ترقی پروفیسر داتو سری ڈاکٹر سید عربی عدید کے زمانۂ ادارت میں ہوئی۔

استاذ کرسی برائے جمل اللیل برائے سنت:

ملیشیا میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑی پذیرائی بخشی، ہر شخص احترام کی نظر سے مجھے

دیکھتا، اور میرے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے۔ میں یہاں محدث کے لقب سے جانا جاتا ہوں۔(یہ ان کا حسن ظن اور خوش گمانی ہے، ورنہ میں محدث کی میم کے بھی لائق نہیں ہوں)۔ یہاں پڑھاتے اور دیگر اکیڈمک کام کرتے ہوئے میں بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ چکا تھا یعنی ۶۵ر سال کا ہوگیا، اور اندیشہ تھا کہ اب کانٹریکٹ رینیول نہیں ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے پانچ سال کے لئے میرا رزق بڑھادیا اور پروفیسر تان سری داتو ذوالکفل عبدالرزاق کے زمانۂ ادارت میں مجھے پرلیس صوبہ کی طرف سے اس یونیورسٹی میں جمل اللیل برائے سنت کا چیئر ہولڈر بنادیا گیا۔ میری اس پوسٹ میں میرے شاگرد رشید ڈاکٹر محمد عصری مفتی پرلیس کا اہم کردار ہے۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ مجھ جیسا شخص جو انگریزی اور ملایو زبان سے بالکل نابلد ہے، چیئر ہولڈر بنایا جائے گا۔ ایک دن رات کے دس بجے ڈاکٹر محمد عصری مفتی پرلیس کا فون آیا کہ جامعہ اسلامیہ عالمیہ ملیشیا میں ایک چیئر کھولی جارہی ہے جس کا نام ہوگا ''کرسی جمل اللیل للسنة'' اور آپ کو پانچ سال کے لئے اس کا ہولڈر بنایا جائے گا، فطری طور پر مجھے بہت خوشی ہوئی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بن مانگے بلکہ بغیر وہم وگمان کے ملنے والی نعمت ہے، تو خوشی کیوں نہ ہوتی۔

اس کرسی کی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں اور بہت سارے پلان ہیں، جو یکے بعد دیگرے پانچ سال میں پورے کئے جائیں گے، ان شاء اللہ۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں میری علمی خدمات:

اس یونیورسٹی میں تقرری کے بعد جب میں ۵ر جولائی ۱۹۹۳ء سے باقاعدہ حدیث اور علوم حدیث کے ٹیچر کی حیثیت سے قبول کرلیا گیا، اور میں نے سرزمین ملیشیا پر قدم رکھ دیا تو ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی جیسے کہ مجھے میری منزل مل گئی ہو اور میری مانگی مراد پوری ہوگئی ہو۔ اس وقت یہ احساس ہوا کہ شاید جب میں نے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ سے رو رو کر جو فریاد کی تھی وہ قبول ہوگئی، لیکن اس قبولیت کے نتیجہ میں مجھے ایک بار پھر طالب علمی کی رداء اوڑھنی پڑی، اور نہ صرف اوڑھنی پڑی بلکہ اسے مختلف رنگوں

سے رنگنے اور اس میں انواع واقسام کے موتی جڑنے میں ۱۷ رسال لگ گئے۔ تب جا کر یہ دیہاتی وقصباتی ابواللیث مختلف علمی مراحل کو طے کرتے ہوئے دکتوراہ تک پہنچا اور ایک عصری یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر بننے کے قابل ہوا۔ میں اس پر ساری عمر سجدے میں سر رکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں تب بھی کم ہے۔ اور کوئی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا بھی کیسے کر سکتا ہے، چاہے کچھ بھی کرلے۔ اس لئے کہ اس کی نعمتیں اور احسانات تو ہر لمحے اور ہر آن موسلادھار بارش کی طرح برستے رہتے ہیں، بس میری زبان پر تو یہی دعا ہے جو زبانِ رسالت ﷺ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تلقین کی گئی: **أَللّٰهُمَّ أَعِنِّی عَلیٰ ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔**

اللہ تعالیٰ نے مجھے جتنی چاہت اور کوشش کے بعد اس نعمت سے نوازا تھا، میں نے بھی تہیہ کرلیا کہ اس نعمت کی قدر اور اللہ کا شکر ادا کرنے میں اپنی پوری قوت اور توانائی صرف کردوں گا، اور اس طرح کام کروں گا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ میں پڑھاتا تو تھا علوم الحدیث مثلاً، لیکن اس فن کی جتنی بھی کتابیں تھیں (قدیم وجدید) سب کا مطالعہ کرتا تھا، اور ان میں جو نئی بات پاتا تھا اسے اپنے نوٹ بک میں لکھ لیتا تھا۔ اور ایسا میں حقیقت میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے زمانے سے کرتا رہا تھا، جس کے نتیجہ میں میرے پاس تخریج حدیث اور علوم حدیث میں بہت سے نئے مباحث دریافت ہوئے جو اِن دونوں علم کی دیگر کتابوں میں نہیں ملیں گے، میں نے ان کے قدیم مباحث میں بھی جدت پیدا کی اور نئے مباحث کا اضافہ کر کے دو کتابیں لکھ دیں۔ "**تخريج الحديث نشأته ومنهجيته**" اور "**علوم الحديث أصيلها ومعاصرها**"۔

یہ دونوں کتابیں پچھلے لکھے ہوئے مسائل کا اعادہ نہیں ہیں بلکہ اس میں نئے مباحث الگ ہیں، اور قدیم کو بھی نئے پیراہن میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں کتابیں یہاں ملیشیا کی کئی یونیورسٹیوں میں داخل درس ہیں۔ اسی طرح انڈیا کے بعض مدارس اور عرب ممالک کی بعض یونیورسٹیوں میں بھی داخل درس ہیں۔

قرآن وسنت ڈپارٹمنٹ میں تعلیم کے تینوں مراحل کے کورسیز کا انتخاب:

یونیورسٹی کی طرف سے مجھے قرآن وسنت ڈپارٹمنٹ کے تینوں مراحل کے لئے کورسز کے انتخاب کی ذمہ داری سونپی گئی، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بکالویورس کے حدیثی کورسیز:

علوم الحديث ، قراءة نصية من كتب الحديث التسعة ، معايير نقد الحديث، و تدوين السنة ، تخريج الحديث ، الجرح والتعديل ، الإعجاز في السنة ، اتجاهات معاصرة في دراسات السنة۔

۲۔ ماجستر کے حدیثی کورسیز:

قراءة نصية من كتب الحديث الستة ، قضايامعاصرة في دراسات السنة ، ومناهج المحدثين۔

۳۔ دکتوراہ کے حدیثی کورسیز:

الوضع في الحديث ، علوم دراية المتن ، دراسة مقارنة بين شروح الأحاديث المشكلة۔

ان سارے کورسز کا انتخاب کر کے میں نے ان کی آؤٹ لائن بنائی، اور میں نے ان سب کو یکے بعد دیگرے پڑھایا۔ ان میں سے اکثر اب بھی معمولی تبدیلی وترمیم کے ساتھ باقی ہیں۔

ان کورسز میں میری خاص دلچسپی کے کورس یہ ہیں:

علوم الحديث،تخريج الحديث،قراءة نصية ،(بکالوریوس اور ماجستر) **دراسة مقارنة بين شروح الأحاديث المشكلة**(پی ایچ ڈی)۔

یونیورسٹی کی طرف سے ایوارڈ:

اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ونصرت اور توفیق ہمیشہ اوپر سایہ فگن رہی ہے، باوجودیکہ میں انگریزی زبان سے یکسر ناواقف ہوں، لیکن یونیورسٹی کے طلباء اور ذمہ داروں نے میری

حد درجہ قدردانی اور توقیر کی۔ ۲۸؍سالہ تعلیمی ریکارڈ میں طلباء نے کبھی مجھے ۹۰ سے کم نمبر نہیں دیئے، یونیورسٹی میں یہ اصول ہے کہ ہر سمسٹر کے بعد طلباء اساتذہ کی تدریس اور کارکردگی کے بارے میں نمبر دیتے ہیں کہ کس کی کارکردگی ان کے نزدیک کیسی ہے، تو اس طرح مجھے ۱۰۰ میں سے ہمیشہ ۹۰ سے اوپر ہی نمبر ملے۔ اسی بنیاد پر کئی سمسٹروں میں میرے نمبر کلیہ لیول پر سب سے زیادہ رہے تو یونیورسٹی نے مجھے درج ذیل سالوں میں ''افضل مدرس'' کا ایوارڈ دیا:

۱۔ کلیہ لیول پر دوسرے سمسٹر میں ۲۰۰۴ء۔۲۰۰۵ء

۲۔ کلیہ لیول پر دوسرے سمسٹر میں ۲۰۰۵ء۔۲۰۰۶ء

۳۔ کلیہ لیول پر پہلے سمسٹر میں ۲۰۰۹ء۔۲۰۱۰ء

۴۔ یونیورسٹی نے ۳۰؍افضل باحثین ایوارڈ سے نوازا ۲۰۲۰ء

ممبرشپ یا رکنیت:

اسی طرح ہماری یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں اور اداروں نے مجھے اپنا ممبر بنایا، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ۲۰۰۲ء سے اب تک (۲۰۲۱ء) مجھے ڈپارٹمنٹ کی دراسات علیا کمیٹی کا چیرمین اور کبھی ممبر منتخب کیا جاتا رہا ہے۔

۲۔ ۲۰۰۴ء۔۲۰۰۵ء، جامعہ کی طرف سے مجھے دراسات علیا کا ایڈوائزر منتخب کیا گیا۔

۳۔ ۲۰۰۶ء۔۲۰۱۰ء، کلیہ کی طرف سے ہمارے ڈپارٹمنٹ کی مناہج کمیٹی کا ممبر چنا گیا۔

۴۔ ۲۰۰۸ء۔۲۰۱۰ء، کلیہ کی طرف سے ہمارے ڈپارٹمنٹ کی بحوث کمیٹی کا ممبر چنا گیا۔

۵۔ ۱۰/۸؍۲۰۰۹ء میں مجھے حدیث انسٹی ٹیوٹ سلانگور کے مجلّہ بحوث الحدیث الشریف کی کمیٹی کا ممبر بنایا گیا۔

۶۔ ۱۰/۲۵؍۲۰۱۱ء سے ۱۰/۲۵؍۲۰۱۳ء مجھے دبئی کی ''کلیة الدراسات الإسلامية والعربية'' کی طرف سے چھٹی مسابقاتی کانفرنس کا ممبر منتخب کیا گیا، جس کے لئے مجھے تین بار دبئی کا سفر کرنا پڑا، جس کی تفصیل اسفار کے باب میں آرہی ہے۔

۷۔ ہمارے کلیہ کی دراسات علیا کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔

۸۔ ۲۰۱۴ء۔۲۰۱۵ء میں ہماری کلیہ کی اسلامائزیشن آف نالج کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔

۹۔ ۲۰۱۱ء سے تاحال سلطان شریف علی اسلامی یونیورسٹی برونائی کے مجلّہ کا مشیر بنایا گیا۔

۱۰۔ ۲۶/جنوری سے ۳۱/جنوری ۲۰۱۳ء میں کویت یونیورسٹی کی شریعۃ فیکلٹی کے ماسٹر اور پی ایچ ڈی پروگرام کے لئے منتخب کورسز کا مجھے اکیڈمک مشیر منتخب کیا گیا، اور میں نے انھیں تاریخوں میں اس سلسلہ میں کویت کا سفر کیا، جس کا ذکر آ چکا ہے۔

۱۱۔ ۱/اپریل ۲۰۱۳ء سے ۳۱/ مارچ ۲۰۱۵ء تک مجھے یونیورسٹی ملایا کی دراسات اسلامیہ اکیڈمی کی طرف سے نکلنے والے مجلّہ ''البصیرۃ'' کے اڈیٹوریل بورڈ کا ممبر بنایا گیا۔

۱۲۔ ۲۰۱۳/۶/۲۵ء سے ۲۰۱۳/۷/۸ء تک مجھے تعلیم الاسلام انسٹی ٹیوٹ شکاگو امریکا کا اکیڈمی مشیر منتخب کیا گیا، اور میں نے وہاں کا سفر بھی کیا۔

۱۳۔ ۲۰۱۳ء سے تاحال مجھے دارالعلوم وقف کی حجۃ الاسلام اکیڈمی کا مشیر منتخب کیا گیا۔

۱۴۔ ۲۰۱۳ء سے تاحال مجھے دارالعلوم وقف دیوبند کی شوریٰ کا ممبر منتخب کیا گیا۔

دوسری یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی ترقیاں:

یونیورسٹیوں میں تدریسی عملے اور دیگر علمی کام کرنے والوں کو ترقی دینے کا ضابطہ یہ ہے کہ دنیا کی مختلف یونیورسٹی سے چند پروفیسرز اور فن کے ماہرین کا ایک پینل بنا دیا جاتا ہے جو اس استاذ کے مقالات اور کتابوں کو دیکھ کر اپنی رائے دیتا ہے کہ ان کو ترقی دی جائے یا نہ دی جائے، اگر اکثریت کی رائے ترقی دینے کی ہوتی ہے تو یونیورسٹی ترقی دے دیتی ہے۔ پروفیسر ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے جہاں بہت ساری نعمتوں اور اعزاز سے نوازا، اس میں سے ایک اعزاز یہ بھی تھا کہ مختلف یونیورسٹی میں تدریسی اور علمی کام کرنے والے ڈاکٹرز حضرات کی ترقی سے متعلق لیٹرس آنے لگے۔ ان میں سے جن حضرات کے نام میرے ریکارڈ میں محفوظ رہ گئے ہیں ان کا ذکر یہاں کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

۱۔ ڈاکٹر سعید نزال وندی العنزی: یہ سعودی عرب کے ''جامعۃ الامیر سطام بن

عبدالعزیز ،الخرج ''میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔انھوں نے اسوسیٹ پروفیسر سے فل پروفیسر بنائے جانے کی درخواست دی تھی، ان کے کام کو دیکھ کر میں نے انھیں ۲۰۱۶/۲/۲۷ء میں فل پروفیسر بنائے جانے کی سفارش کی۔

۲۔ ڈاکٹر نورۃ بنت عبداللہ الغملاس: یہ بھی ''جامعة الامير سطام بن عبدالعزيز الخرج ''میں تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔انھوں نے اسٹنٹ پروفیسر سے اسوسیٹ پروفیسر بنائے جانے کی درخواست دی تھی۔ان کے علمی وتدریسی کاموں کو دیکھ کر ان کی بھی ۲۰۱۹/۷/۱۶ء میں ترقی کی سفارش کی۔

۳۔ ڈاکٹر فیصل بن احمد شاہ: یہ ملیشین ہیں اور میرے بڑے اچھے دوست بھی ہیں۔ یہ ملایا یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔انھوں نے بھی اسسنٹ پروفیسر سے اسوسیٹ پروفیسر بنائے جانے کی درخواست دی تھی۔ان کے علمی وتدریسی کام میرے پاس آئے، جو قابل تعریف تھے، اس لئے میں نے ۲رمئی ۲۰۱۷ء کو انھیں ترقی دینے کی سفارش کی۔

۴۔ ڈاکٹر عادل عبدالشکور عباسی زرقی: یہ ملک سعود یونیورسٹی ریاض میں بحثیت استاذ مشارک کام کررہے تھے، پھر انھوں نے فل پروفیسری کے لئے درخواست دی۔ان کی عمدہ کارکردگی اور بہترین مقالات کو دیکھ کر میں نے ۲۰۱۷/۱۰/۱۶ء میں ترقی کی سفارش کی۔

۵۔ ڈاکٹر سعد فجعان الدوسری: یہ کویت یونیورسٹی میں بحثیت معید کام کررہے تھے، انھوں نے معید سے اسٹنٹ پروفیسر کے لئے ترقی کی درخواست دی۔ان کے مقالے دیکھ کر میں نے ۲۰۱۹/۶/۱۰ء میں ان کی ترقی کی سفارش کی۔

۶۔ ڈاکٹر عزالدین حسن جمیل: یہ کردستان العراق کی زاخو یونیورسٹی کے ہیومن سائنس فیکلٹی میں کام کررہے تھے،اور استاذ مشارک سے استاذ (اسوسیٹ پروفیسر سے فل پروفیسر) کی درخواست دی تھی۔ان کے علمی کاموں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یہ ترقی کے مستحق ہیں، اس لئے ۲۰۱۹/۲/۲۱ء میں ان کی ترقی کی سفارش کی۔

نواں باب

میری اولادیں

بچے اوران کی تعلیم وتربیت:

میں جب بسلسلۂ تعلیم حیات العلوم مرادآباد میں تھا تو میرے چچا ظہیر الدین صاحب.....جو مجھ سے دوسال بڑے تھے.....کی شادی طے ہوگئی۔ ابا وغیرہ نے کفایت کے پیش نظر سوچا کہ ابواللیث کا نکاح تو ہوہی چکا ہے، اسی میں اس کی بیوی کی رخصتی بھی کرالیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے خط لکھ کر مجھ سے بقرعید پر گھر آنے کو کہا اور اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ والد کا حکم تھا، انکار کا کوئی سوال ہی نہ تھا، میں بقرعید کی چھٹی میں گھر آ گیا، اور ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ [اپریل ۱۹۶۶ء] میں اہلیہ رخصت ہوکر خیرآباد آ گئیں، اور مدرسہ کی چھٹی ختم ہونے کے بعد میں مرادآباد چلا گیا۔

اس کے بعد کے سارے مراحل کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، یہاں صرف اپنے بچوں کی ولادت اوران کی تعلیم وتربیت کے بارے میں کچھ بیان کرنا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ۱۹۶۶ء اور ۱۹۸۷ء کے درمیان مجھے سات بچوں سے نوازا، جن میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، ان میں سے پہلے چار کی پیدائش انڈیا میں ہوئی، اور آخری تین کی مکہ مکرمہ میں۔ یہ بچے بچپن میں ہی میرے پاس مکہ مکرمہ آ گئے تھے اور میرے ساتھ رہتے رہے۔ ان کی تعلیم وتربیت میں نے اور اہلیہ نے اچھے اعمال کی مثال بن کر اور گھر کے اسلامی ماحول کو قائم رکھ کر کیا، ماں باپ کا اپنے بچوں کے ساتھ رہنا خود ہی اپنے آپ میں ایک تربیت ہے۔ بچہ اپنے والدین کو شب وروز دیکھتا ہے، وہ کیا کرتے ہیں یہ بھی دیکھتا ہے، اور غیر شعوری طور پر اس کے اثرات کو قبول کرتا رہتا ہے، اوران کے عادات

واطوار کو سیکھتا ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ فجر کی اذان پر والدین اُٹھ جاتے ہیں، وضو کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ پھر بچوں کو اٹھاتے ہیں، انھیں نماز کے لئے کہتے ہیں۔ پھر بچے اسکول چلے جاتے ہیں، باپ اپنے کام پر چلا جاتا ہے، اور ماں گھر کے کام کاج میں لگ جاتی ہے۔ تو بچہ ان تمام چیزوں سے تربیت حاصل کرتا ہے۔ ماں باپ کا بچوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا، ان سے محبت اور ادب سے پیش آنا، ان کے بہتر مستقبل کی فکر کرنا، یہ تاثر دیتا ہے کہ ہماری پرواہ کرنے والا کوئی ہے جس سے بچوں کے دل میں تحفظ اور ذمے داری کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ بچوں کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں اور غلطیوں کو نظر انداز کرنا اور عفو ودرگزر سے کام لینا، ان پر شفقت کرنا، پیار سے سمجھانا، والدین کی تربیت کا ایک اہم اور مرکزی حصہ ہے، جو بچوں کی ذہنی وفکری بلندی میں ایک بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور ان کے اندر ایک طرح کی خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔

میری اولادوں کی تفصیل بالترتیب یہ ہے:

۱۔ ابوطلحہ مسعود:

میں مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں مدرس تھا، تدریس کے دوسرے سال فروری ۱۹۷۲ء میں اس کی ولادت ہوئی۔ یہ بچپن میں بڑا حسین اور خوبصورت تھا، اسے نظر بہت لگتی تھی، باہر کوئی لے کر جاتا اور واپس آتا تو اسے نظر لگی ہوئی ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ میرے دادا کی دعا کی برکت سے اسے اچھا کر دیتے تھے۔

وہ خیرآباد کے مدرسہ منبع العلوم میں پرائمری پڑھتا تھا، اسی اثناء میں اپنی امی اور بھائی بہنوں کے ساتھ ۲۷ر دسمبر ۱۹۸۲ء (۱۳ر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ) کو وہ مکہ مکرمہ میرے پاس آ گیا، اور اس نے وہاں ابتدائیہ اور متوسطہ پاس کیا، تب تک میرا دکتوراہ مکمل ہو گیا اور سارے بچوں کو گھر انڈیا بھیجنا پڑا۔ چونکہ وہ شادی کے قابل ہو گیا تھا اس لئے اسی سال والد صاحب سے کہہ کر ۱۹۹۲ء میں اس کی شادی کرادی، اس کی شادی حاجی محمد ایوب چچا کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر جمیل صاحب (مرحوم) کی بیٹی سے ہوئی۔ میرے ملیشیا جانے کے بعد

کچھ دنوں تک وہ مکہ مکرمہ میں اپنے چچا ابوالخیر سلّمہٗ کے ساتھ رہا، پھر یکے بعد دیگرے دونوں خیرآباد واپس آگئے، اور یہ ہمارے بازار والے گھر میں دادا، دادی اور چچا چچی کے ساتھ رہنے لگا۔

اب ابوطلحہ ناجو پٹی (کلنڈر خیرآباد) کے جس مکان میں ہے، وہ مکان میرے والد مرحوم کی نگرانی میں بن ہی رہا تھا کہ ۱۸؍شعبان ۱۴۱۹ھ (۲۷؍نومبر ۱۹۹۹ء) کو ان کا ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوگیا، اس کے بعد ابوطلحہ کی نگرانی میں وہ مکمل ہوا۔

ابوطلحہ کی سات اولادیں ہیں:

وفا تبسم، صفا تبسم، (یہ پیدا ہوتے ہی انتقال کرگئی)۔ عبدالمحسن، محمد ثامر، محمد ثاقب، صفا تبسم، فرحہ تبسم، محمد ادیب۔ یہ سب انڈیا میں رہ رہے ہیں۔

ابوطلحہ اور سعدیہ میری سب سے بڑی اولاد ہونے کی وجہ سے زیادہ پڑھ نہیں پائے، جس کا مجھے بڑا افسوس ہے، لیکن اگر وہ دونوں بھی بہت پڑھ لکھ لئے ہوتے تو اور بچوں کی طرح وہ بھی کہیں دور اپنی جاب پر ہوتے، تو خیرآباد میں کون رہتا، اس لئے وہ دونوں میرے وہ سرمایہ ہیں جنھیں زندگی کے کسی بھی پڑاؤ پر بھلایا نہیں جاسکتا۔ انھیں دونوں سے میرا گھر میرا گھر ہے، خیرآباد، خیرآباد ہے، اور میرا انڈیا، انڈیا ہے۔ ابوطلحہ خیرآباد کی پراپرٹی اور کاروبار کی دیکھ بھال کرتا ہے، اور جب میں کام کرتے کرتے تھک جاؤں گا تو اپنے اسی گھونسلے میں آکر پناہ لوں گا جو میرا اپنا وطن ہے، میرے آباء واجداد کی سرزمین ہے، جس میں میری لامتناہی یادوں کی خوشبو رچی بسی ہے، یہاں کی ہر چیز کی دیکھ ریکھ میرا سب سے بڑا بیٹا ابوطلحہ مسعود کررہا ہے۔ میرے اندر اپنے وطن کی کشش بے پناہ ہے، میری یہی آرزو ہے کہ میرا جسم میرے آباء واجداد کی سرزمین کی امانت بنے۔

۲۔ سعدیہ عائشہ:

یہ بھی مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے زمانۂ قیام میں مئی ۱۹۷۴ء کو خیرآباد میں میرے پرانے گھر میں (جس میں ظہیرالدین چچا کے بچے رہتے ہیں) پیدا ہوئی۔ سعدیہ بھی مکہ مکرمہ

کے ملاوی محلّہ میں ''مدرسة البنات التاسعة'' سے ابتدائیہ اور متوسطہ مکمل کر کے انڈیا آ گئی، اس کی شادی ۱۹۹۲ء میں میرے سالے انیس احمد مرحوم کے اکلوتے فرزند محمد احمد (نواده) سے ہوئی، جو حج کرنے کے بعد اب حاجی محمد احمد سے مشہور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسے فہم وشعور، حسن سیرت، حسن انتظام، حسن اخلاق اور جذبۂ خدمت کی دولت سے خوب بہرہ ور کیا ہے، گھر، خاندان، عزیز، رشتہ دار سب کے حقوق کا پورا خیال رکھتی ہے، اپنے بہن بھائیوں کا خیال اپنی اولادوں کی طرح رکھتی ہے، اسی لئے وہ سب اس کے وجود میں شفقتِ مادری کا عکس دیکھتے ہیں، اور انڈیا آنے کے بعد اسی کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ خانگی وضعداری میں طاق ہے، جب کوئی کام اس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے تو اس کی سلیقہ مندی کی وجہ سے دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب یہ حسب منشا پورا ہو جائے گا، اور ماشاءاللہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اسے خوش وخرم رکھیں۔

یہ اپنی مرحومہ ماں کی بالکل عکس جمیل ہے، حتیٰ کہ میرے قریبی احباب کا بھی بیحد احترام اور خیال رکھتی ہے۔ میرے انتہائی قریبی دوست بلکہ لنگوٹیا یار مولانا فضل حق صاحب سے جب کبھی سعدیہ کا تذکرہ آ جاتا ہے تو صرف بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہیں کہ ''کاش مجھے بھی اللہ نے ایسی ہی بیٹی دی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں عافیت کے ساتھ اضافہ فرمائے، نیک اعمال کی توفیق ارزانی سے نوازے۔ (آمین ثم آمین)

اس وقت ماشاءاللہ اس کے چھ بچے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

حنا تبسم۔ ندا فردوس۔ نورین فاطمہ۔ فائز محسن۔ فہد محسن۔ نازنین۔ یہ سب انڈیا میں ہیں۔ صرف فہد ملیشیا میں اپنی خالہ رضیہ کے ساتھ رہ کر اس کے بچوں کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔

۳۔ رضیہ عائشہ:

رضیہ عائشہ ۲۲/اپریل ۱۹۷۸ء کو خیرآباد بازار والے گھر میں پیدا ہوئی۔ یہ جب اپنی امی کے ساتھ ۱۹۸۲ء میں مکہ آئی تو چھوٹی ہونے کی وجہ سے ایک سال بعد اس کی بہن سعدیہ والے اسکول میں اس کا داخلہ کرایا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں امی کے ساتھ انڈیا واپسی کے

وقت یہ متوسطہ کے پہلے سال میں تھی۔

میں جب ۱۹۹۳ء میں ملیشیا آ گیا تو یہ ۹/اگست ۱۹۹۳ء کو اپنی امی اور بھائی بہنوں کے ساتھ ملیشیا آ گئی۔ ملیشیا میں سعودی ایمبیسی کی طرف سے عربی میڈیم میں اسکول چلتا تھا، اس میں اس نے متوسطہ کا ایک سال پورا کیا، اس کے آگے کی کلاسیں اس میں نہ ہونے کی وجہ سے ثانویہ لیبیا کے اسکول کے تحت گھر پر رہ کر مکمل کرنا پڑا۔ پھر وہ اور اس کی سب سے چھوٹی بہن سہام دونوں اپنی بھابھی کے پاس ۲۱/ستمبر ۱۹۹۴ء میں انڈیا چلی گئیں، کہ انھیں دنوں صفا (مرحومہ) کی ولادت کے دن قریب تھے۔ پھر رضیہ انڈیا میں ہی رہی، اس دوران اس نے ۵/سال منبع العلوم کے شعبہ نسواں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۳۱/مارچ ۲۰۰۲ء کو مولوی عبداللہ خالد (نوادہ) کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی۔ رضیہ کی ایک بچی: رحاب عبداللہ اور ایک بچہ حسن عبداللہ ہیں، سب اس وقت ملیشیا میں ہیں اور پڑھ رہے ہیں۔

رضیہ میری وہ اسٹرونگ لڑکی ہے جو ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک اپنے شوہر، اور بچوں کے لئے جد جہد کرتی ہوئی پائی گئی ہے۔ چنانچہ اس کا شغل اس وقت سے شروع ہوا جب وہ سہام کے ساتھ اپنی دوسری بھتیجی صفا مرحومہ کی پیدائش پر خیرآباد گئی تھی، وہ وہاں رہتے ہوئے مدرسہ نسواں میں پڑھاتی رہی، پھر شادی کے بعد اسے اور اس کے شوہر دونوں کو معاش فردا کی فکر میں شغل کرتے ہوئے پایا۔ مولانا پڑھاتے تھے اور وہ گھر میں سلائی وغیرہ کرتی رہی، پھر دونوں ملیشیا آئے مولانا پڑھتے اور کام بھی کرتے رہے، اور رضیہ یہاں بھی سلائی کر کے چار پیسہ کما کر بچوں کی ضروریات پورا کرتی رہی، حالات نے پھر اسے اپنے بچوں سمیت انڈیا واپس بھیج دیا، اور پھر وہ گھر پر سلائی کرتی، اور مولانا یہاں ایک بک اسٹال پر ملازمت کرتے، اور پیسے بھیجتے، پھر اللہ نے دستگیری کی اور وہ اپنے دونوں بچوں اور اپنے بھانجے فہد محسن کے ساتھ ملیشیا آ گئی، تاکہ یہ سب بچے اچھی تعلیم حاصل کر سکیں۔ ہم نے اسے ہمیشہ حالات زندگی سے جدوجہد کرتے ہوئے ہی پایا، اس وقت یہ یہاں بی اے کے آخری دو سال مکمل کر رہی ہے، اللہ تعالی اس بے انتہا نیک صفت بچی کو خوب خوب

نوازے، اور اسے اور اس کے بچوں کو کسی چیز کی کمی نہ ہو۔

۴۔ ابو سلمہ حمود:

ابو سلمہ ۲۹ رمئی ۱۹۸۲ء میں پیدا ہوا، اور چند ماہ کی عمر میں اپنی ماں کے ساتھ مکہ آ گیا۔ مکہ مکرمہ کے ملاوی محلّہ میں واقع مدرسہ حراء میں ابتدائیہ پاس کر کے اپنی امی اور بھائی بہنوں کے ساتھ انڈیا واپس گیا۔ ۹ راگست ۱۹۹۳ء کو اپنی امی کے ساتھ ملیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور آ گیا، اور سعودی ایمبیسی کے تحت چلنے والے اسکول میں متوسطہ پاس کیا۔ پھر میرے سارے بچے ابو سلمہ، سعاد، سہام اور عبدالعزیز سعودی اسکول سے ہماری یونیورسٹی کے چند ذمہ داران کے قائم کردہ ''انٹرنیشنل اسلامک اسکول ملیشیا'' (IISM) میں منتقل ہو گئے۔ سعودی اسکول میں پڑھنے کی وجہ سے ان کی عربی زبان کے ساتھ ان کی دینی تعلیم بھی پختہ ہو گئی تھی۔ جب وہ سب اس اسکول میں آئے تو اس کا میڈیم انگلش تھا، اس لئے بچوں کو انگلش سیکھنی پڑی۔ چند مہینوں میں چاروں نے انگلش سیکھ لی، اب ان کے پاس چار زبانیں ہو گئیں: عربی، انگلش (یہ دونوں ان کی مادری زبان کی طرح ہو گئیں) اردو اور ملیشین زبان (یہ دونوں بولنے کی حد تک تھیں)۔

میرے سارے ہی بچے غضب کے ذہین تھے، اور ابو سلمہ خاص طور سے۔ سب اپنی کلاس میں ٹاپ آتے تھے اور اپنے ٹیچروں کے منظورِ نظر تھے۔ ابو سلمہ نے جب اے لیـــول میں ٹاپ کیا تو امریکا کے نیوجرسی شہر کی ایک یونیورسٹی سے آفر آئی کہ تم اگر ہماری یونیورسٹی میں پڑھنا چاہو تو ہم تم سے فیس نہیں لیں گے، باقی اپنے رہنے سہنے اور کھانے کا انتظام تمہیں خود کرنا ہوگا۔ ابو سلمہ ہماری یونیورسٹی کے کلیۃ الاقتصاد کے پہلے سال کے دو سمسٹر مکمل کر چکا تھا۔ میں نے اپنے دوسرے بچوں اور ان کے نانا سے مشورہ لیا، سب نے کہا کہ یہ گولڈن چانس ہے تم اسے امریکا جانے کی اجازت دیدو۔ میں نے اور اس کی امی نے استخارہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہاں کا اشارہ پا کر ہم نے اس کے امریکا جانے کا فیصلہ کر لیا اور وہاں سے ویزا آ گیا۔ اب احباب نے مشورے دینے شروع کئے کہ ابو سلمہ وہاں

جا کر بہک نہ جائے۔

میں نے بہت غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اس کی شادی کر دی جائے اور اس کے بعد بھیجا جائے۔ چنانچہ میں نے لوگوں اور اپنی بچیوں سے رائے لی تو بچیوں نے ہمارے دوست ڈاکٹر منذر الخالدی اور ڈاکٹر فریال الخالدی کی بیٹی منار الخالدی کی نشاندہی کی، جو اصلاً فلسطینی ہیں ان کے بچے اور فیملی مستقل امریکا میں رہائش پذیر ہیں۔ ڈاکٹر فریال میرے بچوں کے اسکول میں پرنسپل تھیں اور یہ لوگ کبھی کبھی ہمارے گھر آتے جاتے تھے۔ جب میری بچیوں نے منار کی نشاندہی کی تو مجھے لگا جیسے یہ سب مجھ سے آسمان سے چاند توڑنے کو کہہ رہی ہیں۔ کہاں میں ایک معمولی انڈین اور کہاں وہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے خاندان کے فلسطینی عرب، اور اس پر سے امریکی شہری! مجھے توقع نہیں تھی کہ ایسا ہوسکتا ہے، لیکن بچیوں نے زور دیا کہ اس کا ہاتھ مانگنے میں حرج ہی کیا ہے، نتیجہ زیادہ سے زیادہ انکار کی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ بہر حال ہمت کر کے ہم میاں بیوی دونوں ان کے گھر گئے، اور اپنا مدعا سنایا، تو تھوڑے سے توقف کے بعد وہ لوگ گویا ہوئے کہ ابوسلمہ کو ہم لوگ بڑی اچھی طرح جانتے ہیں، وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ ہم دو تین دن کی مہلت چاہتے ہیں اس کے بعد جواب دیں گے، دو تین دن کے بعد انھوں نے ہاں میں جواب دیا۔

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ تھا، طے ہوا کہ نکاح ابھی کر دیتے ہیں، رخصتی عید بعد ہو جائے گی۔ مگر جب نکاح ہو گیا تو پھر عید بعد رخصتی کا انتظار کیسا؟ رمضان میں ہی رخصتی ہوگئی اور وہ دونوں خوش وخرم رہنے لگے، اور اس شادی کے بعد امریکا کا ویزا مزید آسانی سے مل گیا، اور وہ سب ۲۹ / جون ۲۰۰۱ء مطابق ۶ / جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ کو امریکا چلے گئے، اور اس نے وہاں کی رتجرز یونیورسٹی نیوارک (Rutgers University Newark) سے اقتصاد میں بکالوریوس (بی اے) کیا، اور پھر فلوریڈا کی یونیورسٹی آف سنٹرل فلوریڈا (University of Central Florida) سے محاسبہ میں ایم اے کیا۔ اور الحمد للہ اس وقت اچھی ملازمت کر رہا ہے، اور منار وہیں سے دکتوراہ (PH.D) کر کے ایک

اسلامک پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل ہے۔

ابوسلمہ نے وہیں اورلینڈو میں رہ کر دیگر مصروفیات کے ساتھ قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ رمضان ۱۴۴۱ھ (۲۰۲۰ء) میں حفظ مکمل کرلیا، جس کی مسرت میں دل کی گہرائیوں میں محسوس کررہا ہوں، باری تعالیٰ اسے بہترین اور باعمل حافظ قرآن بنائیں۔ وہ وہاں اپنی ملازمت کے ساتھ دس بچوں کو قرآن شریف پڑھاتا ہے۔ ابوسلمہ انتہائی رحمدل، ماں باپ، بھائیوں اور بہنوں کا خیال رکھنے والا لڑکا ہے، مجھے اس پر خاص طور سے ناز ہے۔

اس وقت اس کے دو بچے ہیں: نَدیٰ ابوسلمہ حمود انصاری، یہ ۱۹؍سال کی ہے اور ڈاکٹری پڑھ رہی ہے۔ اور زکریا ابوسلمہ حمود انصاری، یہ ۱۰؍سال کا ہے، ابھی ابتدائیہ میں ہے۔ یہ سب امریکن نیشنل ہیں اور فلوریڈا صوبہ کے شہر اورلینڈو میں رہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں ہر شر سے محفوظ رکھے۔

۵۔سعاد:

سعاد کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ۱۵؍اپریل ۱۹۸۴ء میں ہوئی، اور ۸؍سال کی عمر تک وہاں رہی، اپنی پرائمری تعلیم کے پہلے دوسال مکمل کئے۔ اپنی امی اور میرے سارے بچوں کے ساتھ یہ بھی ۱۹۹۳ء میں ملیشیا آئی۔ سعودی ایمبیسی کے اسکول میں پڑھتی رہی، پھر ہماری یونیورسٹی کے انٹرنیشنل اسکول سے بی اے سے پہلے کی ساری تعلیم مکمل کرکے یہیں آسٹریلیا کی مونیش یونیورسٹی (Monash University) سے ۲۰۰۸ء میں بی کام کیا، اور ۲۲؍اکتوبر ۲۰۰۹ء میں ہم نے ابوظبی میں ملازمت کرنے والے ایک نوجوان تیمور سے اس کی شادی کردی۔ اب یہ دونوں آئرلینڈ میں مقیم ہیں اور وہاں کے نیشنل ہیں۔ سعاد کے دو بچے ہیں، دونوں ہی بڑے کیوٹ ہیں۔ فارس ۹؍سال، حارس ۶؍سال۔ سعاد اس وقت آئرلینڈ کی ایک سرکاری یونیورسٹی میں ملازمت کرتی ہے، اور ایک ''اقراء اسلامی اسکول'' میں بچوں کو عربی میں اسلامیات اور قرآن پڑھاتی ہے۔ انتہائی زیرک، معاملہ فہم، اپنے

بچوں کی بہترین مربی اور بڑے نفیس ذوق کی مالک ہے۔

٦۔سہام:

سہام کی پیدائش بھی مکہ مکرمہ میں ۴رنومبر ۱۹۸۵ء کو ہوئی، اور وہ بھی اپنی امی کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں ملیشیا آئی، اور سعودی ایمبیسی کے اسکول میں پڑھتی رہی، ۲۱رستمبر ۱۹۹۴ء کو اپنی بڑی بہن رضیہ کے ساتھ انڈیا چلی گئی، پھر ۲۰رستمبر ۲۰۰۲ء میں واپس ہمارے پاس ملیشیا آئی، اور اپنی پڑھائی مکمل کی، اور ابوسلمہ کی بیوی کی طلب پر اس کے چھوٹے بھائی ہمام الخالدی سے ہم نے ۲۷رستمبر ۲۰۰۳ء میں صرف اس کا نکاح کردیا اور ۲۰۰۴ء میں وہ امریکا گئی اور ابوسلمہ کے گھر سے اس کی رخصتی ہوئی۔

سہام نے وہاں رہ کر ثانویہ پاس کیا، اور بی اے کے دو سال پڑھے، اسی دوران اس کی بڑی بیٹی مریم الخالدی پیدا ہوئی، پھر لیان الخالدی پیدا ہوئی۔ الحمد للہ سب بخیر وعافیت ہیں اور امریکن نیشنل ہیں۔

اللہ تعالیٰ میرے سارے بچوں اور بچیوں کو خیر وعافیت کے ساتھ رکھے اور انھیں خوب ترقیات سے نوازے، اور نیک وصالح بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

۷۔عبدالعزیز

عبدالعزیز میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے، یہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں۔ اپنی امی کے ساتھ جب یہ ملیشیا آیا تو چھ سال کا تھا، اس لئے دیگر بھائی بہنوں کے ساتھ سعودی اسکول میں پڑھنے لگا، اور پھر انٹرنیشنل اسلامک اسکول ملیشیا سے اے لیول تک تعلیم حاصل کی۔ پھر اس نے ہماری ہی یونیورسٹی کی (Faculty Of Mechanical Engineering) انجینئرنگ فیکلٹی سے (Aerospace) ایرواسپیس میں بی اے کیا، اور اس وقت وہ انڈونیشیا میں ۲۰۱۷ء سے تاحال ''ملینیا ورلڈ اسکول'' (Millennia Ward School Since) میں میکر اسپیس اور کوڈنگ (Maker Space & Coding) پڑھا رہا ہے۔ یہ بھی چار زبانیں جانتا ہے: عربی، انگلش، اردو اور انڈونیشین۔

اس کی بیوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے ہے۔ یہ دونوں اس وقت انڈونیشیا میں اپنے دو بچوں عدنان عزیز (۵؍سال) اور عالیہ عزیز (۳؍سال) کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہر ابتلاء و آزمائش سے بچائے اور نیک و صالح بنائے۔ آمین

ایک ناقابل انکار حقیقت:

میرے بچوں کے اجمالی حالات قارئین نے ملاحظہ کر لئے۔ انسان کا رزق اس کو پوری قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچتا ہے، پڑھنے کے بعد جس کو جہاں ملازمت ملی وہاں وہ اپنے بال بچوں کے ساتھ چلا گیا۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ملک کے باہر ہیں، اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی انڈیا میں ہیں۔ یہ ان بچوں کی قسمت تھی، جن کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

ویسے عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ جس شخص کے بچے پڑھ لکھ کر کسی لائق ہو جاتے ہیں تو عموماً ملازمت ان کو وطن کے باہر لے جاتی ہے، کبھی اندرونِ ملک تو کبھی بیرونِ ملک، اس طرح وہ اپنے والدین واعزا سے دور ہو جاتے ہیں اور خاص خاص موقعوں پر ہی یکجا ہوتے ہیں۔ اور جو بچے نہیں لکھ پڑھ پاتے وہ عموماً گھر ہی پر رہ کر کسی کاروبار یا صنعت سے منسلک ہو جاتے ہیں، بلکہ اب تو ناخواندہ یا کم پڑھے لکھے بچے بھی تلاش معاش میں بکثرت وطن سے باہر جا کر کام کرتے ہیں، مگر پڑھے لکھے بچوں میں یہ بات زیادہ پائی جاتی ہے۔ خود ہمارے گاؤں میں ایسی سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی۔

اس تجزیہ سے یہ پتہ چلا کہ ناخواندہ اولاد ماں باپ کے ساتھ رہی اور جو کچھ اس سے ہو سکا، یا جتنا تعلق اسے والدین سے رہا، یا جیسی اسے توفیق ملی اس نے گھر کے کاروبار میں ماں باپ کا ہاتھ بٹایا، ان کا تعاون کیا اور ان کی خدمت کی۔ لیکن پڑھی لکھی اولاد کے بارے میں کم ہی ایسا دیکھا گیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہی ہو، جہاں اسے ملازمت ملی وہاں اپنے بچوں کے ساتھ چلی گئی۔ اگر اس کو توفیق ملی تو گاہے بگاہے والدین کی زیارت اور ان سے ملاقات کر لی، اور زبانی خیریت دریافت کر لی۔ آمدنی معقول ہے تو اس کا کچھ حصہ ان کے لئے بھیج دیا ورنہ اکثریت اپنے بچوں کے ساتھ مگن ہے۔

میں ابتداءً پڑھائی کے سلسلے میں چار سال باہر رہا، اس کے بعد تدریسی سلسلہ میں بھی گاؤں سے باہر ہی رہا، مگر زیادہ تر بچے میرے والد کی سرپرستی میں گھر پر ہی رہے۔ پھر مدینہ میں میرا گریجویشن کا دور شروع ہوا، اس کے ابتدائی پانچ چھ سال بچے گھر ہی پر رہے، کیونکہ آمدنی انھیں اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ دورانِ تعلیم ہی جب آمدنی کچھ بڑھی اور یہ یقین ہو چلا کہ اب بچوں کو اپنے ساتھ رکھا جاسکتا ہے، تو انھیں اپنے پاس بلا لیا، تب سے اس وقت تک وہ میرے ساتھ ہی رہے، جب تک کہ وہ خود اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوگئے، جب وہ اس لائق ہوگئے تو جہاں ملازمت ملی وہاں چلے گئے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں درست موقف کیا ہے؟ اگر اولاد تعلیم حاصل کر کے کچھ بن گئی تو والدین سے دور ہو جائے گی، اور اگر ناخواندہ رہی تو والدین کے ساتھ یا ان کی نگاہوں کے سامنے تو رہے گی، لیکن اس رہنے سے والدین کو کوئی خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا ہے، بلکہ ساتھ رہنے میں اکثر اختلاف اور لڑائی جھگڑے کے بعد علیٰحدگی کی نوبت آجاتی ہے، یعنی گاؤں گھر میں رہتے ہوئے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ لیکن گاؤں کے ماحول میں پہلے زیادہ اور اب کم، لیکن ہوتا اب بھی یہ ہے کہ والدین کو اس سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے کہ لڑکے کام کریں، آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنیں اور ان کے ساتھ ان کے ماتحت بن کر رہیں، لیکن اس میں آگے چل کر نتیجہ بہت اچھا نہیں نکلتا۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں ان کی ایک اہمیت وحیثیت ہوتی ہے اور وہ ملازمت کی وجہ سے والدین سے دور رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

یہ دو ایسی ناقابل انکار حقیقتیں ہیں جن کا مشاہدہ ہم بکثرت کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر ہم شریعت کا موقف جاننا چاہیں تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کی اچھی تربیت کریں، انھیں علم کی دولت سے مالا مال کریں۔ اور بچوں پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کریں، ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں، ان سے اُف تک نہ کریں۔ اس سلسلہ میں ساتھ رہنے نہ رہنے کی کوئی بات نہیں کی گئی ہے، بلکہ شریعت میں

ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بچے جب بڑے ہوجائیں تو والدین ان کی شادی کردیں اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائیں، اور پھر وہ اپنی دنیا آپ بسائیں۔ ان کا اپنا کاروبار ہو، اپنی ملکیت ہو، اپنا گھر ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ان کا فرض ہے کہ وہ ممکنہ حد تک والدین کی دیکھ ریکھ اور ان کی خدمت کریں۔ یہ خدمت چاہے انھیں اپنے ساتھ رکھ کر ہو یا جیسے بھی ممکن ہو، اور انھیں اس بات کا احساس نہ ہونے دیں کہ وہ صاحب اولاد ہوتے ہوئے بھی صاحب اولاد نہیں ہیں۔

اکثر لوگ مجھے اور میری زندگی کو دیکھ کر رشک بھرے سوالات کرتے ہیں کہ مولانا! آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ آپ بھی کام پر ہیں اور آپ کے بچے بھی پڑھ لکھ کر اطمینان بخش ملازمت پر ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ نہ خود اپنے پاس اچھا کام ہے، نہ اولاد ہی لکھی پڑھی ہے، آپ واقعی قابل رشک ہیں۔ تو میں انھیں مزید تجزیئے اور کچھ مثالیں دے کر یہ بات سمجھاتا ہوں کہ دونوں چیزیں (یعنی اولاد کا تعلیم یافتہ ہونا اور والدین کے ساتھ رہنا) کسی میں بہت کم جمع ہوتی ہیں۔ دونوں کے اگر کچھ فوائد ہیں تو کچھ نقصانات بھی ہیں۔ مثلاً تعلیم یافتہ ہونے کی صورت میں اس کی روزی روٹی تو اچھی ہے مگر آپ سے دور ہے، اور اگر تعلیم یافتہ نہیں ہے تو وہ آپ کے ساتھ ضرور ہے مگر آمدنی اور ذرائع معاش اطمینان بخش نہیں ہیں۔ مزید برآں بھائیوں کے باہمی اختلاف سے تنگ آکر وہ الگ ہوجاتے ہیں اور والدین کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات تو ایسے دردناک اور انسانیت سوز واقعات بھی رونما ہوجاتے ہیں کہ باپ سے گھر جائیداد اپنے نام کرواکے اسے دوسروں کے یہاں مرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں، یا یہ کہ ان کو بالکل ہی نظر انداز کردیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں عتابِ الٰہی کے مستحق بنتے ہیں۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مجھ پر زندگی کے ہر دور میں میرے کریم رب کا ہمیشہ خاص فضل رہا، اور میں اس باب میں بھی خوش قسمت ہوں۔ جب تک بچے چھوٹے تھے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری میری تھی، جب تعلیم یافتہ ہوگئے اور اپنی تعلیم کے لحاظ سے جہاں کام ملا

وہاں چلے گئے تو ہمیشہ اس طرح رابطہ میں رہے جیسے میرے پاس ہی ہوں، اور وہ نہ صرف میرا بلکہ اپنے ان بھائیوں بہنوں کا بھی مستقل خیال رکھتے ہیں جو انڈیا میں ہیں۔

میرے جو بچے انڈیا میں ہیں، ابوطلحہ اور سعد یہ ان کا بھی وہاں رہنا انتہائی ضروری ہے، مجھے اپنے وطن سے بے پناہ محبت اور لگاؤ ہے، سال بھر ہوتے ہوتے طبیعت بے قرار ہوجاتی ہے کہ کس طرح وطن پہنچوں، تو میں ملیشیا سے انڈیا جاتا تو کہاں رہتا، کس کی پناہ میں رہتا؟ اسی طرح ان کے وہ بہن بھائی جو باہر ہیں، ان کو وطن کی محبت کھینچ کر انڈیا لاتی تو وہ کہاں جاتے، کس کے پاس رہتے؟ یہ سب قدرت کا کرشمہ کہہ لیجئے یا اس کا حسنِ انتظام کہ اس نے ہم سب کو ایسا بنایا کہ سب ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اور ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔

ہاں یہ بات کہ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنا، یہ درحقیقت ماں باپ کی تربیت کا ایک حصہ ہے، بچے ماں باپ کو جیسا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں ویسا کرتے ہیں۔ اگر باپ نے اپنے ماں باپ اور بھائی بہنوں کا ٹھیک سے خیال رکھا اور ان کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کا معاملہ کیا تو اس کے بچے اس کا اور اپنے بھائی بہنوں کا خیال رکھیں گے۔ اگر اس کے برعکس والدین اور بھائی بہنوں کے ساتھ بد خلقی اور بے احترامی کا رویہ دیکھیں گے تو وہ بھی اسی نقش قدم پر چلیں گے، اور ویسا ہی سلوک کریں گے۔ ''**کما تدین تدان**'' جیسا کروگے ویسا بھروگے، مسلّمات میں سے ہے۔

دسواں باب

تصنیفات وتالیفات

ایک عالم کی زندگی میں اس کی تصنیفات ومقالات کو وہی مقام حاصل ہے جو ایک مرد وعورت کی زندگی میں اس کی اپنی اولاد کا۔ لاولد انسان کو بانجھ کہا جاتا ہے، جو انسان کی زندگی کا ایک منفی پہلو ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک عالم کے ہاتھ سے لکھی ہوئی کوئی کتاب نہ ہو، کوئی مضمون یا مقالہ نہ ہو تو وہ علمی طور پر بانجھ ہے۔ اس کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ نہیں گزرتا کہ اس کی یادیں ذہن وحافظہ سے محو ہونے لگتی ہیں۔ ایک طالب علم اپنے استاذ یا استاذ کے استاذ کو تو جانتا ہے، لیکن اوپر کے لوگوں کے بارے میں عموماً علم نہیں ہوتا کہ ان کو کس نے پڑھایا۔ لیکن صاحب تصانیف علماء کا حال یہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کی کتابوں کی بدولت ان کا نام علمی دنیا میں اسی طرح لیا جاتا ہے جیسے ان کی حیات میں۔

قلم وقرطاس سے شغف اور تصنیف وتالیف میرا پرانا شوق تھا۔ عربی درجات میں قدم رکھتے ہی میں اردو سے عربی اور عربی سے اردو میں ترجمہ کیا کرتا تھا، دارالعلوم دیوبند جانے کے بعد میرے اس شوق کو ایک مہمیز لگ گئی، اور چھوٹے موٹے مقالے لکھنے لگا۔ النادی الادبی میں باقاعدہ شرکت کی وجہ سے یہ ذوق وشوق روز افزوں ترقی کرتا گیا، اس پر سے مولانا وحید الزماں صاحبؒ کی سرپرستی اور مولانا ابوبکر غازی پوریؒ ومولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی مدظلہ کا ساتھ، مزید چند دیواری پرچوں کی ادارت وکتابت نے میرے اس شوق کو ایک حیاتِ نو دے دی۔

لیکن دارالعلوم سے فراغت کے بعد تدریس کی خارزار وادی اور رزق معاش کی بھول بھلیوں میں ایسا الجھا کہ اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ صرف اتنا رہا کہ مدرسۃ الاصلاح

سرائمیر میں طلباء کو عربی انشاء سکھاتا تھا، اور جو عربی اخبارات ورسائل وہاں بھولے بھٹکے آتے تھے، انھیں دیمک کی طرح چاٹ جاتا تھا، اس لئے عربی کا ذوق باقی رہا۔

رب کریم کی مہربانی اور نصیبہ کی یاوری نے بغیر کسی سان وگمان کے مجھے بحیثیت طالب علم مدینہ یونیورسٹی پہنچادیا، پھر کیا تھا، میں عربی زبان کے گڑھ میں پہنچ گیا۔ جہاں سب کچھ عربی زبان میں ہی ہورہا تھا، تعلیم بھی عربی میں ہورہی ہے، گفتگو بھی عربی میں ہورہی ہے، مقالات ومضامین بھی عربی میں لکھے جارہے ہیں۔ وہاں بحثی مسابقات ہوتے تھے، اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور میری بحثوں کو پہلا انعام ملا۔ ان سب سے آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ملا۔

ان ساری ابتدائی جد وجہد نے مکہ مکرمہ کی ام القریٰ یونیورسٹی سے ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کرنے میں کافی مدد کی، اس لئے کہ تعلیم کے ان دونوں مرحلوں میں پوری ایک کتاب لکھنی ہوتی ہے جسے (رسالہ، تھیسس) کہا جاتا ہے۔ اگر انسان پہلے سے ٹرینڈ نہ ہوتو وہ ایک حرف نہیں لکھ سکتا، اور تھیسس کا لکھنا اختیاری نہیں ہوتا۔ اسے لکھنا ہی ہے، اسی پر آپ کو ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری ملے گی۔ اور جب بغرض تدریس انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا آگیا تو تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ میری تدریسی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا۔ اور اس طرح میرے ہاتھوں ۱۲/۱۳/ سے زائد کتابوں کی تالیف ہوگئی، اسی طرح پچاس کے قریب میرے مقالات ہوگئے جو تحکیم شدہ مجلّات میں چھپے۔

اس باب میں اس کتاب کے قارئین کو اپنی ان کتابوں اور مقالات سے روشناس کرانا چاہوں گا، اور ان کا مختصر تعارف بھی کراؤں گا تاکہ قارئین ان کے مندرجات سے واقف ہوسکیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) ''أسس النظام المالي والاقتصادي في القرآن'' (قرآن میں مالی اور اقتصادی نظام کے بنیادی اصول) یہ میری سب سے پہلی کتاب ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ دراصل یہ ایک مختصر سی بحث ہے جو مدینہ یونیورسٹی کے چوتھے سال کے

بحثی مقابلہ میں انعامِ اول کی مستحق قرار پائی۔اس کو رابطہ عالم اسلامی نے اپنے سلسلۂ دعوۃ الحق کے عدد ۱۹ میں ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔

قرآن پاک تو کتابِ ہدایت ہے، کوئی مالی یا اقتصادی کتاب تو ہے نہیں کہ اس میں مال واقتصاد سے متعلق ہر چھوٹی بڑی چیز کا ذکر ہو۔ وہ ایک دستوری کتاب ہے اس لئے اس میں مال واقتصاد سے متعلق جو اصولی اور دستوری آیات تھیں، میں نے ان کو یکجا کر کے انھیں ذیلی عناوین میں تقسیم کر دیا ہے۔ جیسے مال کا مکروہ چہرہ ،مال ایک فتنہ اور ساتھ چھوڑ دینے والی متاع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے مالداری شرط نہیں ہے۔ حد سے زیادہ مال مذموم شے ہے۔ مال کی کثرت پر اترانا اور اس پر متکبرانہ خوشی کا اظہار قابل مذمت ہے۔ مال شر کب بن جاتا ہے۔ مال کا خوبصورت چہرہ جیسے کہ اس سے دُنیوی زندگی کی بقا ہے۔قرآن میں مال کا کثرت سے ذکر۔ اللہ نے مال کو اپنا مال کہا ہے۔ مال اللہ کا فضل اور رزق ہے۔ مال دنیوی زندگی کی زینت ہے۔قرآن نے مال کو خیر کا نام دیا ہے۔قرآن میں مال کو انسان کی اپنی ذات اور اس کی اولاد سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔غرض کہ مال کے سلسلہ میں وارد مثبت و منفی تمام آیات کو یکجا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس کے بنیادی اور اساسی مباحث یہ ہیں:

۱۔قرآن میں اقتصاد کے متعلق عقائدی اصول: جیسے دنیا میں پائی جانے والی ہر دولت اللہ کی ہے، اس سے فائدہ اٹھانے میں اور اس کا درست استعمال کرنے میں انسان اللہ کا خلیفہ ہے۔ مال بنیادی مقصد نہیں بلکہ ایک وسیلہ ہے۔

۲۔قرآن میں اقتصاد سے متعلق عام اصول: جیسے ہر فرد کی ملکیت کا احترام اور اس کی حفاظت۔ ہر فرد کو کام کی آزادی۔ ہر شخص کا اپنی عقلی و کسبی صلاحیت میں یکساں نہ ہونا۔ مال پر کسی کی اجارہ داری کا نہ ہونا، اسی لئے کبھی ایک شخص مالدار ہوتا تو کبھی دوسرا۔اقتصادی اعتبار سے سوسائٹی میں توازن برقرار رکھنا۔

۳۔قرآن میں اقتصاد کے مقاصد واہداف: جیسے ہر انسان کی خوشحالی، ہر انسان کا

خود کفیل ہونا۔ بندگانِ خدا کو فائدہ پہنچانا۔

۴۔قرآن میں کسب مال کے جائز اور حلال طریقے

۵۔قرآن میں کسب مال کے ناجائز اور حرام طریقے

۶۔مال و دولت کی تفریق کے مثبت اصول

۷۔مال و دولت کی تفریق کے منفی اصول

۸۔افراد و حکومت کے ذریعہ مال کی حفاظت

۹۔قرآن میں باہمی تعاون کے وہ اصول جن پر افراد و معاشرہ دونوں عمل کریں

۱۰۔قرآن میں حکومت کی ذمہ داری

ان تمام موضوعات پر کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ میں اپنے مشاغل کی وجہ سے اپنی کسی کتاب کے اردو ترجمہ کی جانب توجہ نہ کرسکا، کاش اس کے اردو ترجمہ کی کوئی صورت بن جاتی تو اس کا افادہ عام ہو جاتا۔

(۲) ’’تخریج الحدیث نشأته و منهجيته‘‘

یہ علم حدیث کے ایک تطبیقی (پریکٹکل) فن کی کتاب ہے۔اس کے ذریعہ کسی بھی عربی داں کو آسانی سے دو چیزیں مل جائیں گی۔ پہلی یہ کہ وہ بآسانی جان سکتا ہے کہ حدیث کی کس کتاب میں فلاں حدیث ہے، اور اس میں وہ کس مقام پر ہوسکتی ہے۔ دوسری چیز اس کے ذریعہ اس کو کسی بھی حدیث کا درجہ کہ وہ صحیح ہے، حَسَن ہے، ضعیف ہے یا موضوع ہے، معلوم کرنا آسان ہو جائے گا۔ پہلی چیز کے لئے میں نے چھ طریقے ذکر کئے ہیں:

(۱) کسی بھی حدیث کے مشکل یا اہم الفاظ کے ذریعہ۔ یہ طریقہ حدیث کی ان کتابوں میں حدیث تلاش کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا جن کی ترتیب مشکل اور اہم الفاظ پر دی گئی ہو، (یہاں میں نے ان کتابوں کے نام ذکر کئے ہیں اور مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے)۔

۲۔ احادیث کے پہلے الفاظ کے ذریعہ: یہ طریقہ حدیث کی ان کتابوں میں حدیث

تلاش کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا جنھیں احادیث کے پہلے الفاظ پر ترتیب دیا گیا ہو، (یہاں ان تمام کتابوں کے نام ذکر کئے ہیں)۔

۳۔ صحابہ کرام یا تابعین کے ناموں کے ذریعہ: یہ طریقہ حدیث کی ان کتابوں میں حدیث تلاش کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا جو صحابہ یا تابعین کے نام پر ترتیب دی گئی ہوں، (یہاں میں نے ان تمام کتابوں کا ذکر کیا ہے)۔

۴۔ حدیث کے فقہی اور علمی موضوع کے ذریعہ: یہ طریقہ حدیث کی ان کتابوں میں حدیث تلاش کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا جو فقہی یا علمی ابواب پر ترتیب دی گئی ہوں، (یہاں میں نے اس قسم کی بہت ساری کتابوں کا ذکر کیا ہے)۔

۵۔ حدیث کی سند یا متن میں کچھ واضح یا مخفی صفات کے ذریعہ: سند میں واضح صفات کا مطلب یہ ہے کہ سند کو صرف دیکھ کر پتہ لگ جاتا ہے کہ اس میں کون سی صفت پائی جاتی ہے، جیسے اس کا قدسی ہونا، یا اس کا مسلسل ہونا، یا اس میں کسی راوی کا مبہم ہونا، یا اس میں ''فلانٌ عن أبيه عن جده'' کا ہونا۔ ان سب سندی صفات میں مستقل کتابیں ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ سند میں مخفی صفات کا مطلب یہ ہے کہ سند کو صرف دیکھ کر ان صفات کا پتہ نہیں چلتا، بلکہ ان کا پتہ لگانے کے لئے کچھ جدو جہد کرنے پڑے گی، جیسے سند کا مرسل ہونا، یا ایک ہی شیخ کے دو شاگردوں کی عمروں میں طویل فاصلہ کا ہونا، یا کئی راویوں کا ایک ہی نام، لقب، اور نسبت کا ہونا۔ ان میں بھی کئی کتابوں کا میں نے ذکر کیا ہے۔ متن میں واضح صفات جیسے حدیث کا پہلا لفظ ''أول. مَثَل''ہو، یا حدیث کسی آیت کی تفسیر ہو۔ ان تینوں میں بہت ساری کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ متن میں مخفی صفات جیسے متن حدیث کا متواتر، یا مشہور ہونا۔ ان میں کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ مخفی صفات کا سند و متن دونوں میں ہونا جیسے حدیث کا معلول ہونا، ضعیف یا موضوع ہونا۔ اس میں بھی بہت ساری کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔ استقراء و تتبع کے ذریعہ یعنی پوری کتاب غور سے پڑھ کر حدیث کو تلاش کرنے کا طریقہ۔ یہ طریقہ ان کتابوں میں حدیث کو تلاش کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا جن

میں حدیث ذکر کرنے کی کوئی سابقہ ترتیب نہیں ہے، اس میں بھی میں نے بہت ساری کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

دوسری چیز جو میں نے اس میں بیان کی ہے وہ کسی بھی حدیث کا درجہ ومرتبہ جاننے کا طریقہ۔اس کی میں نے دو قسمیں کی ہیں:

۱۔ پہلی قسم ان احادیث پر مشتمل ہے جن کا مرتبہ معلوم ہے، پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک ان احادیث کی جو کسی ایسی کتاب میں پائی جائیں جن کے مصنفین نے ان میں صرف صحیح احادیث کے ذکر کرنے کا التزام کیا ہے، تو کسی حدیث کا ان کتابوں میں مذکور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحیح ہیں، جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ۔دوسری وہ احادیث جو کسی ایسی کتاب میں پائی جائیں جن کے مصنفین نے ان کی روایت کے بعد ان کا مرتبہ بھی بتادیا ہو، جیسے سنن ترمذی، منذری کی ترغیب وترہیب وغیرہ۔

۲۔ دوسری قسم ان احادیث کی ہے جن کا درجہ کسی امام نے ذکر نہیں کیا ہے، یا ہمیں معلوم نہیں ہے، تو اس طرح کی احادیث پر صحت، حسن، یا ضعف کا حکم لگانے کا طریقہ بتایا ہے۔

اسی طرح اس کتاب میں جرح وتعدیل کے بعض ضروری مسائل کا بھی ذکر ہے۔

اسی طرح اس کتاب میں ان کتابوں کا تفصیلی ذکر ہے جن میں رُواۃِ حدیث کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔جیسے صحابہ پر کتابیں، ثقہ راویوں پر کتابیں، ضعیف راویوں پر کتابیں، ثقہ اور ضعیف دونوں پر کتابیں وغیرہ۔

(۳) ”علوم الحديث أصيلها ومعاصرها“

میں نے اس کتاب کو تین ابواب پر تقسیم کیا ہے، اور ہر باب میں کئی کئی فصلیں ہیں، جن کا مختصر سا تعارف درج ذیل ہے:

باب اول: علوم روایۃ الحدیث (علوم روایۃ حدیث کا انٹروڈکشن)، اس میں نو فصلیں ہیں۔

فصل اول: علوم حدیث کے مبادیات۔ فصل دوم: علوم حدیث کی اہمیت اور نشو ونما فصل سوم: حدیث وعلوم حدیث کی بنیادی اصطلاحات۔ فصل چہارم: تشریع ومعرفت میں حدیث کا مقام ومرتبہ۔ فصل پنجم: حدیث کا قرآن سے تعلق۔ فصل ششم: صدور وسطور میں حدیث کا حفظ۔ فصل ہفتم: روایت وراوی۔ فصل ہشتم: تاریخِ رُواۃِ حدیث۔ فصل نہم: صحابہ وتابعین کا ذکر۔

باب دوم: علوم روایۃ حدیث (وہ علوم جن کا تعلق حدیث کے ثبوت سے ہے)، اس میں تین فصلیں ہیں:

فصل اول: حدیث کی مختلف اعتبار سے تقسیم۔ پہلا اعتبار: حدیث کس سے صادر ہوئی، (اللہ سے تو قدسی، نبی سے مرفوع، صحابی سے موقوف اور تابعی ومابعدہ سے مقطوع) دوسرا اعتبار: حدیث کہاں سے صادر ہوئی (منہ سے تو قولی، فعل سے فعلی، سکوت سے تقریری، اخلاق سے خُلُقی، خلقت سے خِلقی) تیسرا اعتبار: رُواۃ کی کثرت وقلت: (تین سے زیادہ ہیں اور ان کی خبر پر یقین حاصل ہوگیا تو متواتر، تین یا اس سے کم ہیں تو آحاد، ان میں اگر صحابہ کے طبقہ میں یا کسی طبقہ میں ایک راوی ہو تو غریب، کسی ایک طبقہ میں صرف دو ہوں اور باقی میں دو سے زیادہ تو عزیز، کسی ایک طبقہ میں تین اور باقی میں زیادہ ہوں تو مشہور۔ چوتھا اعتبار: خبر واحد کی قوت وضعف (قوت میں: صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔ ضعف میں: حدیث کی تمام ضعیف ومردود قسمیں)۔

فصل دوم: حدیث حسن اور حدیث ضعیف کو تقویت پہنچانے کے طریقے

فصل سوم: بعد کے زمانوں میں حدیث پر صحیح یا ضعیف کا حکم لگانا کیسا ہے؟

باب سوم: علوم درایۃ الحدیث (وہ علوم جن کا حدیث کو سمجھنے سے تعلق ہے): اس میں پانچ فصلیں ہیں:

پہلی فصل: حدیث کے مشکل الفاظ کی شرح۔ دوسری فصل: نسخ حدیث، تیسری فصل: اسباب حدیث۔ چوتھی فصل: متعارض اور مشکل احادیث۔ پانچویں فصل: حدیث میں

حالات وزمانہ کی رعایت۔

(۴) ''اتجاھات فی دراسات السنة قدیمھا وحدیثھا''

سنت کے بارے میں قدیم وجدید نظریات)اس کتاب میں سنت سے میری مراد وہ احادیث ہیں جن سے شریعت کے پانچوں احکام (واجب، مستحب، مباح، حرام، اورمکروہ) میں سے کوئی ایک ثابت ہوتا ہو، اور اس میں نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک جو نظریات پائے گئے ہیں سب کا مختصراً ذکر ہے، اور جن نظریات پر رد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اس پر رد بھی کیا گیا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں درج ذیل نظریات وآراء کا ذکر ہے:

۱۔ جمہور علماء امت کا نظریہ:

امت اسلامیہ کے جمہور علماء وعوام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سنت حجت ہے۔ اس سے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، حلال وحرام سب ثابت ہوتے ہیں، سنت اِن سب میں حجت ہے۔ اور پھر سنت کے حجت ہونے پر قرآن وحدیث، اجماع وعقل سے استدلال کیا گیا ہے۔ یہی وہ واحد نظریہ ہے جو صحیح اور اخلاص پر مبنی ہے، اسی کی اتباع میں ہم سب کی نجات ہے۔ باقی سارے نظریات کسی نہ کسی اعتبار سے اس کے مخالف ہیں اور ان کی اتباع میں سوائے گمراہی کے کچھ بھی نہیں ہے۔

۲۔ وہ نظریات جو سنت کے بارے میں منفی رائے رکھتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے کسی موقعہ پر پیشن گوئی کی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ خوشحال انسان مسند کا ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور کہہ رہا ہوگا کہ صرف قرآن پر عمل کرو۔ اس میں جو حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو (یعنی تمہیں سنت میں حلال وحرام کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو آپ نے اس کے عندیہ کو بھانپ لینے کے بعد فرمایا:) کہ میری تحریم بھی اللہ کی تحریم ہی جیسی ہے۔ گدھا کھانا تمہارے لئے حلال نہیں ہے، نہ ہی چیڑ پھاڑ کر کھانے والے درندہ جانور، اور نہ ہی کسی ذمی کا گمشدہ مال کسی کو ہاتھ لگ جائے، اور اگر کوئی مسلمان کسی کے یہاں مہمان بن کر جائے تو اس کی میزبانی ضروری ہے، اور اگر اس

کی میز بانی نہیں کی اوراس کی کوئی چیز چوری ہوگئی یا ضائع ہوگئی تو اس میز بان کو اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔

آپ ﷺ کی اس پیشن گوئی کے پیش نظر صحابہ کرام کے زمانے میں ہی انکار حدیث کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ اور امام شافعی (م: ۲۰۴ھ) کے زمانہ میں باقاعدہ ایک شخص نے ان سے مناظرہ بھی کیا تھا۔ وہ امام شافعی کے جواب سے چپ تو ہو گیا، لیکن یہ نظریہ اور رجحان چپکے چپکے پروان چڑھتا رہا، اور جب خوارج کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے بعض ثابت حدیثوں کا انکار کیا، اور یہ چیز شیعوں اور معتزلہ کے زمانہ میں اور منظّم ہوگئی، اور پھر تو فرقہ قرآنیہ پیدا ہوا اور اس نے سرے سے ساری حدیثوں کا انکار کر دیا، اور مستشرقین نے اسے مزید ہوا دی۔ پھر اہل سنت والجماعت میں کچھ لوگوں نے سنت کی دو قسمیں کر دیں۔ سنت تشریعی (احکام والی) اور غیر تشریعی۔ سنت سے ان کی مراد وہی سنت ہے جو جمہور کے نزدیک شریعت کی دوسری اصل ہے۔ اگر وہ حدیث کی یہ دونوں قسمیں کیے ہوتے تو کوئی حرج نہیں تھا، کیونکہ حدیث کا اطلاق تو ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کا تعلق نبی کریم ﷺ کی ذات سے ہو، چاہے وہ بعثت کے پہلے کی ہو یا بعثت کے بعد کی۔ آپ کے جسم کی توصیف سے متعلق ہو یا آپ کے قول وفعل وتقریر واخلاق سے ہو۔ کیونکہ بعثت سے پہلے کے آپ کے حالات اور آپ کے جسم سے متعلق تخلیقی صفات سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، وہ تشریعی حیثیت نہیں رکھتے۔

پھر مزید ایک فرقہ پیدا ہوا جس نے سنت اور حجیت سنت کے معنیٰ ہی بدل دیئے۔ یہ فرقہ اسلامائزیشن آف نالج والوں کا ہے، اور یہ اِسی زمانے کا پیدا شدہ فرقہ ہے۔

میں نے اس کتاب میں ان تمام فرقوں کے شبہات کا جواب دیا ہے، اس کی مجمل فہرست یہ ہے:

حدیث کے بارے میں خوارج کے نظریات، شیعہ کے نظریات، مستشرقین کے نظریات وشبہات، عصرانیین (ماڈرن) اور عقلانیین کے نظریات، اہل قرآن (منکرین

سنت) کے نظریات وشبہات ، سنت تشریعی وغیر تشریعی والوں کے نظریات ، اسلامائزیشن آف نالج اسکول کے نظریات۔

اس کتاب کے اب تک دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ہماری یونیورسٹی نے ۲۰۰۵ء میں چھاپا تھا۔ دوسرا ایڈیشن شام کے '' مؤسسة الرسالة ناشرون '' نے ۲۰۱۱ء میں چھاپا۔ یہ کتاب بھی ہماری یونیورسٹی میں داخل درس ہے۔

(۵) رحيق التفاسير للأجزاء الثلاثة الأخيرة (آخری تین پاروں کی مختصر تفسیر)

یہ کتاب اس لئے لکھی گئی کہ قرآن وسنت ڈپارٹمنٹ کے طلباء جب قرآن کی تلاوت کریں تو تلاوت کے دوران ہی آیات کا ایک اجمالی مفہوم ان کے ذہن میں آجائے، اسی لئے اس میں جلالین کے طرز پر مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں، اور جہاں شانِ نزول بیان کرنا اشد ضروری ہوا وہ بیان کیا گیا ہے، تفسیر کی دیگر تفصیلات سے گریز کیا گیا ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن ہماری یونیورسٹی نے ۱۴۲۴ھ (۲۰۰۳ھ) میں شائع کیا۔ یہ کتاب بھی ایک عرصہ تک داخل درس رہی، اب نہیں ہے۔

(٦) رحيق التفاسير : المائدة، التوبة ، الإسراء، مريم ، وطٰه (قرآن مجید کی پانچ سورتوں : مائدہ، توبہ، اسراء، مریم اور طہ کی مختصر تفسیر)۔

یہ کتاب بھی اسی مقصد سے لکھی گئی تھی جس کا ذکر پہلی والی رحیق میں آچکا ہے، مگر چونکہ اس کی سطح تھوڑی بلند ہے اس لئے اس میں مشکل الفاظ کے ساتھ ساتھ ہر آیت کا مفہوم آسان زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

اس کا بھی پہلا ایڈیشن ہماری یونیورسٹی نے ۱۴۲۵ھ (۲۰۰۴ھ) میں شائع کیا۔ یہ بھی پہلے ہماری یونیورسٹی میں داخل درس تھی، اب نہیں ہے۔

(۷) معجم مصطلحات الحديث وعلومه وأشهر

المصنفين فيه (حدیث کے اصطلاحی الفاظ اور مشہور مولفین حدیث کے مختصر تعارف پر مشتمل معجم)

اس کتاب میں ۹۷۹ر اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے، اور ۸۳۲ر مولفین حدیث کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن دارالشاکر ملیشیا سے ۱۴۲۵ھ (۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا۔ پھر دوسرا ایڈیشن بہت سارے اضافے کے ساتھ دارالنفائس، اردن سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔

(۸) المرويات في فضل ليلة النصف من شعبان والتوسعة على العيال يوم عاشوراء في ميزان النقد الحديثي.۔ (شب برأت میں عبادت کرنے اور عاشورہ کے دن کھانے میں وسعت سے متعلق احادیث کا تنقیدی جائزہ)

جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے، دیکھ رہا ہوں کہ لوگ شب برأت کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ دن میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور رات میں مسجدیں نمازیوں سے بھری رہتی ہیں، اور رات میں لوگ قبرستان جا کر مردوں کے لئے ایصال ثواب کرتے ہیں، اور اگلے دن یعنی ۱۵ر شعبان کو دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح دسویں محرم عاشورہ کے دن لوگ زیادہ سے زیادہ کھانا پکاتے ہیں اور فقراء و مساکین کو کھلاتے ہیں۔

لوگوں کے اس اہتمام سے مجھے لگا کہ یہ حدیث سے کوئی ثابت عبادت ہے، اس لئے لوگ اتنا اہتمام کرتے ہیں، تو میں نے حقیقت جاننے کے لئے ان احادیث کی تحقیق کی جو اِن دونوں دن کے کاموں کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، تحقیق کے بعد درج ذیل حقائق کا علم ہوا:

۱۔ شب برأت میں عبادت کرنا اور قبرستان جانے کے بارے میں ۱۸ر صحابہ سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض موضوع یا حد درجہ کمزور ہیں، لیکن ان میں سے ۸ر صحابہ سے مروی حدیثیں ضعیف تو ہیں لیکن ان کا ضعف ہلکا ہے، اور یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر حسن کے درجے میں پہنچ جاتی ہیں۔ ان میں وارد معلومات کا خلاصہ یہ

ہے کہ ۱۵؍شعبان کی رات (شب برأت) میں نماز پڑھنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا، دعا کرنا، قبرستان جانا کسی نہ کسی حد تک حدیث سے ثابت ہیں، لیکن ۱۵؍شعبان کے دن کا روزہ رکھنا ثابت نہیں ہے۔

۲۔ دسویں محرم (عاشورہ) کو اہل وعیال کو آسودگی کے ساتھ کھانا کھلانے کے بارے میں جو حدیثیں آئی ہیں کہ اس دن جو شخص اپنی آل اولاد کو آسودگی کے ساتھ کھانا کھلائے گا تو اس کی برکت سے سال بھر اس کے گھر میں آسودگی رہے گی۔ یہ حدیث پانچ صحابہ سے مروی ہے: جابر بن عبد اللہؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ، یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے بہت زیادہ ضعیف ہیں، لیکن عبد اللہ بن عمر، ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ضعیف تو ہیں لیکن ان کا ضعف ہلکا ہے۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے مل کر حسن کے درجہ میں پہنچ جاتی ہیں۔

اس تحقیق سے پتہ چلا کہ شب برأت میں انفرادی طور پر عبادت کرنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور قبرستان جانا، اور عاشورہ کے دن اہل وعیال کو آسودگی کے ساتھ کھانا کھلانے کا جو عمل رائج ہے وہ صحیح ہے، لیکن یہ دونوں عمل احتفال کی شکل میں یا اجتماعیت کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دار الشاکر ملیشیا نے ۱۴۲۴ھ (۲۰۰۳ء) میں شائع کیا۔

(۹) الطریقة المسنونة للمصافحة بین الرجال۔ (مردوں کا ایک دوسرے سے مصافحہ کا مسنون طریقہ)

یہ کتاب درحقیقت مولانا جمیل احمد نذیری کی کتاب ''مصافحہ کا مسنون طریقہ'' کا عربی ترجمہ ہے۔

مولانا نذیری صاحب نے یہ کتاب غیر مقلدین کے رد میں لکھی تھی۔ وہ لوگ ایک ہاتھ سے مصافحہ پر پورا زور صرف کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس نہ کوئی حدیث ہے اور نہ ہی کسی صحابی کا قول یا عمل جس سے ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہو، اور احناف دونوں ہاتھ سے

مصافحہ کوترجیح دیتے ہیں۔اِن کے پاس بھی نہ کوئی صریح حدیث ہے، نہ کسی صحابی کا قول یا عمل ۔ البتہ بخاری شریف میں ایک تابعی حماد بن زید کا عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ثابت ہے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے، یہ کوئی قابل التفات عمل نہیں ہے، لیکن غیر مقلدوں نے اسے ایک قضیہ بنادیا،تو مولانا جمیل احمد نذیری نے ان پر دنداں شکن ردلکھا۔ میں نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا اور اپنی تحقیقات سے ان کے موقف کومزید تقویت بخشی، اوراس نتیجہ پر پہنچا کہ مصافحہ بجائے خود آپس میں الفت ومحبت کا ایک عظیم ذریعہ اور طریقہ ہے،اور یہ اسلام سے پہلے کی قوموں میں بھی رائج تھا،اور آج بھی ہے۔

میں نے اس کے ترجمہ کے اخیر میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کواس لئے ترجیح دی ہے کہ اس طریقہ میں دوسری غیر مسلم قوموں کی مخالفت موجود ہے، جو اسلام میں ایک مطلوب ومستحسن شے ہے۔

اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن پستک دارالسلام سندرین برحد ملیشیا نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔

(۱۰) إعفاء اللحية ومقدارها بين النص والتطبيق ۔(داڑھی رکھنا اوراس کی مقدار،نصوص شرعیہ وتطبیقات ائمہ کی روشنی میں)

اس کتاب میں داڑھی سے متعلق قرآن وحدیث میں جتنی بھی نصوص آئی ہیں سب کوجمع کیا ہے،اور پھر ان نصوص پر ائمہ کرام نے کس طرح عمل کیا ہے،اس کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

احادیث سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ داڑھی رکھنا ایک فطری عمل ہےاورمردوں کے چہرے کی زینت ہے،اور یہ کہ آپ ﷺ نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا،مگر کسی بھی حدیث میں اس کی مقدار نہیں بتائی ہے۔ آپ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی اور لمبی تھی ۔آپ کی داڑھی لمبی ہونے پر میں نے ۱۶؍واقعات جمع کئے ہیں،جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کی داڑھی لمبی تھی ۔

نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی داڑھیاں لمبی تھیں، مگر کسی بھی صحابی نے یہ نہیں بیان کیا کہ آپ کی داڑھی کتنی لمبی تھی، اور نہ ہی یہ کہ صحابہ کی داڑھیاں کتنی لمبی تھیں سوائے دو صحابی عبداللہ بن عمر و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے۔ عبداللہ بن عمر کا یہ معمول تھا کہ جب وہ حج یا عمرہ کرتے تو داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور جو حصہ مٹھی سے فاضل ہوتا اسے کاٹ دیا کرتے تھے، اور ابو ہریرہؓ کا یہ عام معمول تھا کہ وہ بھی داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور فاضل حصہ کاٹ دیتے تھے۔

داڑھی کو یونہی چھوڑ دینا کہ بڑھے جتنی بھی بڑھے، یہ بھی درست نہیں ہے، وہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی کے طول و عرض سے کچھ حصہ کاٹتے تھے (لیکن یہ حدیث ضعیف ہے) اسی طرح آپ نے بعض صحابہ کی بہت زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی سے کچھ حصہ کاٹنے کا حکم فرمایا کہ اس سے چہرے کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے (مگر یہ سب حدیثیں بھی ضعیف ہیں) صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی داڑھی کا کچھ حصہ کاٹ دیا کرتے تھے، لیکن اس کاٹنے کی کوئی حد مقرر نہ تھی (سوائے عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہؓ کے کہ مٹھی بھر کے بعد وہ کاٹ دیا کرتے تھے)۔

آیئے دیکھتے ہیں فقہاء کا کیا فتویٰ یا معمول تھا۔

فقہ حنفی میں سب سے پہلے امام کاسانی (متوفی: ۵۸۷ھ) کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، اور داڑھی منڈانے کو وہ مُثلہ (صورت بگاڑنا) قرار دیتے تھے۔ امام مرغینانی (متوفی: ۵۹۳ھ) بھی داڑھی منڈانے کو مُثلہ قرار دیتے تھے۔ سب سے پہلے جس حنفی عالم نے داڑھی منڈانے کو حرام قرار دیا ہے وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی: ۱۰۵۲ھ) ہیں، لیکن امام ابن عابدین (متوفی: ۱۲۵۲ھ) نے ہمیشہ داڑھی منڈھانے کو مکروہ کہا ہے۔

فقہ مالکی کے علماء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے متقدمین علماء داڑھی رکھنے کو سنت یا مستحب کہتے تھے اور اس کے مونڈنے کو مکروہ۔ لیکن متاخرین علماء داڑھی رکھنے کو واجب اور مونڈنے کو حرام یا مُثلہ کہتے تھے۔

فقہ شافعی: متقدمین شوافع داڑھی رکھنے کو سنت یا مستحب کہتے ہیں اور مونڈنے کو مکروہ۔لیکن متاخرین شوافع میں بعض کے نزدیک حلق لحیہ حرام ہے، لیکن پہلا قول ان کے نزدیک معتمد ہے۔

فقہ حنبلی: فقہاء حنابلہ کا موقف واضح نہیں ہے۔ایک طرف وہ لوگ اعفاء لحیہ کے سنت ہونے قائل ہیں تو دوسری طرف حلق لحیہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔

فقہ ظاہریہ: امام ابن حزم ظاہری اعفاء لحیہ کی فرضیت کے قائل ہیں، اور حلق لحیہ کو مُثلہ کہتے ہیں یعنی حرام ہے۔

غیر مقلدین: ان کی فقہ میں کوئی کتاب نہیں ہے۔ان کی حدیث کی بعض کتابوں کی شرح ملتی ہے یا ان کے فتاویٰ۔فتاویٰ ثنائیہ میں اعفاء لحیہ واجب ہے اور مٹھی بھر سے زیادہ کاٹنا جائز ہے ضروری نہیں۔لیکن اگر وہ اتنی بڑھ جائے جس سے چہرہ بدنما لگنے لگے اور سکھوں اور سادھوؤں سے مشابہت ہو جائے تو مٹھی بھر کے بعد کاٹنا واجب ہے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنے کی تاکید کی ہے، اور اس کے طول وعرض سے کچھ بھی کاٹنے کو مکروہ کہا ہے۔اور عبداللہ بن عمر وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے مٹھی بھر کے بعد کاٹنے والے اثر کو انھوں نے قبول نہیں کیا ہے۔

اب تک کی گفتگو داڑھی رکھنے کے حکم سے متعلق تھی۔رہی داڑھی کی مقدار کی بات تو اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

فقہاء احناف نے بقدر قبضہ (مٹھی بھر) داڑھی رکھنے کو مستحب یا مسنون کہا ہے۔

فقہاے مالکیہ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنے کے قائل ہیں، لیکن اتنی لمبی نہ ہو جائے کہ چہرہ بدنما لگے، اس لئے وہ لوگ دائیں بائیں سے بکھرے ہوئے بال کو کاٹنے کے قائل تھے۔

فقہاء شافعیہ کے نزدیک بھی بقدر قبضہ مستحب ہے۔صرف امام نووی اور عراقی نے داڑھی سے کچھ بھی کاٹنے کو پسند نہیں کیا ہے۔

فقہاء حنابلہ کے نزدیک داڑھی کو اپنے حال پر اس حد تک چھوڑا جائے کہ بہت زیادہ لمبی نہ ہوجائے، اور قبضہ سے زیادہ کاٹنا جائز ہے۔

غیر مقلدین علماء میں جمہور بقدر قبضہ کے وجوب کے قائل ہیں، اور اس سے زیادہ کو کاٹنے کے جواز کے قائل تھے، لیکن اگر بڑھتے بڑھتے اتنی لمبی ہوجائے جس سے چہرہ بدنما لگنے لگے تو پھر بقدر قبضہ سے زائد کو کاٹنا واجب ہے۔

ان مذکورہ سارے مسائل میں میری رائے یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، کیونکہ یہ فطرت ہے اور مردوں کے چہرے کی زینت ہے، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی بہت ساری حدیثوں میں داڑھی رکھنے کا حکم دینے سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور کوئی قرینہ ایسا نہیں پایا جاتا کہ اعفاء اللحیہ کو مستحب یا سنت یا مباح کہا جائے۔ اور حدیث میں داڑھی رکھ کر مشرکین یا آتش پرست کی مخالفت کی بات جو آئی ہے تو وہ مقصود تو ہے لیکن دوسرے درجہ میں۔ یعنی اگر مشرکین یا آتش پرست یا کسی مذہب والے داڑھی ہم لوگوں کی طرح رکھنے لگیں تو کیا ان کی مخالفت میں ہم داڑھی منڈانے لگیں، ایسا کسی نے نہیں کہا ہے۔ پہلے درجہ پر اعفاء لحیہ مقصود بالذات ہے اور دوسرے درجہ پر مخالفت۔

حدیث میں اعفاء لحیہ اور اس کے مترادف الفاظ جیسے ارخاء، توفیر اور ایفاء، آئے ہیں۔ ان سب سے میرے نزدیک داڑھی رکھنا اور حلق نہ کرانا مقصود ہے، لمبی کرنا مقصود نہیں ہے، اور داڑھی رکھنا میرے نزدیک واجب ہے۔

البتہ مقدار لحیہ کے بارے میں نہ رسول اللہ ﷺ سے، اور نہ ہی کسی صحابی سے کوئی نص پائی جاتی کہ داڑھی مٹھی بھر لمبی رکھو۔ اگر وہ اتنی ہی ضروری چیز ہوتی تو حدیث ''**أعفوا اللحی**'' میں دو لفظ ہی بڑھانا ہوتا'' **قدر القبضة** '' مگر نہ آپ ﷺ نے وہ لفظ بڑھائے اور نہ کسی صحابی نے۔ رہا حضرت عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا عمل تو وہ ان کا اجتہاد ہوسکتا ہے، نص نہیں۔ لیکن ان کے عمل کو بالکلیہ نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے میرے نزدیک داڑھی کا علیٰ قدر القبضہ رکھنا افضل ہے، خاص طور سے علماء وائمہ مساجد کے لئے

تا کہ ان کی اپنی ایک خاص شناخت اور پہچان ہو۔ اور داڑھی اتنی چھوٹی بھی نہ کردی جائے کہ اس پر جَــزّ کا اطلاق ہو، جیسا کہ مشین سے بھیڑ کے بال کاٹے جاتے ہیں، اتنا ہو کہ اس پر اعفاء کا اطلاق ہو سکے۔

یہ کتاب کا پہلا ایڈیشن ہے جسے دار الشاکر بانگی ملیشیا نے ۱۴۲۶ھ (۲۰۰۶ء) میں شائع کیا۔

(۱۱) علامات الترقيم: شكلها وطريقة استعمالها وطريقة كتابة الهمزة۔ (عربی کتابت میں کوما، بریکٹ وغیرہ اور ان کے استعمال کا طریقہ اور ہمزہ کی کتابت کا طریقہ)۔

عربی کتابت اور انگریزی کتابت میں بھی کوما، فل اسٹاپ، بریکٹ وغیرہ کل ۱۸ر مارکس میں نے اس کتاب میں ذکر کئے ہیں، اور کہاں یہ استعمال ہوں گے مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور ہمزہ شروع میں ہو، درمیان میں ہو اور آخر میں ہو، تو اس کے لکھنے کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔

یہ چھوٹی سی کتاب ہے، اس کا پہلا ایڈیشن دار الشاکر ملیشیا نے ۱۴۲۴ھ (۲۰۰۳ء) میں شائع کیا ہے۔

(۱۲) شرح الأربعين النووية۔ (امام نووی کی جمع کردہ چالیس احادیث کی شرح)۔

امام نووی کی یہ کتاب بڑی اہم ہے، کیونکہ اس میں انھوں نے ان چالیس احادیث کو جمع کیا ہے جو اسلامی زندگی کے لئے ایک قواعد واصول کی حیثیت رکھتی ہیں، اسی اہمیت کی وجہ سے یہ کتاب میرے بیٹے عبدالعزیز سلّمہٗ کے (O-LEVEL) کے لئے داخل درس تھی۔ اس نے مجھ سے کہا ابو اس کی مختصر شرح کر دیجئے تو میں اولیول کا امتحان دیدوں۔ تو میں نے اس کی بہت سی شرحوں کی مدد سے یہ مختصر شرح تیار کردی۔ میں نے اس میں ہر حدیث کی شرح میں درج ذیل چار چیزوں کا لحاظ کیا ہے:

۱۔بعض بعض احادیث کی اہمیت
۲۔مشکل الفاظ اور جملوں کی شرح
۳۔حدیث کا عام مفہوم
۴۔بعض حدیثوں کے فوائد

اس کی تالیف سے میں ۲۹؍اگست ۲۰۰۴ء میں فارغ ہوا، ابھی تک یہ شرح شائع نہیں ہوسکی ہے۔

(۱۳) المعجم المفهرس النافع لما ورد من المصادر والمراجع في أقراص الليزر ۔(مکتبہ شاملہ وغیرہ سی ڈی میں مذکور کتابوں کی فہرست)۔

شروع شروع میں جب عربی کتابوں کو سی ڈی میں داخل کیا جانے لگا تھا تو کئی کمپنیوں نے یہ کوشش کی تھی ،مگر ان کے اس کام میں بڑے نقائص اور خامیاں تھیں ،تو میں نے اس کتاب میں اُن سی ڈیز میں مذکور کتابوں کو حروفِ ہجا پر ترتیب دیا ہے، اوران کتابوں اوران کے مصنفین کا صحیح نام لکھا ہے، اور یہ کہ ان سی ڈیز میں ان کتابوں کے کس ایڈیشن پر اعتماد کیا گیا ہے۔جب مکتبہ شاملہ کی سی ڈی آگئی اوراس میں ہر روز اضافے ہوتے رہے تو میں نے ۸۰۴؍کتابوں کے بعد فہرست بنانی چھوڑ دی، اس لئے یہ کتاب ویسے ہی پڑی رہ گئی اوراشاعت کی نوبت نہ آسکی۔

لیکن آج بھی یہ کتاب ایم اے و پی ایچ ڈی کے طلباء واساتذہ کے لئے بایں معنی مفید ہے کہ اس سے ان کتابوں کے طبعات اورسن طبع کا علم بآسانی ہوجاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

گیارہواں باب

مقالات

تحکیم شدہ مقالات:

(۱) المنهج العلمي عند المحدثين في التعامل مع متون السنة (احادیث کے ساتھ محدثین کے تعامل کا طرزِ عمل) میں نے اس مقالے میں محدثین کے دوطرزِ عمل بتائے ہیں:

پہلا: حدیث میں پرابلم کا پتہ لگانے کا طریقہ۔ اس کے لئے محدثین نے دو طریقے بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث میں شذوذ (دوسری حدیثوں کے مخالف) تو نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ حدیث میں کوئی علت (یعنی صحابی کے قول کو نبی کریم ﷺ کا قول نہ قرار دیدیا ہو۔ یا مرسل حدیث کو مرفوع نہ کردیا ہو، وغیرہ وغیرہ) تو نہیں ہے۔

دوسرا: حدیث پر موجودہ حالات میں کیسے عمل کیا جائے۔ اس کے لئے میں نے تین مراحل کا ذکر کیا ہے۔ پہلا تو یہ جاننا ہوگا کہ حدیث کن حالات میں کہی گئی ہے۔ دوسرا خود اپنے زمانہ کے حالات کا پتہ لگانا ہوگا۔ تیسرا موجودہ حالات میں اس حدیث پر کیسے عمل کیا جائے۔ (یہ مقالہ مجلّہ اسلامیہ المعرفۃ امریکا کے تیرہویں شمارے میں ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا)۔

(۲) الجذور التاريخية للوضع في الحديث (حدیث گڑھنے کی تاریخی جڑیں) میں نے اس مقالے میں حدیث گڑھنے کے دوطرح کے اسباب ذکر کئے ہیں:

پہلے تو ان اسباب کا ذکر کیا ہے جنھیں حدیث گڑھنے والوں نے قصداً اختیار کیا ہے، اور یہ ۸؍اسباب ہیں جنھیں میں نے اسباب مقصودہ سے تعبیر کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

ا۔ اسلام اور مسلمانوں سے انتقام کا جذبہ

۲۔اپنی پسندیدہ پارٹی کی حمایت
۳۔عقائدی مذاہب کی حمایت
۴۔لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کا مشن
۵۔قبائلی، ملکی، اور لسانی عصبیت وغیرہ
۶۔لوگوں کو صلاح وزہد کی ترغیب
۷۔فقہی مذاہب کی حمایت
۸۔شخصی اغراض، جیسے حکامِ وقت سے قربت۔قصہ گوئی۔تجارتی مال کی ترویج، اور دوسرے اغراض۔

دوسرے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو بغیر کسی قصد کے واقع ہوئے ہیں۔انھیں میں نے اسباب مساعدہ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ وضع حدیث میں کہیں نہ کہیں ان کا دخل ضرور ہے۔اور میں نے ۵/اسباب کا ذکر کیا ہے (اور یہ میری اجتہادی کوشش ہے)، وہ پانچوں اسباب یہ ہیں:

۱۔حدیث کا مدون نہ ہونا۔
۲۔بلادِ مفتوحہ میں صحابہ کا منتشر ہونا۔
۳۔حدیث گڑھنے والوں کے ساتھ حکامِ وقت کا تساہل برتنا۔
۴۔راوی حدیث کا کسی چال باز کے چنگل میں پھنس جانا۔
۵۔راوی حدیث کی غلطیاں۔

(یہ مقالہ مجلّہ اسلامیہ المعرفۃ امریکا کے سولہویں شمارے میں ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا)۔

(۳) مظاهر لتعامل السلف مع التراث في السنة (حدیثوں کے ساتھ سلف کے تعامل کے مظاہر)۔

میں نے اس میں حدیث کے ساتھ سلف کے تعامل کے پانچ قسم کے مظاہر ذکر کئے ہیں:
پہلا: نبی کریم ﷺ کی زندگی میں سلف کے تعامل کے مظاہر، اور یہ پانچ ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ سے براہ راست حدیث لینا۔
۲۔ حدیثوں کو سینے میں عمل ومذاکرہ کے ذریعہ محفوظ کرنا۔
۳۔ حدیثوں کی کتابت۔
۴۔ جن لوگوں تک حدیثیں نہیں پہنچیں ان تک پہنچانا۔
۵۔ حدیثوں کو بلاشک وتردد کے قبول کرنا۔

دوسرا: نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اور شہادت عثمانؓ کے پہلے سلف کے تعامل کے مظاہر، اور یہ تین ہیں:

۱۔ صحابہ کا ایک دوسرے سے حدیث طلب کرنا۔
۲۔ سنی ہوئی حدیثوں کے بارے میں تحقیق کرنا۔
۳۔ حدیثوں کی کتابت۔

تیسرا: شہادت عثمانؓ کے بعد سلف کے تعامل کے مظاہر، یہ بھی تین ہیں:

۱۔ حدیث کی سند طلب کرنا۔
۲۔ رُواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال کرنا۔
۳۔ متونِ حدیث کا تنقیدی جائزہ لینا۔

یہ تین طریقوں سے ہوا کرتا تھا۔ حدیث کا قرآن سے تقابل کر کے۔ حدیث کا دوسری صحیح حدیثوں سے تقابل کر کے۔ عقل کی کسوٹی پر رکھ کر۔

چوتھا: دوسری، تیسری اور بعد کی صدیوں میں سلف کے تعامل کے مظاہر، یہ سات ہیں:

۱ تدوین کی کوشش ۲۔ مصطلح الحدیث کی تدوین ۳۔ علم جرح وتعدیل کی ایجاد
۴۔ علم علل الحدیث ۵۔ علم مختلف الحدیث ۶۔ علم غریب الحدیث
۷۔ ضعیف وموضوع احادیث کا علم

یہ مقالہ مجلّہ الحکمۃ مدینہ منورہ کے انیسویں شمارے میں ۱۴۲۰ھ میں شائع ہوا۔

(۴) المرويات في سبب ورود حديث ”من كذب علي

متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار'' في ميزان النقد الحديثي (حدیث: ''جو شخص میری جانب غلط بات منسوب کرے گا تو اسے چاہیے کہ جہنم میں وہ اپنا ٹھکانا بنالے'' کے سبب میں وارد روایات کا محدثانہ تنقیدی جائزہ)

مصر کے استاذ جمال البناء اور دوسرے ہم عصر علماء کہتے ہیں کہ حدیث تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی گڑھی جانے لگی تھی، اور انھوں نے اسی طرح کی حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔

میں نے جب اس حدیث کے سبب کے بارے میں روایات تلاش کرنی شروع کیں تو مجھے سات صحابہ سے ملیں:

(۱) بریدہ بن الحصیب، اس کا دارومدار ایک بہت زیادہ ضعیف راوی پر ہے؛ اس لیے یہ قابل قبول نہیں ہے۔ (۲) قبیلہ اسلم کے ایک داماد صحابی، اس کا بھی دارومدار ایک انتہائی ضعیف پر ہے؛ اس لیے یہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔ (۳) عبداللہ بن الزبیر، اس میں ایک متروک راوی ہے۔ (۴) عبداللہ بن الحارث، یہ بھی بہت زیادہ ضعیف حدیث ہے۔ (۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص، یہ بھی بہت شدید ضعیف حدیث ہے۔ (۶) ایک دیہاتی صحابی، بہت کمزور۔ (۷) اسامہ بن زید، بہت کمزور۔

اس لیے معاصرین کا ان احادیث سے یہ دعوی کرنا کہ حدیث تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے وضع کی جانے لگی تھی، صحیح نہیں ہے۔

یہ مقالہ جامعہ کے مجلّہ ''التجدید'' میں عدد ۱۳، ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔

(۵) منهجية التعامل مع البعدين الزماني والمكاني في السنة عند المحدثين ۔(حدیث میں زمانہ اور حالات کی رعایت کے ساتھ تعامل میں محدثین کا طرز عمل)

احادیث کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ تشریعی احادیث کا بیشتر ذخیرہ اپنے حکم پر ہمیشہ باقی رہے گا۔ حالات و زمانہ کا ان پر کوئی اثر نہ تھا، اور نہ ہے،

اور نہ رہے گا۔لیکن کچھ تشریعی حدیثیں ایسی ہیں جن کا حکم حالات وزمانہ کے بدلنے سے ان کا حکم بھی بدل سکتا ہے۔اس بحث میں مَیں نے ان دوسری قسم کی حدیثوں کے ساتھ تعامل کے قواعد وضوابط مقرر کئے ہیں تا کہ ہر کوئی ان احادیث سے کھلواڑ یا من مانی نہ کر سکے۔اس لئے پہلے تو میں نے مجالات حدیث کی دو قسمیں کی ہیں: پہلے مجالات وہ جن پر زمانہ وحالات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔وہ ہمیشہ سے دائم ہیں اور رہیں گی۔ان مجالات میں درج ذیل مسائل کی حدیثیں آتی ہیں:

۱۔ عقائد کی حدیثیں ۲۔ بنیادی عبادات کی حدیثیں ۳۔ معاملات، قضاء اور حکومت کیلئے عام قواعد واصول (Principe) کی حدیثیں مثلاً شوریٰ، خرید وفروخت وغیرہ معاملات کی حلت۔سود، رشوت وغیرہ کی حرمت۔نکاح، طلاق وعدت کی حلت۔نکاح کے بغیر جنسی تعلقات کی حرمت۔ ۴۔ اخلاق واطوار کی حدیثیں جیسے صدق، امانت، پاکدامنی، شجاعت، بردباری، کرم وغیرہ کا اچھا ہونا۔جھوٹ، خیانت، نکما پن، بزدلی، کنجوسی وغیرہ کا برا ہونا۔۵۔کائناتی نظام کی حدیثیں، جیسے سورج کا مشرق سے نکلنا اور مغرب میں ڈوبنا، انسان وحیوان کا نطفے سے پیدا ہونا، بارش کا نظام، چاند وسورج کا گرہنی نظام، چاروں موسموں کا یکے بعد دیگرے آنا اور ان سے متعلق عبادات کی حدیثیں۔۶۔وہ اعمال جو آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہیں جیسے آپ پر تہجد کی فرضیت، آپ کے لئے صوم وصال کا جواز، صلوٰۃ الضحیٰ کا آپ پر وجوب، آپ کی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے ان کے شوہروں کا دوسری شادی نہ کرنا، وغیرہ۔

دوسرے وہ مجالات جن پر حالات وزمانہ سے قوعد وضوابط کے تحت حکم بدل سکتا ہے۔اس کے تحت درج ذیل چیزیں آتی ہیں:

۱۔ فروعی عبادات اور سابقہ قواعد واصول کی تطبیق، ۲۔ نبی کریم ﷺ کے وہ تصرفات جو آپ نے بحیثیت حاکم کئے، یا آپ کے وہ تصرفات جو مصلحۃً کئے گئے، جیسے قُضاۃ، گورنرس، جنگ کے لئے سپہ سالار، ایمبیسڈر کی تعیین، لشکر کی تنظیم کہ کون لوگ قلب میں

رہیں گے اور کون لوگ میمنہ اور میسرہ میں، جنگی پلاننگ، زمینوں کی الاٹمنٹ، بیت المال سے عام مصالح پر خرچ کرنا، تعزیرات کی تحدید، تعزیرات وحدود کی تنفیذ کے طریقے اور وقت کی تعیین، ۳۔ آپ ﷺ کی وہ حدیثیں جو انسانی تجربات، یا عرف وعادات پر مبنی ہوں، جیسے بعض طبی حدیثیں، لباس کی کٹنگ، شادیوں میں شریفانہ نظمیں پڑھنا وغیرہ، ۴۔ نبی کریم ﷺ کے جبلی، عادۃً یا مشورۃً کئے گئے اعمال جیسے کھانا، پینا، چلنا، سونا اور ان سب کی ہیئت وصفات۔

دوسری قسم کے مجالات کی حدیثیں جن کے احکام حالات وزمانہ سے بدل سکتے ہیں تو ان کے بدلنے کے لئے علماء نے کچھ قواعد وضوابط بنائے ہیں، ان کے تحت ہی بدلے جاسکتے ہیں، وہ ضوابط درج ذیل ہیں:

۱۔ **الضرورات تبیح المحظورات** (حرام چیز بھی بوقت ضرورت حلال ہوجاتی ہے) اس کی گیارہ مثالیں میں نے حدیث سے دی ہیں۔

۲۔ **ما أنیط بأوصاف متغیرة فتتغیر بتغیرها** (جو حکم کسی متغیر وصف کے ساتھ لگا کر ہو تو اس وصف کے بدلنے سے حکم بدل سکتا ہے)۔ اس کی میں نے پانچ مثالیں دی ہیں۔

۳۔ وہ حکم جو کسی متغیر مصلحت پر مبنی ہو تو اس مصلحت کے بدلنے سے حکم بدل سکتا ہے، اس کی میں نے تین مثالیں دی ہیں۔

۴۔ جو حکم عرف وعادات پر مبنی ہو تو ان کے بدلنے سے وہ حکم بدل سکتا ہے، اس کی میں نے چار مثالیں دی ہیں۔

۵۔ جو حکم کسی مکان یا زمان کے ساتھ لگا کر دیا گیا ہو تو مکان وزمان کے بدلنے سے وہ حکم بدل سکتا ہے، اس کی میں نے نو مثالیں دی ہیں۔

۶۔ جو حکم **سَدّاً للذریعة** دیا گیا ہو (یعنی وہ حکم بذات خود درست یا حلال ہے مگر اس سے کسی برائی کا دروازہ کھل سکتا ہے تو پیشگی طور پر اس جائز سے ہی منع کر دیا گیا ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ چھٹا قاعدہ مبنی بر مصلحت ہے، اس لئے مصلحت جواز کی

ہوئی تو جائز ورنہ ناجائز، اس کی میں نے پانچ مثالیں دی ہیں۔

حدیث میں حالات وزمانہ کی رعایت جاننے کے فوائد کیا ہیں؟ میں نے اس کے پانچ فائدے ذکر کئے ہیں:

پہلا، یہ کہ حدیث کن حالات وظروف میں کہی گئی ہے، اس کے جاننے سے حدیث کی صحیح مراد معلوم ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ، اس کے جاننے سے مذہبی اختلافات کم ہونے کا امکان ہے۔

تیسرا فائدہ، اسلام پر جو بہت ساری تہمتیں لگائی جاتی ہیں ان سے اسلام کی برأت ظاہر ہوتی ہے۔

چوتھا فائدہ، اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو اس سے اس کا ازالہ ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ، اگر حدیث میں کوئی پرابلم ہو تو اس سے ختم ہوتا ہے۔

حدیث میں حالات وزمانہ کی رعایت کا پتہ کیسے لگایا جائے؟ میں نے تین طریقے ذکر کئے ہیں:

پہلا طریقہ: خود اسی حدیث سے پتہ چلے گا۔

دوسرا طریقہ: حدیث کی مختلف سندوں میں وارد سب الفاظ کو جمع کرنے کے ذریعہ

تیسرا طریقہ: حدیث کے جملہ متعلقات میں غور وفکر کرنے سے۔

ان ساری باتوں کو میں نے مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

یہ مقالہ مجلّہ اسلامیۃ المعرفۃ کے ۳۷/اور ۳۸/ویں شمارہ میں ۱۴۲۵ھ (۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا ہے۔

(۶) مختلف الحدیث ومشکلہ ۔(دو یا اس سے زیادہ حدیثوں میں ظاہری تعارض، یا حدیث میں ظاہری اشکال)۔

اس میں مَیں نے اصطلاحی لفظ مختلف اور مشکل کی تعریف بیان کی ہے، اور یہ کہ اس علم کا تعلق حدیث کے معنی ومفہوم سے ہے، پھر اس علم کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس

کے بعد اس علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ان علماء کا ذکر کیا ہے جنھوں نے تعارض واشکال کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان کی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔

یہ مقالہ اسلام آباد، پاکستان سے شائع ہونے والے مجلّہ الدراسات الاسلامیۃ کی چالیسویں جلد کے پہلے شمارہ میں ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ ومحرم ۱۴۲۶ھ (جنوری ومارچ ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوا ہے۔

(۷) حدیث ناقصات عقل ودین: إشکالیة، أسباب، حلول۔ (حدیث ناقصات عقل ودین میں اشکال، اس کے اسباب اور اس کا حل)۔

کسی عید یا بقرعید کے خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے مردوں کو نصیحت کی اور انھیں صدقہ کا حکم فرمایا، پھر آپ کا عورتوں پر گزر ہوا تو آپ نے ان سے بھی فرمایا: صدقہ دیا کرو کیونکہ جہنم میں مَیں نے تمہاری اکثریت دیکھی ہے۔ تو عورتوں نے پوچھا: کس وجہ سے یا رسول اللہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ لعن طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں ہر عورت ایسی ہے جو عقل ودین میں کمی کے باوجود کسی بھی عقل مند آدمی کو پاگل کر دیتی ہے۔ ان عورتوں نے پوچھا کہ ہم کیسے ناقص عقل ودین ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: کہ تمہاری عقل میں کمی یہ ہے کہ کسی پر قرض کے سلسلے میں تمہاری گواہی ایک مرد کی گواہی کی آدھی قرار دی گئی ہے، اور تمہارے دین میں کمی یہ ہے کہ ہر حیض کے وقت تم نہ نماز پڑھتی ہو اور نہ روزہ رکھتی ہو۔ تو عورتوں نے کہا کہ ہاں یہ بات تو ہے۔

اس حدیث میں جو عورتوں کو ناقصِ عقل ودین کہا گیا ہے، اس میں اشکال یہ ہے کہ عورتیں ایام حیض میں جو نماز وروزہ نہیں کرتیں یہ بھی تو اللہ کی اطاعت میں ہی کرتی ہیں، تو اس اعتبار سے ان کا دین کیسے ناقص ہوا۔ اور دوسرا اشکال یہ ہے کہ عقل کا آدھا یا چوتھائی وغیرہ نہیں ہوتا، عقل تو جزو لایتجزیٰ ہے۔ اگر ہے تو پوری عقل ہے اور نہیں ہے تو پوری نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے کیسے انھیں ناقص عقل قرار دیا۔

انھیں دونوں اشکالوں کو دور کرنے کے لئے یہ بحث لکھی گئی ہے، اور بہت سارے

علماء کی توجیہات وتاویلات ذکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کا ایام حیض میں نقصان دین حقیقی نہیں ہے بلکہ شکلی ہے۔ دیکھئے نا کہ مرد نماز پڑھتے ہوتے یا روزہ رکھے ہوتے ہیں اور یہ اُن ایام میں دوسرا کام کرتی ہوتی ہیں، یا روزے میں کھانا کھاتی ہوتی ہیں۔ اور ان کو ناقص عقل اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ کسی بھی معاملہ میں آدھی عقل استعمال کرتی ہیں اور آدھا جذبہ۔ ان کی مثال بالکل سورج گرہن جیسی ہے کہ سورج پورا ہوتا ہے مگر زمین اس کے جس حصے کے محاذات میں آجاتی ہے اس کی روشنی کو ڈھک لیتی ہے، بالکل اسی طرح عورت کا معاملہ ہے کہ اس کے کسی بھی فیصلے کے وقت اس کی عقل کے سورج کو جذبات کا گرہن لگ جاتا ہے، بس وہ آدھی عقل اور آدھے جذبات سے فیصلہ کرتی ہے، مگر پھر بھی وہ عقل مند سے عقل مند مرد کو لٹو کی طرح نچاتی رہتی ہے۔

یہ مقالہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ العالمیۃ کے مجلّہ معالم القرآن والسنۃ کے پہلے شمارہ میں ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔

(۸) السنة وموقف العصرانيين والعقلانيين منه ۔(سنت کے بارے میں ماڈرن اور عقل پرستوں کا موقف)

ماڈرن سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو یوروپین تہذیب وتمدن کے دلدادہ ہیں اور اسکے افکار سے متاثر ہیں، جیسے ہندوستان میں سرسید احمد خان اور ان کے ماننے والے لوگ۔ اور مصر میں شیخ محمد عبدہ اور ان کے ماننے والے لوگ۔

سرسید احمد خان اسلام فہمی کے لئے صرف قرآن کو اساس کہتے تھے، اور حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، گویا انھوں نے انکارِ سنت کی بنیاد رکھ دی تھی۔

شیخ محمد عبدہ کے نظریات بھی سرسید احمد کے نظریات سے بہت حد تک ملتے جلتے تھے، وہ صرف قرآن اور حدیث متواتر کو حجت سمجھتے تھے۔ حدیث متواتر ہیں ہی کتنی؟ گویا گھوم پھر کر وہ بھی قرآن کو ہی کافی سمجھتے تھے۔

اس بحث میں ان کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی کے

مجلّہ ''التجدید'' کے بیسویں شمارے میں ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

(۹) مواقف الفرق الغابرة من السنة (سنت کے بارے میں گزرے فرقوں کے موقف) یہ بحث درحقیقت میری کتاب ''**اتجاهات في دراسات السنة قديمها وحديثها**'' کا ایک چیپٹر ہے، اس میں پچھلے زمانے کے فرقوں: خوارج، شیعہ، معتزلہ کے رجحانات وخیالات کو بتایا گیا ہے۔ یہ بحث انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی چاٹگام، بنگلہ دیش کے مجلّہ ''دراسات'' کی تیسری جلد دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔

(۱۰) الإمام عبدالرزاق ومنهجه في ''المصنف'' (امام عبدالرزاق اوران کی کتاب ''المصنَّف'' میں ان کا منہج) اس کو میں نے دو محور میں ترتیب دیا ہے: پہلے محور میں امام عبدالرزّاق صنعانی کی سیرت لکھی ہے، جس میں ان کا نام ونسب، نشوونما، تاریخ پیدائش، ان کی حدیث کی طلب، شیوخ وتلامذہ، علمی مقام، بعض مسائل میں ان کا مؤاخذہ، جیسے: ان پر شیعہ ہونے کی تہمت، عمر کے آخر میں اختلاط حافظہ، عبدالرزّاق کا بعض رُواۃ حدیث پر نقد، تالیفات، وفات۔ دوسرے محور میں ''المصنَّف'' کا تعارف اور منہج کا ذکر ہے، جس میں کن حالات میں مصنف لکھا، مصنف کا مقام ومرتبہ، مصنف کے ابواب کی تعداد، اس میں احادیث وآثار کی تعداد، بعد کے مصنفین کے لیے مصنف ایک عظیم ذخیرۂ حدیث وآثار، امام عبدالرزّاق کا اس میں منہج، بعض علمی حقائق کی تحقیق میں مصنَّف کا رول۔

یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی مجلّہ ''الإسلام في آسیا'' کی جلد: ۳، شمارہ: ۲، دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

(۱۱) مدرسة إسلامية المعرفة وموقفها من السنة (اسلامائیزیشن آف نالج اسکول کا سنت کے بارے میں موقف) یہ بھی کتاب ''اتجاہات'' سے لیا ہوا ایک چیپٹر ہے، اس لیے اس کے چنداں تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مقالہ پاکستان سے شائع ہونے والے مجلّہ ''جہات الإسلام'' کے پہلے شمارہ میں ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔

(۱۲) حدیث ''**الوائدة والموؤودة في النار: إشكالية،**

أسباب، حلول (حدیث: لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے والیاں اور خود زندہ دفن کی گئیں لڑکیاں دونوں جہنم میں ہوں گی: اشکال، اس کے اسباب اور اس کا حل) یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن ہے؛ مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے والیوں کا جہنم رسید ہونا تو معقول لگتا ہے؛ مگر اس لڑکی کا کیا جرم ہے جو زندہ دفن کردی گئی، وہ کیوں جہنم میں جائے؟ یہ حدیث قرآن کی آیت ''**لاتزر وازرة وزر أخرى**'' (کسی اور کے جرم کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا) سے متعارض ہے۔ اسی طرح یہ قرآن کی آیت ''**وإذا الموؤودة سئلت بأي ذنب قتلت**'' (اور جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم میں زندہ مار ڈالا گیا) سے بھی ٹکراتی ہے۔

اس اشکال کو دور کرنے کے لیے متقدمین اور معاصرین نے خامہ فرسائیاں کی ہیں اور سب نے اپنی اپنی آراء پیش کی ہیں۔ متقدمین میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کوئی اشکال ہے ہی نہیں؛ کیوں کہ دونوں ہی کافر تھے اور کافر کا مقام جہنم ہی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اس خاص موؤدہ کے بارے میں ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اور وہ ابن ملیکہ کی بہن ہے۔ اور بعض لوگوں نے سرے سے اس حدیث کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کوئی بھی رائے دینے سے گریز کیا ہے، یعنی توقف کی راہ اختیار کی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس حدیث کی روایت میں سند کے کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے، کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اصل میں ''الموؤودۃ'' کے بعد کلمہ ''لہا'' محذوف ہے، یعنی جہنم میں وہ عورت جائے گی، جس نے زندہ دفن کیا اور وہ ہے دایہ، اور دوسری اس کی ماں؛ کیوں کہ اسی کے لیے اور اسی کے حکم سے وہ بچی زندہ دفن کی گئی۔

یہ جتنی بھی تاویلات کی گئی ہیں، ان میں سے ایک بھی دل کو لگتی نہیں ہے، سوائے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے کہ یہ معاملہ غیب کا ہے، اس کو اللہ کے حوالے کردینا چاہیے۔ اس حدیث کو رفض کرنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی کسی راوی کے وہم کی بات مَن کو بھاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے ساتھ ساتھ میری ایک حقیر رائے یہ بھی ہے کہ اصل تو ''وائدہ'' کے جہنم رسید ہونے کی بات ہے؛ مگر ''موؤودہ'' کا ذکر یوں ہی آ گیا، اس کا کوئی مقصد نہیں ہے؛ کیوں کہ جہاں وائدہ کا ذکر آتا ہے تو آٹومیٹکلی موؤودہ کا ذکر ناگزیر ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ ''**غفر له ماتقدم من ذنبه وماتأخر**'' میں لفظ تأخر ہے؛ کیوں کہ تأخر کا وجود ہے ہی نہیں، کوئی بھی چیز ہوگئی تو وہ ماتقدم ہوگئی، بالکل اسی طرح یہاں موؤودہ کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ مقالہ اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے شائع ہونے والے مجلّہ ''الدراسات الاسلامیہ'' کی جلد: ۴۳، شمارہ: ۳، میں ۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

(۱۳) شرح الأحاديث النبوية: تأسيس وتطبيق (شرح حدیث کے بنیادی اصول وتطبیقات) اس میں شرح حدیث سے میری مراد بیان کرنے کے بعد اس کے مسائل کو تین محاور میں بیان کیا گیا ہے:

پہلا محور: شرح حدیث کے آداب: شارح مخلص ہو، علم میں اضافہ کی اس کی خواہش ہو، امانت دار ہو، شارح حدیث شرح کرتے وقت کسی مذہب کی طرف داری نہ کرے، صابر ہو اور شرح میں ایک اسلوب پر قائم رہے۔

دوسرا محور: شرح حدیث کے وسائل: عربی زبان، حدیث کا حوالہ، موضوع حدیث سے متعلق تمام حدیثوں کا احاطہ، حدیث کی مختلف سندوں میں وارد الفاظ کے اختلافات کا ذکر۔

تیسرا محور: شرح حدیث کا منہج: رُواۃ حدیث کے نام، لقب میں جس پر زبر، زیر، پیش لگانے کی ضرورت ہو، لگانا، رُواۃ کی تعیین کرنا، رُواۃ سند کا مختصر تعارف کرنا، حدیث میں کسی جگہ کا ذکر ہو تو اس کا تعارف، حدیث کی شرح میں لغت عرب، قرآن، دوسری احادیث وآثار، غریبِ حدیث کی کتابوں سے مدد لینا اور حدیث کا مفہوم اور اس کی مراد کا غیر جانبدارانہ ہو کر بیان کرنا، اگر حدیث منسوخ ہو تو اس کو بیان کرنا، جو عام یا خاص ہو یا مطلق ومقید ہو اس کو

ذکر کرنا، اگر حدیث کا تعلق دائمی تشریع سے ہے یا وقت وحالات کے تحت بدل جانے والا ہے، اس کی نشاندہی کرنا، اگر کسی حدیث میں بہت سارے مفہوم کی گنجائش ہو تو اسے بیان کر کے کسی ایک کو ترجیح دینا، کسی حدیث کے مفہوم میں علماء کے مختلف اقوال ہوں تو انھیں بیان کرنا اور کیوں ان میں یہ اختلافات ہوئے، اسے بتانا، شرح کے وقت شارح کی حتی المقدور یہ کوشش ہونی چاہیے کہ امت میں اتحاد واتفاق رہے اور آپسی اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کسی حدیث کے ظاہری مفہوم سے اسلام یا نبی اسلام پر کوئی الزام آتا ہو تو اس کو دور کرنا، حدیث کے الفاظ سے جو فوائد مستنبط ہو سکیں اس کا استنباط کرنا۔

یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی کے مجلّہ ''التجدید'' کی جلد: ۱۵، شمارہ: ۳۰، ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

(۱۴) توظيف السنة في ضوء الواقع المعاصر (عصر حاضر میں حدیث پر عمل) یہ مقالہ درحقیقت میرے دو مقالوں ۱، ۴ سے نکالا ہوا ہے؛ اس لیے اس کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ مقالہ انٹرنیشنل اسلامک کالج سلانجور کے مجلّہ ''الحدیث'' کے پہلے شمارہ میں شعبان ۱۴۳۲ھ، جولائی ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

(۱۵) حدیث ''لولا حواء لم تخن أنثى زوجها الدهر: إشكالية، أسباب، حلول (حدیث: اگر حواء نہ ہوتیں تو کوئی بھی عورت اپنے شوہر سے کبھی بھی خیانت نہ کرتی) یہ حدیث صحیحین میں ہے، اس حدیث میں خیانت سے بستر کی خیانت مراد نہیں ہے؛ بلکہ حواء نے ابلیس کے ورغلانے پر شجرہ ممنوعہ میں سے کچھ کھالیا اور کچھ نہ ہوا تو آدم کے سر پڑ گئیں کہ تم بھی کھالو، تب ہم لوگ ہمیشہ ہمیش یہاں رہیں گے اور انھوں نے کھالیا۔

درحقیقت اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے؛ مگر عصر حاضر کے بعض علماء کو لگا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو ہی نہیں سکتی؛ کیوں کہ ان کی سمجھ سے حدیث یہ کہہ رہی ہے کہ جنت میں حواء نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس درخت سے کھالیا،

جب کہ قرآن میں عصیان کی نسبت آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔ اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کردی گئی ہے۔

اس بحث میں مَیں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف نہیں ہے؛ کیوں کہ قرآن نے نہ تو اس حدیث میں وارد حقیقت کی تصدیق کی ہے اور نہ ہی تکذیب؛ بلکہ قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ شجرہ ممنوعہ سے کھانے میں پہل کس نے کی، آدم نے یا حواء نے؟ حدیث نے اس کی وضاحت کی کہ حواء نے پہل کی۔ اور رہی قرآن میں عصیان کی نسبت آدم کی طرف کیے جانے کا مسئلہ تو وہ اس لیے تھا کہ درحقیقت اصل مخاطب تو آدم ہی تھے، حواء تو ضمناً تھیں؛ اسی لیے جب حواء نے کھایا تو انھیں کچھ نہ ہوا کہ وہ مقصود بالذات نہیں تھیں اور جب حواء کے بار بار فورس کرنے پر آدم نے کھالیا تو وہ ہوا، جو قرآن میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تفسیر کرنے کا پورا حق دیا ہے؛ اس لیے آپ نے قرآن میں اُس غموض کو توڑا اور پہل کرنے والے کا نام بتایا۔

اور رہی بات اس حدیث کے اسرائیلیات میں سے ہونے کی تو درحقیقت یہ بات جس نے بھی کہی ہے، اس نے جلد بازی سے کام لیا ہے، وہ اس لیے کہ ہر اسرائیلیات مرفوض نہیں ہیں، اسرائیلیات تین طرح کی ہوتی ہیں: پہلی وہ اسرائیلی روایات جو اسلامی تعلیمات کے موافق ہیں تو انھیں کیوں نہ قبول کیا جائے۔ دوسری وہ اسرائیلی روایات جو اسلامی تعلیمات کی مخالف ہیں تو انھیں کیوں لیا جائے؟ تیسری وہ اسرائیلی روایات ہیں جن سے نہ اسلام کی مخالفت ہوتی ہے اور نہ موافقت، ان سے صرف قرآنی کسی واقعہ کی تفصیل ملتی ہے، کسی کا نام معلوم ہوتا ہے، جیسے: ''ابني آدم'' کے نام ''ہابیل وقابیل'' وغیرہ تو علماء نے اسے لینے کی اجازت دی ہے۔ اور موضوع بحث یہ حدیث اسی تیسری قسم میں سے ہے۔

یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی کے مجلّہ ''الإسلام في آسیا'' کی جلد: ۸، شمارہ: ۱، جون

۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

(۱۶) مصنف الإمام عبدالرزاق الصنعاني: تاريخ، تقييم، منهج (مصنف عبدالرزّاق کی کتاب مصنف کی تاریخ، مقام اور منہج)

یہ بحث درحقیقت میری بحث نمبر:۹، کا اضافہ شدہ ایڈیشن ہے، جس کا نام تھوڑا سا بدلا ہوا ہے؛ اس لیے اس کے تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ مقالہ پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے مجلّہ ''الدراسات الاسلامیہ'' کی جلد:۴۶، شمارہ:۳، شوال ۱۴۳۲ھ، ستمبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

(۱۷) العولمة والحداثة والتكنولوجيا وتحدياتها لما جاء في القرآن والسنة من تعاليم وقيم (گلوبلائزیشن، موڈرنیٹی، ٹکنولوجی کا قرآن کی تعلیمات کو چیلنج)

عنوان سے ظاہر ہے کہ اس بحث میں اُن تینوں چیزوں نے جو قرآن وحدیث کی تعلیمات کو چیلنج کیا ہے یا کرتی ہیں، ان سے بحث کی گئی ہے اور ان کا قرآن وحدیث کی روشنی میں رد کیا گیا ہے۔

گلوبلائزیشن کے چیلنج: اس نے پوری دنیا کی قوموں کو اللہ تعالیٰ، تقوی، طہارت، آخرت اور آخرت کے حساب سے دور کر دیا ہے، ننگے پن کو عام کر دیا ہے، مرد اور عورت کے مابین کھلا اختلاط، کسی بھی شخص پر یا کسی بھی چیز پر نقد کی آزادی، غور وفکر کی آزادی، اعتقاد کی آزادی، یہ ساری چیزیں قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔

موڈرنیٹی کے چیلنج: دین میں بہت کچھ ترمیم کر کے نئے قالب میں پیش کرنا؛ تاکہ غرب کے مفاہیم ومقاصد کے موافق ہو جائے، ہر وہ چیز جو انسان کی ہر بھوک کو آپس کی رضامندی سے مٹادے، وہ حلال ہے۔ یہ بھی بے انتہا غلط ارادے ہیں۔ غرب کی جو چیزیں اچھی ہیں وہ اچھی ہیں، مگر سب نہیں۔

تکنولوجی کے چیلنج: تکنولوجی بذاتِ خود بُری چیز نہیں ہے، اسے انسان برا بنانا چاہے

برا بنادے، اچھا بنانا چاہے اچھا بنادے، بالکل چاقو اور چھری کی طرح، جیسے یہ اپنے مفید استعمال سے اچھی اور برے استعمال سے بری۔ آج کل انٹرنیٹ، واٹشاپ، یوٹیوب وغیرہ وسائل فحش معلومات سے بھرے پڑے ہیں، اس میں ان وسائل کا کوئی گناہ نہیں ہے، انسان نے اس کو جیسے استعمال کیا، وہ ویسے استعمال ہوئے۔

یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی کے مجلّہ "الإسلام في آسیا" کے اسپیشل شمارہ میں دسمبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

(۱۸) منهج الشيخ الألباني في تضعيف بعض أحاديث الصحيحين (صحیحین کی بعض احادیث کی تضعیف میں شیخ البانی کا منہج)

شیخ محمد ناصرالدین البانی اصلاً البانیا کے ہیں، ان کے والد ہجرت کر کے شام میں بس گئے، یہ لوگ اصلاً حنفی مسلک کے تھے؛ مگر شیخ البانی نے حنفیت نہ یہ کہ چھوڑ دی؛ بلکہ اس سے نفرت کرنے لگے، یہ کسی مدرسہ یا کالج کے پڑھے ہوئے نہیں ہیں، زبان وقلم میں بڑی کڑواہٹ ہے، خاص طور سے احناف کے خلاف، یہ کسی فقہاء مذہب کو نہیں مانتے اور غیر مقلدین سے بہت قریب ہیں، ان کے اور شیخ زاہد کوثری اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے درمیان بڑی دشمنی تھی، یہ شدید الطبع اور زبان دراز مانے جاتے ہیں، ان کی تنقید سے کوئی نہیں بچا ہے، ان کا سارا علم مطالعاتی اور کتابی ہے، انھیں غیر مقلد حلقہ میں بڑی پذیرائی حاصل ہے، ان میں خوبی یہ ہے کہ انھوں نے حدیث کی ساری کتابوں کا مطالعہ کیا؛ حتی کہ دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں موجود حدیث ورجال حدیث کے تمام قلمی نسخوں کو بھی کھنگال ڈالا اور پھر انھوں نے بہت سی علمی کتابیں لکھیں، جو میرے نزدیک بڑی قابل قدر ہیں، خاص طور سے إرواء الغليل في تحريج أحاديث منار السبيل، سلسلة الأحاديث الصحيحة، وسلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة ہیں۔

شیخ البانی نے بخاری شریف ومسلم شریف کی چند حدیثوں کی تضعیف کی ہے، میں نے جب ان کی ان تضعیفات کا مطالعہ کیا تو محسوس کیا کہ انھوں نے ان کی تضعیف میں

محدثین کے قواعد وضوابط کو فولو کیا ہے، ان قواعد سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہی ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ ان تضعیفات میں کہاں تک صحیح ہیں اور کہاں تک غلط، اس کو میں نے اپنی دوسری بحث میں واضح کیا ہے، جس کا ذکر آخر میں آئے گا۔

یہ مقالہ پاکستان کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی مجلّہ ''الدراسات الاسلامیہ'' کی جلد:۴۷، پہلے شمارہ میں ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔

(۱۹) کتاب السنة ودورها في الفقه الجديد للأستاذ جمال البناء: دراسة نقدية (استاذ جمال البناء کی کتاب ''سنت اور جدید فقہ میں اس کا رول'' کا تنقیدی جائزہ)

یہ مقالہ درحقیقت میرے ایک دوسرے مقالہ کی من وعن کاپی ہے، جس کا ذکر تبصرے میں آئے گا۔

اس مقالہ کو ملیشیا کی انٹرنیشنل اسلامک کالج سے شائع ہونے والے مجلّہ ''الحدیث'' کے چوتھے شمارہ میں صفر ۱۴۳۴ھ دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔

(۲۰) البعدان الزماني والمكاني في السنة والتعامل معهما: تأصيل وتطبيق (سنت میں زمانہ وحالات اوران کے ساتھ تعامل کی بنیادیں اور تطبیقات)

یہ مقالہ بھی میرے ایک دوسرے مقالہ کی من وعن کاپی ہے، جس کا ذکر ان مقالات میں آئے گا، جو غیر تحکیم شدہ مجلّات میں شائع ہوئے ہیں۔

یہ مقالہ بھی مجلّہ ''الحدیث'' کے پانچویں شمارہ، شعبان ۱۴۳۴ھ جون ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔

(۲۱) حديث ''الأئمة من قريش في مواجهة التحديات المعاصرة (حدیث:الأئمة من قريش کا عصر حاضر کے چیلنجوں کا سامنا)

اس مقالہ کا مفصل تعارف ۲۷ر نمبر پر آنے والے مقالے میں کیا جائے گا، جسے

تھوڑی ترمیم کے بعد دوسرے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ بھی مجلّہ ''الحدیث'' کے چھٹے شمارہ، صفر۱۴۳۴ھ دسمبر۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔

(۲۲) المشكلة الاقتصادية وحلها في ضوء السنة النبوية

(اقتصادی مشاکل کا سنت کی روشنی میں حل)

اس میں پہلے اقتصاد اور اقتصاد اسلامی کی تعریف کی گئی ہے، پھر مشکلہ اقتصادیہ کا مفصل بیان کیا گیا ہے، پھر مشکلہ اقتصادیہ کی ابتدا اور اس کے عناصر پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر مشکلہ اقتصادیہ اسلامیہ کے مفہوم سے تعرض کیا گیا ہے، پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکومت، اقتصادی پرابلم کا حل کیا نکالے؟ اور یہ سارے مسائل حدیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

یہ مقالہ ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' دارالعلوم وقف دیوبند کے مجلّہ ''وحدۃ الأمۃ'' کے پہلے شمارے میں، جنوری ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔

(۲۳)إشكالية نقصان عقل المرأة ودينها: دراسة حديثية فكرية (حدیث ناقصات عقل ودین میں اشکال کا فکری زاویے سے حل)

یہ بحث درحقیقت میری چھٹی بحث کا من وعن نسخہ ہے، عنوان بدل کر شائع کیا گیا ہے۔

اسے مجلّہ ''وحدۃ الأمۃ'' کے دوسرے شمارہ اگست ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔

(۲۴) أصول ومبادئ التعامل مع السنة المشرفة من عصر النبي ﷺ وحتى عصر ابن القيم المتوفى: ۷۵۱هـ (نبی ﷺ کے زمانے سے لے کر ابن قیمؒ متوفی: ۷۵۱ھ کے زمانے تک سنت کے ساتھ تعامل کے اصول وضوابط)

یہ بحث درحقیقت بحث نمبر۳ کو تھوڑا مختصراً پیش کیا گیا ہے؛ اس لیے اس کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

یہ مقالہ مجلّہ ''وحدۃ الأمۃ'' دارالعلوم وقف دیوبند کے شمارہ:۴ میں شوال ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔

(۲۵) حدیث ”خلق العناصر الأربعة: دلالاته العرفانية والخلقية وأبعاده العلمية (حدیث میں چاروں عناصر کی تخلیق: اس میں چھُپے عرفانی واخلاقی اور علمی حقائق کا بیان)

اس مقالہ میں اس حدیث کی مفصل شرح ہے، جس میں مٹی، آگ، پانی اور ہوا کو دنیا کی تخلیق کے عناصر اربعہ کہا گیا ہے، یہ درحقیقت حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اس محاضرے کی تلخیص ہے، جو انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۲۸ء میں دیا تھا۔

یہ مقالہ ہماری یونیورسٹی کے مجلّہ ”التجدید“ کی جلد: ۲۰، شمارہ: ۳۹، ۱۴۳۷ھ، ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔

(۲۶) المستشرقون ونزعتهم التشكيكية في السنة النبوية (سنت کے بارے میں مستشرقین کا تشکیکی رویہ)

اس میں پہلے مستشرقین کا تعارف، کب ان کا ظہور ہوا، ان کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر سنت کے بارے میں ان کے شکوک وشبہات پر رد کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ دارالعلوم کالج قاہرہ کے مجلّہ کے شمارہ: ۸۷، جنوری ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔

(۲۷) الإمامة العظمى في الإسلام جدارة وأهلية أم نسب وعرق: دراسة حديثية مقارنة (اسلام میں امامت عظمیٰ کی بنیاد اہلیت پر یا نسب پر: حدیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں)

چند احادیث میں امامت عظمیٰ کو قبیلۂ قریش کے ساتھ قیامت تک کے لیے خاص کیا گیا ہے، بعض میں بلا کسی شرط وقید کے، اور بعض میں تین قیدوں کے ساتھ کہ جب تک قریش رحم طلب کرنے والوں پر رحم کرتے رہیں گے اور عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرتے رہیں گے اور وعدوں کو پورا کرتے رہیں گے، تب تک امام المسلمین ان ہی میں سے ہوں گے۔ ان احادیث میں بعض اسناد کے اعتبار سے صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں۔

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ امامت عظمیٰ قریش میں ہی رہے گی، گویا یہ احادیث سب تشریعی ہیں اور امامت عظمیٰ کا قریش میں رہنا واجب ہے۔ جمہور کے اس مفہوم کی وجہ سے اس کو بہت سارے چیلنج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پہلا: خوارج ومعتزلہ کی اکثریت اور اہل سنت والجماعت میں سے امام جوینی نے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو ہی نہیں سکتا؛ اس لیے ان کے نزدیک امام کسی بھی قبیلہ کا ہوسکتا ہے، بشرطیکہ اس کے اندر حکومت کرنے کی صلاحیت ہو۔ معاصرین میں سے بھی بعض علماء نے بڑی جرأت کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ یہ ساری حدیثیں گڑھی ہوئی ہیں، اموی، عباسی اور فاطمی خلفاء نے انھیں گڑھوائی ہیں۔

کچھ نے کہا کہ یہ احادیث دوسری بہت ساری حدیثوں سے ٹکراتی ہیں؛ اس لیے یہ قبول کیے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ ان احادیث سے امت کا شیرازہ بکھرتا ہے اور یہ عنصریت اور قبائلی عصبیت کی دعوت دیتی ہیں، جب کہ اسلام اس سے بری ہے۔

لیکن عام علماء نے ان احادیث کے سنداً صحیح یا حسن ہونے کی وجہ سے انھیں قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے؛ البتہ اس کی مختلف تاویلات کی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) بعض نے کہا کہ قرشیت کی شرط تشریعی نہیں؛ بلکہ اس زمانے کے لحاظ سے لگائی گئی ہے کہ اس زمانے میں قبیلۂ قریش کو عام قبائل میں جو مقام حاصل تھا اور انھیں جو مقبولیت تھی، وہ کسی قبیلہ میں نہ تھی، حکومت کی جو صلاحیت ان میں تھی کسی اور قبیلہ میں نہ تھی؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرشیت کی شرط بطور اکزامپل کے لگائی ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہنا چاہا تھا کہ "**الأئمة من الأكفاء كقبيلة قريش**" یعنی امام باصلاحیت ہونا چاہیے، جیسا کہ قبیلۂ قریش کے لوگ ہوتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ قرشیت کی شرط مصلحتاً لگائی گئی ہے، ان لوگوں کے قول اور پچھلے قول میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

(۳) بعض لوگوں نے کہا کہ قرشیت کی شرط اللہ تعالیٰ کی طاعت اور صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے۔

(۴) بعض نے کہا کہ قرشیت کی شرط استحبابی ہے، وجوبی نہیں۔

ان تمام تاویلات میں کچھ نہ کچھ ایسا پرابلم ہے کہ اسے قبول کرنے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی؛ کیوں کہ بعض احادیث میں جو ''إلی قیام الساعة'' کی قید ہے وہ کسی بھی سابقہ تاویلات کا ساتھ نہیں دیتی؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کی ایسی تاویل کی جائے، جس میں وہ پرابلم نہ آئے۔

تو میں نے یہ تاویل کی ہے کہ قرشیت کی شرط تشریعی نہیں، مصلحتاً نہیں؛ بلکہ بشری فطری ہے، یعنی ہر انسان کا بشری تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اس کو، اس کی اولاد کو، اس کے قبیلے والوں کو اچھا مقام ملے اور حکومت سے اچھا مقام کیا ہوسکتا ہے؛ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا: ''إني جاعلك للناس إماما'' کہ میں تمھیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تو آپ نے فرمایا: ومن ذریتي اور میری اولاد کو بھی، جسے اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر لاینال عهدي الظالمین یعنی تمہاری ذریت میں سے ظالم کو وہ نہیں ملے گی؛ لیکن ان میں جو صالح ہوگا، جیسے اسحاق و یعقوب تو اسے مل سکتی ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی: اے رب! مجھے حاکم بنا اور صالحین سے ملا دے۔

لیکن چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے؛ اس لیے قرشیت کی بشری شرط لگاتے ہوئے آپ نے اسے صلاحیت سے مشروط کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی صالح ذریت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کو دیا۔ میری اس بحث پر کوئی بھی رائے قائم کرنے سے پہلے میری گزارش ہے کہ اسے پڑھا جائے، پھر کوئی رائے قائم کی جائے۔

یہ مقالہ یونیورسٹی کے مجلّہ ''التجدید'' کے شمارہ: ۲۱، دسمبر ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔

(۲۸) معالم الدكتور محمد مصطفى الأعظمي في الرد على مطاعن المستشرقين حول السنة (حدیث پر مستشرقین کے شکوک

وشبہات پر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کے جواب کے خدوخال)

ڈاکٹر صاحب ہمارے مئوناتھ بھنجن کے رہنے والے، ایک حنفی عالم اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، پھر انھوں نے جامعہ ازہر سے ماسٹر کیا اور لندن سے پی ایچ ڈی کی، اور مختلف ملکوں میں تدریسی خدمات انجام دیں، آخر میں وہ جامعۃ الملک سعود ریاض میں رہے اور وہیں ریٹائرڈ ہوئے۔ انھوں نے کئی مایۂ ناز کتابیں لکھیں، جن پر انھیں ''ملک فیصل ایوارڈ'' سے نوازا گیا، انھوں نے حدیث کے بارے میں مستشرقین کے شکوک وشبہات کے رد پر پی ایچ ڈی کی تھیسیس لکھی۔

اس مقالہ میں مَیں نے ان ہی خدوخال کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، جو انھوں نے اپنے رسالہ میں پیش کیا ہے، اور یہ ان کے ۲۴ معلَم پر مشتمل ہے، جو اس طرح ہیں:

۱-: مستشرقین کا بلا دلیل دعوی کرنا اور ان کے دعووں کا دلائل کے معارض ہونا۔

۲-: مستشرقین کا موضوع سے متعلق ساری نصوص سے مدد نہ لینا۔

۳-: مستشرقین کے دعووں کا نصوص کے خلاف ہونا۔

۴-: عرب ثقافت کا غلط تصور پیش کرنا۔

۵-: اموی دور کی ثقافتی حرکت کا تصور پیش کرنے میں غولدزیہر کا ایک نامعلوم مؤلف کی کتاب اور شیعہ کی کتابوں پر اعتماد کرنا۔

۶-: غولدزیہر کا کسی جزوی قضیہ کو پورے عالم اسلام کا قرار دینا اور اس کے اخذ کردہ نتائج کا نصوص سے میل نہ کھانا۔

۷-: مستشرقین کے دعووں کا واقع سے موافقت نہ کرنا۔

۸-: مستشرقین کے دعووں کا تاریخی حقائق کے مخالف ہونا۔

۹-: سند حدیث پر بحث ومباحثہ کرنے کے لیے مستشرقین کا صحیح مٹیریل کا اختیار نہ کرنا۔

۱۰-: ''سند کا بڑا حصہ یوں ہی وجود میں آگیا'' شاخت نے اپنے اس نظریہ کی

بنیاد خود اس کی چھانٹی ہوئی ضعیف حدیثوں پر رکھی۔

۱۱-: مستشرقین کا حدیث میں طباعت کی غلطی سے فائدہ اٹھانا۔

۱۲-: غلط گمان اور خیالی تخمینہ لگانا۔

۱۳-: کسی ایک حدیث کی کئی سندیں ہوں اور پیچھے کا کوئی راوی سب سندوں میں مشترک ہو، اور اُن سب سندوں میں اس مشترک راوی کے شیوخ مختلف ہوں تو شاخت نے اس پیچھے والے مشترک راوی پر یہ بات تھوپی کہ اس نے اپنے بعد کی سندیں گڑھی ہیں۔ وہ اس نظریہ کو ''**نظرية القذف الخلفي**'' کہتا ہے۔

۱۴-: انسانی فطرت کی توہین کرنا۔

۱۵-: اسانید کی بحث وتمحیص کے لیے مستشرقین کا احادیث کی کتابوں پر اعتماد نہ کر کے سیرت اور فقہ کی کتابوں سے انتخاب کرنا۔

۱۶-: شاخت نے اسانید کی بحث وتمحیص کے لیے جو مثالیں دی ہیں، خود ان مثالوں کا اس کے خلاف پڑنا۔

۱۷-: شاخت کے خود اپنے اقوال کا آپس میں متناقض ہونا اور حقیقت واقع کا اس کی غلطی کی گواہی دینا۔

۱۸-: شاخت کا انسانی طبائع کا مخالف ہونا۔

۱۹-: غولدزیہر کا تاریخ کی مخالفت کرنا۔

۲۰-: شاخت کا عقل ومنطق کے خلاف جانا۔

۲۱-: شاخت کو الزامی جواب۔

۲۲-: شاخت کی غلط فہمی۔

۲۳-: محدثین کی اصطلاح ''حدثنا، أخبرنا'' کے مفہوم سے مستشرقین کی ناواقفیت۔

۲۴-: محدثین کے نزدیک حدیث کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ اس سے مستشرقین کی

ناواقفیت۔

یہ ہیں وہ معالم شیخ کے جن کی انھوں نے پُرزور انداز سے تردید کی ہے۔ یہ مقالہ ترکی کی ابن خلدون یونیورسٹی کی کتاب "**محمد مصطفى الأعظمي**" میں شائع ہوا ہے اور یہ کتاب ۲۰۱۹ء میں شائع ہوئی ہے۔

(۲۹) معايير الشيخ الألباني لتضعيف بعض الأحاديث في صحيح البخاري ومدى صحة دعواه (شیخ البانی کے صحیح بخاری کی بعض احادیث کی تضعیف کے اصول اور وہ اپنے اس دعوے میں کہاں تک حق پر ہیں؟)

یہ بحث درحقیقت بحث نمبر ۱۷ میں کچھ اضافہ کرکے پیش کی گئی ہے، انھوں نے بخاری شریف کی ۸/حدیثوں کی تضعیف کی ہے، جن میں سے میری تحقیق کے مطابق وہ چھ میں غلط ہیں اور دو میں صحیح۔

جن اسباب کی وجہ سے شیخ البانی نے بخاری شریف کی بعض حدیثوں کو ضعیف قرار دیا، درحقیقت وہ محدثین کے ہی وضع کردہ قواعد ہیں، انھوں نے ان قواعد کو بخاری شریف کی اُن چند احادیث پر لاگو کیا ہے۔ وہ اسباب یہ ہیں:

۱-: شذوذ کی وجہ سے: ایک حدیث کے ایک جملہ "**ينشئ للنار**" کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی دوسری تمام روایتوں میں "**ينشئ الله لها أي للجنة**" چوں کہ بخاری شریف کی یہ روایت تمام روایتوں کے خلاف ہے؛ اس لیے اسے "شاذ" کہہ کر اس کی تضعیف کی ہے، دوسرے ائمہ کرام نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میری تحقیق کے مطابق یہاں شیخ البانی حق پر ہیں۔

۲-: ادراج کی وجہ سے: انھوں نے بخاری شریف کی ایک حدیث میں ایک جملہ کو ضعیف کہا ہے، اس حدیث میں صحابی کے قول کو اس طرح حدیث کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، جیسے کہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو۔

یہاں شیخ جس جملہ کو مدرج کہہ رہے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے، وہ جملہ بھی نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کا ہی قول ہے، کسی اور کے قول کو حدیث میں داخل نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ شیخ کا گمان ہے۔

۳-: نکارت کی وجہ سے: ایک حدیث میں ایک لفظ کو شیخ نے یہ کہہ کر ضعیف کہا ہے کہ وہ ''منکر'' ہے، یعنی یہ لفظ اس حدیث کی دوسری روایات میں نہیں آیا ہے، جو دوسری سندوں سے مروی ہیں، یہ صرف ایک سند سے مروی الفاظ ہیں؛ اس لیے منکر یعنی غیر معروف ہے۔

شیخ اپنی اس تضعیف میں غلطی پر ہیں؛ کیوں کہ دلائل ان کا ساتھ نہیں دیتے۔

۴-: سند کے کسی ایک راوی کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے: شیخ نے بخاری شریف کی دو مکمل حدیثوں کو ضعیف کہا ہے، جن میں سے پہلی میں وہ مجھے صحیح لگتے ہیں اور دوسری میں غلط۔

۵-: سند کے کسی ایک راوی کے ضعف کی وجہ سے: شیخ نے بخاری شریف کی تین حدیثوں کو ضعیف کہا ہے، شیخ تینوں ہی دعووں میں غلط ہیں۔

یہ بحث ابن خلدون یونیورسٹی استنبول سے شائع شدہ کتاب ''**صحيح البخاري مقاربة تراثية ورؤية معاصرة**'' کے پہلے ایڈیشن ۲۰۲۰ء میں ص: ۲۴۵ سے ۲۶۸ شائع ہوئی ہے۔

غیر تحکیم شدہ مقالات:

(۱) البعد الزماني والمكاني وأثرهما في فهم السنة (زمان ومکان کا فہمِ حدیث پر اثر)

شاید یونیورسٹی میں یہ میرا پہلا مقالہ تھا اور اس وقت اسلامائزیشن آف نالج کا بڑا بول بالا تھا، جسے دیکھو وہ اسلامیۃ المعرفہ کا نام جپ رہا ہوتا تھا، جسے دیکھو وہ اسلامیۃ المعرفہ پر لکھ رہا ہے، مجھ سے بھی کہا گیا کہ میں بھی کچھ خامہ فرسائی کروں تو میں نے بہت بچتے بچاتے یہ مقالہ لکھا، جس میں مَیں نے پہلے تو قرآن میں دیکھا کہ کیا اس میں زمانہ وحالات

کی رعایت کی گئی ہے یا نہیں؟ تو مجھے کئی مثالیں ملیں، جن میں سے چار کا میں نے یہاں ذکر کیا، پھر حدیث میں دیکھا تو اس میں بہت سی مثالیں ملیں، جن میں سے چھ کا میں نے یہاں ذکر کیا ہے، پھر دیکھا کہ کیا صحابہ کے یہاں بھی زمانہ وحالات کی رعایت ملتی ہے یا نہیں؟ تو بہت ساری مثالوں میں سے چار مثالوں کا ذکر کیا، پھر تابعین کے چار واقعات ذکر کیے، پھر میں نے سیاسی حالات، علاقائی، عرفی، اقتصادی، امنی حالات پر کچھ حدیثیں پیش کی ہیں؛ تاکہ اس پر میں خود بھی غور وفکر کروں اور دوسرے علماء بھی۔

یہ مقالہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مجلّہ ''البعث الإسلامي'' کے عدد ۹و۱۰، ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲) اتجاه تقسيم السنة إلى تشريعية وغير تشريعية بين الجحود والتأييد (سنت کی تشریعی وغیر تشریعی تقسیم: انکار وقبول کے درمیان) یہ بحث درحقیقت میری کتاب ''**اتجاهات في دراسات السنة**'' کا ایک چیپٹر ہے؛ اس لیے اس کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

یہ مقالہ دارالعلوم دیوبند کے مجلّہ ''الداعي'' کے ساتویں شمارہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

(۳) تصحيح الحديث وتضعيفه في العصور المتأخرة: الشيخ الألباني نموذجاً (متأخر زمانے میں حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگانا کیسا ہے؟ شیخ البانی اس کی ایک زندہ مثال ہیں)

اس مقالے میں حدیث پر حکم لگانے کا مطلب اور اس کی شرط بیان کرنے کے بعد اس کی تاریخی نشو ونما پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر شیخ البانی کی سوانح حیات پر مختصراً بات کی گئی ہے، ان کی زبان، پڑھائی، ان کے اساتذہ اور تلامذہ اور علم حدیث میں ان کی گہرائی وگیرائی، ان کی تالیفات، لوگوں کی ان کے بارے میں آراء اور شبہات۔

یہ مقالہ مجلّہ ''الداعي'' کے دو شمارے ۳،۴، ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

بارہواں باب

مراجعات کتب (بک ریویو)

(۱) کتاب " العودة" إلی القرآن "للأستاذ قاسم احمد المالیزی (استاذ قاسم احمد کی کتاب "قرآن کی طرف واپسی" کا ریویو)۔

قاسم احمد نے جنوب مشرقی ایشیا میں اہل قرآن کی بنیاد ڈالی، اور حدیث کے سلسلے میں انھوں نے یہ کتاب لکھی۔ کتاب کے بنیادی افکار یہ ہیں:

امام شافعیؒ سے پہلے حدیث کو کوئی مرجعیت حاصل نہ تھی۔ امام شافعیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مرجعیت وحجیت حدیث کا نظریہ ایجاد کیا۔ مصنف کا خیال ہے کہ حدیثیں نبی کریم ﷺ سے صادر ہی نہیں ہوئیں بلکہ بعد کی مذہبی اور فقہی جماعتوں نے گڑھی ہیں۔

حدیث کے امت پر برے اثرات۔ انکارِ حدیث کو تقویت پہنچانے والے شکوک وشبہات۔ قرآن وحدیث کے درمیان اتفاق کا نظریہ امام شافعیؒ نے حدیث کے سلسلے میں اپنے موقف کو بچانے کے لئے ایک حیلہ کے طور پر بنایا ہے۔ تفسیر کا علمی منہج۔

یہ ہیں اس کتاب کے بنیادی افکار جن کا میں نے اس ریویو میں اپنے علم کے مطابق رد کیا ہے۔

یہ ریویو مجلّہ التجدید کے چوتھے شمارے ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ (اگست ۱۹۹۸ء) میں شائع ہوا۔

(۲) کتاب "السنة ودورها فی الفقه الجدید" للأستاذ جمال البناء (استاذ جمال البناء کی کتاب "سنت اور فقہ جدید میں اس کا کردار")۔ استاذ جمال البناء ایک بڑے محدث بنّاء ساعاتی کے فرزند، اور جماعۃ اخوان المسلمین کے بانی حسن

البناء کے سگے بھائی تھے۔ یہ اپنے باپ البناء ساعاتی کی خدمات اور اپنے بھائی حسن البناء کی قربانیوں سے بہت دور رہے۔ اشتراکی رائے اور فکر کے حامل تھے۔ ساری عمر لیبر کے قضایا اور دنیا کی بائیں بازو کی تنظیموں کے لئے کام کرتے رہے۔ مرنے سے چار پانچ سال پہلے ان کے آقاؤں نے حدیث پر ضرب لگانے کے لئے ان کے قلم کو خرید لیا، اور یہ جمال البناء سے قبح البناء بن کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ **أعاذنا الله منها**

کتاب کے بنیادی افکار:

سنت صرف عمل اور فعل کو کہا جاتا ہے، قول، تقریر اور صحابہ وتابعین کے اقوال وفتاویٰ کو سنت نہیں کہا جاتا جیسا کہ موجودہ فقہ کہتی ہے۔ فعلی سنت کے ذریعہ جو احکام آئے ہیں وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے نہیں ہیں۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ حدیث گڑھنے کا سلسلہ تو نبی کے زمانے سے ہی شروع ہوگیا تھا، (میں نے اس کے رد میں مکمل ایک مقالہ لکھا ہے، جس کا ذکر محکم مقالات میں نمبر ۴ پر ہے)۔ مصنف یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حدیث اور رجال حدیث پر حکم لگانے کے محدثین نے جو قواعد واصول بنائے وہ سب شخصی اور انفرادی ہیں، پھر مصنف نے دوسرے قواعد واصول بنائے جو اُن کی ہوائے نفس کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ اگر حدیث کو قرآن پر پیش کیا جائے تو ان کے خیال کے مطابق حدیث کا آدھا حصہ اپنے آپ ہماری زندگی سے نکل جائے گا۔

میں نے مصنف کے ان تمام خیالات ومزعومات اور آراء کا مفصل رد کیا ہے۔ یہ مقالہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے عربی مجلّہ ''البعث الاسلامی'' کے شمارہ ۸/۹/۱۰/ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء اور شمارہ ۱، شعبان ورمضان ۱۴۲۲ء/ اکتوبر ونومبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔

(۳) کتاب ''دراسة نقدية في علم مشكل الحديث'' للأستاذ ابراهيم العسعس (استاذ ابراہیم عسعس کی کتاب ''علم مشکل الحدیث میں نقدی پہلو)۔

اس کتاب کو محترم عسعس نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے

''**سلسلة إحياء علوم الحديث** '' کا تعارف کرایا ہے۔اس کو'' **إحياء علوم الحديث** '' کے بجائے'' **تصفية الأحاديث الصحيحة** '' کہتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

دوسرے حصے میں انھوں نے علم مشکل الحدیث کے بارے میں خامہ فرسائیاں کی ہیں۔ان کے افکار یہ ہیں:

اس علم کو مشکل الحدیث کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ حدیث میں واقعتہً اشکال ہے (میرے نزدیک یہ بچکانا سوچ ہے، قرآن میں کچھ آیات کو''متشابہات'' کہا گیا ہے، تو کیا وہ واقعتہً متشابہات ہیں، یا مخاطب کے اعتبار سے ہیں)۔

''**المشكل** '' کی جو تعریف پہلے اور آج کی جارہی ہے محترم عسعس اس سے خوش نہیں ہیں، کیونکہ انھیں علم المشکل اور ظاہرۃ المشکل میں خلط نظر آیا، اور یہ کہ ان لوگوں نے ظاہرۃ المشکل کی حقیقت کی صحیح تحدید نہیں کی، اس لئے انھوں نے ایک نئی تعریف لانے کی بلا وجہ زحمت اٹھائی۔ کہتے ہیں: **علم المشكل مجموعة القواعد والمناهج التى أرشد إليها الكتاب والسنة ، التزم بها الصحابة فى التعامل مع النصوص وفهمهما** ۔دور کی جو کوڑی محترم لائے ہیں، یہ تو اصول فقہ، علوم القرآن وغیرہ علوم پر بھی صادق آتی ہے، یہ تعریف جامع و مانع نہیں ہے۔

یہ اور اسی طرح کے افکار ہیں، پوری بحث پڑھی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

یہ بحث مجلّہ التجدید کے شمارہ ۱۴، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ (اگست ۲۰۰۳ء) میں شائع ہوئی۔

☆☆☆☆☆

تیرہواں باب

تقاریظ

کسی کتاب یا مضمون کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنا تقریظ کہلاتا ہے، جو عام طور پر تعریفی وتائیدی کلمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ تقریظ عام طور پر ایسے شخص سے لکھوائی جاتی ہے جو علمی میدان میں یک گونہ شہرت اور امتیازی حیثیت کا مالک ہو۔ میرے دوستوں اور شاگردوں نے اپنے حسن ظن کی بنا پر مجھے اس لائق سمجھا کہ اپنی کتابوں پر تقریظیں لکھوائیں، ذیل میں ان کتابوں کے نام دئے جارہے ہیں جن پر میں نے تقریظ لکھی:

۱۔ کتاب ''**سبب ورود الحديث: ضوابط ومعايير**'' [اسباب حدیث کے قواعد وضوابط] یہ میرے بڑے ہی محسن اور عزیز شاگرد ڈاکٹر محمد عصری بن زین العابدین مفتی ولایۃ پرلیس کا پی ایچ ڈی کا رسالہ ہے، جو میرے اشراف میں پہلا رسالہ تھا۔ اس کو موصوف نے میری تقریظ کے ساتھ کتابی شکل میں ہماری یونیورسٹی کی طرف سے شائع کیا۔

موصوف نے اس کے لکھنے میں قابل قدر محنت کی ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک نئی چیز ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۔ کتاب ''**الأحاديث التي سكت عنها الحاكم والذهبي معاً**'' [امام حاکم اور ذہبی نے جن احادیث پر حکم لگانے سے سکوت اختیار کیا ہے] یہ کتاب ایم اے کی میری دو شاگرد خاتون: نور الخیر یہ۔ ملیشین، اور فائلہ یاما۔ تھائی لینڈین کے ایم اے کا رسالہ تھا، جو میرے اشراف میں تیار کیا گیا تھا، اور ممتحنین نے اسے ممتاز پوزیشن سے نوازا تھا، اس لئے ہماری یونیورسٹی نے اسے میری تقریظ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

۳۔ کتاب '' حدیث تجدید دین: ایک تاریخی اور فکری تجزیہ'' یہ کتاب میرے عزیز

ترین شاگرد مولانا مفتی ڈاکٹر یاسر ندیم واجدی کی مایۂ ناز تصنیف ہے، میں نے ان کی کوشش کو سراہا ہے اور حقیقت میں یہ سراہے جانے کے لائق ہے۔ موصوف کی یہ کتاب اس باب میں علم کا ایک ذخیرہ ہے، کتاب دیکھنے کے بعد ہی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

۴۔ کتاب ''**الشيخ المفتي محمد شفيع العثماني وإسهاماته في فقه النوازل دراسة تحليلية نقدية**'' [مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی اور نئے مسائل میں ان کی فقہی آراء] یہ کتاب میرے بے انتہاء عزیز ونجیب الطرفین شاگرد مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی کے ماسٹر کا رسالہ ہے، جسے انھوں نے خود بعد میں حجۃ الاسلام اکیڈمی دیوبند سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہ موضوع پر ایک اہم کتاب ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب کی قیمتی آراء کا عمدہ طریقہ سے احاطہ کیا گیا ہے۔

۵۔ کتاب ''**جهود الإمام انور شاه الكشميري في السنة وعلومها**'' [حدیث اور علوم حدیث میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خدمات] یہ کتاب بھی عزیزی مولانا محمد شکیب قاسمی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، جو دراصل ان کے پی ایچ ڈی کا رسالہ ہے، جسے انھوں نے میری تقریظ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا۔ جس میں بڑی محنت کے ساتھ عمدہ طریقہ سے علامہ انور شاہ صاحب کی خدمات حدیث کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۶۔ کتاب ''**إعداد الفرد المسلم في ظلال السنة النبوية الشريفة : دراسة موضوعية تحليلية**'' [سنت کی روشنی میں مسلمان کو کیسا ہونا چاہئے؟] یہ ملک شام کی رہنے والی میری شاگرد منال احمد جبّہ کی تھیسس ہے جو میرے زیر اشراف لکھی گئی ہے، اور ممتاز پوزیشن کے ساتھ کامیاب قرار دی گئی، اسی لئے ہماری یونیورسٹی نے اسے شائع کرنے کی منظوری دی ہے، اب یہ میری تقریظ کے ساتھ شائع ہوگی۔

۷۔ کتاب ''**خلق الإنسان بين السنة والمكتشفات العلمية**'' [سنت اور موجودہ طب کی روشنی میں انسان کی تخلیق] یہ میرے نائیجیریا کے شاگرد ڈاکٹر آدم محمد مصطفیٰ جدکاوی کا پی ایچ ڈی کا رسالہ ہے، جسے ممتاز پوزیشن حاصل ہوئی، اسی لئے ہماری یونیورسٹی

نے میری تقریظ کے ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

۸۔ کتاب ''**المباحث السَّنِيَّة فی مقاصد الشريعة** ''[مقاصد شریعت سے متعلق عمدہ مباحث] یہ میرے بنگلہ دیش کے شاگرد ڈاکٹر شہید الاسلام فاروقی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب انھوں نے یونیورسٹی کے ایم اے کے طلباء کے لئے لکھی ہے، اور میری تقریظ کے ساتھ شائع کی ہے۔ اپنے موضوع پر یہ ایک بہترین گلدستہ ہے جس میں مختلف باغوں کے پھول جمع کر کے یہ حسین گلدستہ تیار کیا گیا ہے۔

۹۔ کتاب ''**التعالم مظاهره وأخطار ه فی ضوء السنة النبوية** ''[حدیث کی روشنی میں علم کا دعویٰ اور اس کے خطرناک نتائج] یہ میرے شاگرد ڈاکٹر سید عبدالماجد غوری کی اہلیہ خدیجہ فاطمہ بنت سید مختار الدین کا ماجستر کا رسالہ تھا جو ملایا یونیورسٹی سے پاس کیا گیا تھا اور میں اس کا ممتحن تھا۔ بعد میں میری تقریظ کے ساتھ یہ شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں علم کے بلند و بانگ دعاوی کی شدید مذمت کی گئی ہے، اور اس کی جتنی شکلیں ہوسکتی ہیں سب کو اجاگر کیا گیا ہے اور اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر یہ ایک منفرد تصنیف ہے۔

چودہواں باب

تحقیقات وتعلیقات

میں اس میں ان کتابوں کا ذکر کروں گا، جن کی میں نے تحقیق وتعلیق کی ہے۔

(۱) الزهد للإمام هناد بن السری (اس کی تحقیق پر مجھے ماجستر (ایم اے) کی ڈگری ملی)۔ اس کا مناقشہ (VIVA) ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء میں ہوا تھا۔ اور مجھے ممتاز پوزیشن سے کامیابی ملی۔ بعد میں اس کتاب کو تین جلدوں میں إحیاء التراث الاسلامی دوحہ، قطر نے شائع کیا۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

(۲) بیان مشکل الآثار للإمام الطحاوی. الجزء الثامن۔ یہ کتاب دکتوراہ کے مختلف طلباء پر تحقیق کے لئے تقسیم کی گئی تھی۔ میرے حصہ میں اس کا آٹھواں حصہ آیا جو اس کا آخری حصہ بھی تھا۔ اس کا مناقشہ ۱۴۱۲ء مطابق ۱۹۹۲ء میں ہوا اور مجھے ممتاز پوزیشن سے نوازا گیا۔ لیکن یہ کتاب شائع نہ ہوسکی۔

(۳) التذکرة بأحوال الموتیٰ وأمور الآخرة للإمام القرطبی۔

اس کتاب کے بہت سے نسخے میں نے دیکھے، محقق بھی اور غیر محقق بھی۔ سب میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ تجارتی انداز میں عجلت کے ساتھ تحقیق کر کے کتاب چھاپ دی گئی۔ تحقیق کا حق کسی میں ادا نہیں کیا گیا ہے۔

میں نے اس کی تحقیق میں کئی نسخوں سے مقارنہ کے بعد جو صحیح لگا اسے متن میں جگہ دی اور باقی کی طرف حاشیہ میں اشارہ کر دیا۔ کسی بھی حدیث، یا اثر کی تخریج سے پہلے اس کا درجہ لکھا، پھر تخریج کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن میری تحقیق سے تین ضخیم جلدوں میں ہمارے جامعہ کی جمل اللیل چیئر نے ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء میں شائع کیا۔

پندرہواں باب

وقائع وحوادث

انسان کی سانسیں جب تک چلتی ہیں اور وہ چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہتا ہے تب تک اسے زندگی کے ہر موڑ سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر اسے خوشی ومسرت کے لمحات میسر آتے ہیں تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ غم واندوہ اور صدمات سے بھی دوچار ہوگا، اس لئے کہ دنیا کی رِیت یہی ہے۔ مجھ پر بھی خوشیاں آئیں اور صدمات وغم سے بھی دوچار ہوا، جن میں سے بعض کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ یہاں میں اپنی زندگی کے چند واقعات وحوادث کا ذکر کروں گا جنھوں نے میری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

والدہ محترمہ کے انتقال کا المناک سانحہ:

مائیں شفقت ومحبت اور پیار والفت کا مظہر ہوتی ہیں، جہاں عام لوگوں کے ایثار وقربانی کی انتہا ہوتی ہے، وہیں سے اولاد کے حق میں ماؤں کی قربانیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ میری والدہ کا نام ہاجرہ خاتون تھا، جو میرے نانا محمد سعید مجاہد کی اولادوں میں سب سے بڑی تھیں، میں اپنے نانیہال کا تفصیلی ذکر ابتدائی صفحات میں کر چکا ہوں۔ والدہ ماجدہ ایک گھریلو خاتون تھیں، وہ نماز روزے کی پابند اور دینی کتابوں سے بڑا شغف رکھتی تھیں، بڑی سلیقہ مند اور گھریلو امور میں طاق تھیں۔

میں ان کی پہلی اولاد تھا، ان کی اور والد صاحب کی دلی خواہش تھی کہ اس لڑکے کو مولویانہ پڑھایا جائے۔ میں اپنے بچپن کے احوال میں لکھ چکا ہوں کہ کس قدر شریر تھا، وہ پڑھنے پر مجھے کافی زور دیتی تھیں، ہمیشہ نہایت پیار اور دلسوزی کے ساتھ سمجھایا کرتیں کہ پڑھ لکھ کر اچھے آدمی بنو، دیگر ماؤں کی طرح وہ بھی میری حمایت میں ڈھال بن کر کھڑی ہو جایا

کرتی تھیں۔ میری ہر طفلانہ شرارت پر پردہ ڈالتی تھیں۔

میں اپنی اس کریم النفس ماں کی ممتا کے سایہ میں پروان چڑھتا رہا، لیکن یہ سایہ زیادہ دنوں مجھ پر قائم نہ رہ سکا، ابھی میں اپنی عمر کے چھٹے سال میں تھا کہ وہ اُس زمانے کی ایک خطرناک بیماری ''ٹی بی'' میں مبتلا ہوکر ہمیں داغِ مفارقت دے گئیں۔

بچہ جب تک ماں باپ کے سایۂ عاطفت میں ہوتا ہے تو ہر سرد و گرم میں وہ والدین پر اعتماد کرتا ہے، خود وہ کسی معاملہ میں سوچنے اور غور و فکر کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو وہ لڑکا جو ابھی اپنی عمر کی چند بہاریں ہی دیکھے ہوتا ہے، اس کی عقل و خرد کے دریچے کھل جاتے ہیں، اسے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اپنے اور بھائی بہنوں کے لئے اب تمہیں ہی سوچنا ہے، اب تمہاری طرف سے لڑنے والا اور تمہارا دفاع کرنے والا کوئی نہیں ہے، اس لئے اس کی عقل اور سوچ ایک بڑی عمر کے انسان جیسی ہوجاتی ہے، چنانچہ اس کی طفلانہ شرارتیں نہ ہونے کے درجہ میں ہوجاتی ہیں۔

والدہ کی وفات ایک معصوم ننھی جان کے لئے کیسا سانحہ تھا، اسے بس محسوس کیا جاسکتا ہے، مجھ پر تو یہ حادثہ بجلی بن کر گرا، اور میری تمام آرزوؤں اور تمناؤں کو خاکستر کرگیا، جس میں حسرتوں کی راکھ کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں سب کی موجودگی میں بالکل اکیلا ہوگیا ہوں، ننھے سے دل میں یہ بات آتی تھی کہ اب میری حمایت کون کرے گا، میں کس کے آنچل میں منہ چھپا کر روؤں گا، کون میرے غموں کا مداوا کرے گا۔ والد صاحب تو تھے لیکن وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے، انھیں ہر چھوٹی بڑی بات کا علم نہیں ہوسکتا تھا، سارا گھر بھرا پرا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ماں کی جگہ نہیں لے سکتا تھا، نہ اس کی کمی کو پورا کرسکتا تھا، ماں ماں ہوتی ہے۔

مجھ سے چھوٹا ایک بھائی اور اس سے چھوٹی ایک بہن تھی، اب گویا میرا بچپنا چھن سا گیا، میں بڑی بڑی باتیں کرنے لگا تھا، گھر اور باہر اپنے بھائی بہن کے لئے ماں اور باپ کی کمی پوری کرنے کی کوشش کرتا، ان کے لئے ڈھال بنا رہتا، دوسروں سے لڑائی مول لیتا۔ یہ

سب کچھ اس لاشعوری کی عمر میں ہو رہا تھا۔ آج جب میں بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو چکا ہوں، اور عمر کی سات دہائیوں کو عبور کر چکا ہوں، اب بھی جب ماں کی یاد آتی ہے تو دل مچل کر رہ جاتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوا تو والدہ کو مخاطب کر کے میں نے کہا کہ: دیکھو اماں! میں آج مولوی بن گیا ہوں جس کے تو خواب دیکھا کرتی تھی، اور جب میں نے مکہ مکرمہ سے ڈاکٹریٹ کر لیا تو اس وقت بھی اماں کی بہت یاد آئی۔ میں اپنی ماں کے ساتھ باپ کو بھی نہیں بھولا ہوں، ان کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہتا ہوں کہ تسلی کا اب یہی ایک راستہ بچا ہے۔ رب ارحمہما کما ربیانی صغیراً۔

بھائی انیس احمد (میرے سالے) کی وفات:

بھائی انیس احمد ولد حاجی محمد ادریس صاحب نوادہ میرے سالے تھے، بڑے خوبصورت اور سجیلے نوجوان تھے، وہ میرے چھوٹے بھائی جیسے تھے۔ میری اور ان کی شادی ایک ساتھ ۱۹۶۶ء میں ہوئی تھی۔ ایسا کفایت شعاری کی بنا پر کیا گیا تھا، ورنہ وہ ابھی شادی کے قابل نہ ہوئے تھے، ان کی اہلیہ محبوب النساء بنت حاجی عبدالحی (نوادہ) کی بڑی صاحبزادی تھیں، چند سال کے بعد یہ رخصت ہو کر بھائی انیس احمد کے گھر آ گئیں۔

ان کی زندگی کے شب و روز بڑی خوشی اور سکون و مسرت کے ساتھ گزرنے لگے، میری اہلیہ کے علاوہ ان کی دو چھوٹی بہنیں رضوانہ خاتون، رخسانہ خاتون اور سب سے چھوٹے بھائی حسین احمد تھے۔ بڑے ہونے کے ناطے والدین اور اپنے لاولد بڑے ابو حاجی غلام رسول (مرحوم) کی آنکھوں کا تارا تھے۔ ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں، کئی کاروبار کر رکھے تھے۔ ساڑیوں کے کاروبار کے ساتھ مبارکپور میں سونے چاندی کی دکان بھی چل رہی تھی جس پر یہی بیٹھتے تھے۔ میں جب کبھی سرائمیر سے نوادہ آتا تو پہلے سونے کی دکان پر ان سے ملاقات کرتا، بڑے ہی خوش اخلاق تھے، میری بڑی عزت کرتے تھے۔

میرا پہلا بچہ ابوطلحہ چھ ماہ کا تھا کہ ایک دن وہ بیمار پڑے۔ انھیں میعادی بخار تھا اور

دست بھی بہت ہورہا تھا۔ان کا حکیمی علاج ہورہا تھا، وہ کافی کمزور ہوگئے تھے۔اسی دوران ایک ڈاکٹر کسی مریض کو دیکھنے آئے تو انھیں بھی دکھایا گیا، ڈاکٹر صاحب نے ان کی نقاہت کے پیشِ نظر گلوکوز کی دو بوتل چڑھادی جو بجائے فائدہ کے سخت نقصان دہ ثابت ہوئی، اور ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی، بیس دن کی بیماری کے بعد اچانک انھوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، یہ حادثہ ۶/اگست ۱۹۷۲ء (۲۶/جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ) کو پیش آیا۔ یہ تاریخ میں نے اپنی کتاب پر لکھ رکھی تھی جو خوبیٔ قسمت سے حاجی بابو کے ہاتھ لگ گئی اور انھوں نے مجھے لکھ کر بھیج دی۔اس حادثے نے سب پر سکتہ طاری کردیا، کسی کو یقین ہی نہیں ہورہا تھا کہ انیس احمد اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ بیماری کے انھیں ایام میں میری اہلیہ بھی ان کی عیادت کے لئے آگئی تھیں، وہ میرے بچے ابوطلحہ کو لیٹے لیٹے کھلاتے اور پیار کرتے تھے۔خود ان کی اہلیہ بھی امید سے تھیں، اور وہ چند ماہ میں باپ بننے والے تھے، ایسی حالت میں گھر کے لوگوں پر جو گزری وہ تو گزری ہی، ان کی نوعمر وکم سن بیوی پر غم والم کا جو پہاڑ ٹوٹا، صدمات کی ان کیفیت کو کون جان سکتا ہے؟ ایک تو کم عمری میں بیوگی کا الم، اس پر سے حاملہ۔شدتِ صدمات نے ان کے آنسو خشک کردیئے۔

اللہ اللہ کرکے ۵/شوال ۱۳۹۲ھ (۱۲/نومبر ۱۹۷۲ء) ایک بیٹے کی ولادت ہوئی۔ دادا نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ (فداہ روحی وابی) کے نام نامی پر اس کا نام محمد احمد رکھا کہ وہ بھی یتیم پیدا ہوئے تھے اور ان کا یہ پوتا بھی

بلبل ہمیں بس است کہ قافیہ گل شود

اس کی ماں کی دوسری شادی کے بہت سے پیغامات آئے مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ یہ بچہ باپ سے تو محروم ہو ہی گیا ہے، میں اسے ماں کی ممتا سے محروم نہیں کرنا چاہتی۔اپنے اس یتیم بچے کے لئے اس جواں سال وجواں حوصلہ خاتون نے اپنی زندگی قربان کردی۔اب اس بچے کی پرورش میں سارا گھر جُٹ گیا، میں اور میری اہلیہ (یعنی اس کی پھوپھی) نے طے کرلیا تھا کہ اگر اس کی ماں کی شادی ہوتی ہے اور دادا، دادی کا سہارا ختم یا

کمزور پڑتا ہے تو ہم اسے گود لے لیں گے، مگر الحمدللہ اس کی نوبت نہیں آئی۔ اپنے دونوں دادا، دادیوں اور ماں کے سہارے یہ بچہ پروان چڑھتا رہا، اور اس کی شادی میں نے اپنی بڑی بیٹی سعدیہ عائشہ سے کر دی۔

جب میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا تو اس کی ماں کی بے مثال قربانیوں کا صلہ بارگاہ خداوندی سے اس شکل میں ملا کہ تقریباً ۳۵ رسال کی بیوگی کے بعد ان کا نکاح مجھ سے ہوگیا۔ اس وقت وہ چھ پوتے اور پوتیوں کی دادی ہوچکی تھیں، اس طرح محمد احمد میرے داماد ہونے کے ساتھ میرے بیٹے بھی ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ اس کی عمر دراز کریں، وہ اس وقت حاجی محمد احمد سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

دادا کا انتقال:

میرے دادا (حاجی) محمد یعقوب صاحب شفقت ومحبت کے پیکر تھے، غریبوں کے ساتھ ہمدردی وغم گساری ہمارے خاندان کی روایت رہی ہے۔ دادا اپنی بساط بھر غریبوں اور محتاجوں کی خوب مدد کرتے تھے، وہی صفت میرے والد صاحب میں بھی آئی اور ان سے ہم لوگوں میں۔ دادا کے اندر اس وصف جمیل کا آنا اس لئے بھی رہا ہوگا کہ انھوں نے حالات کے نشیب وفراز کو قریب سے دیکھا تھا، آلام ومصائب کی وادیوں کو طے کیا تھا، وہ خود غریبی کے تلخ گھونٹ پی چکے تھے، اس لئے غربا کی تکلیفوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

میرے دادا کے اندر نظم وانتظام کی صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، گڑ، بھیلی اور جلانے والی لکڑی کا سال بھر کا انتظام ایک دفعہ میں ہی کر لیتے تھے۔ آم کی فصل میں پورا پورا باغ چند لوگوں کی شرکت سے خرید لیتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے جس سال مدینہ جانے کا ارادہ کیا تھا اسی سال دادا نے اپنے بیٹوں کو الگ کر دیا، اور والد صاحب کو بازار والا گھر دیا تھا۔ اس کے دوسرے ہی سال مدینہ یونیورسٹی میں میرا داخلہ ہوگیا تھا، جس کی تفصیل مدینہ کے ذکر میں آچکی ہے۔ میں تعلیمی سال مکمل ہونے پر شعبان ۱۳۹۷ھ (اگست ۱۹۷۷ء) میں گھر آیا۔ دادا سب سے پہلے

ملاقات کے لئے آئے۔ اسی سال بلکہ شعبان میں ان کا ہارنیا کا آپریشن ہوا، جو کامیاب نہیں رہا۔ میرے مدینہ جانے کے بعد غالباً ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ کی کسی تاریخ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون ، رحمه الله رحمةً واسعةً میں نے اسی سال (ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ) میں ان کی طرف سے حج بدل کیا۔

والدِ محترم کا انتقال:

والدہ محترمہ کا انتقال اتنی کمسنی میں ہوگیا تھا کہ ان کی دھندلی تصویر بھی ذہن وحافظہ میں نہیں آتی، اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے اور اپنا قربِ خاص عطا کرے۔ لیکن میرے والد حاجی شمس الدین صاحب کا سایۂ عاطفت اس وقت تک ہمارے سروں پر رہا جب تک ہم اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوگئے۔

والد صاحب، دادا کی اولاد میں سب سے بڑے تھے، ان کی نشو ونما کچھ ایسے حالات میں ہوئی کہ وہ تعلیم حاصل نہ کرسکے، بعد میں انھوں نے سورہ فاتحہ اور چند چھوٹی چھوٹی سورتیں اور رکوع وسجود کی تسبیحات یاد کیں، اور دستخط کرنے کا ڈھنگ انھیں سکھایا گیا۔

والد صاحب اگر چہ اَن پڑھ تھے، مگر انھوں نے اپنے بھائیوں اور بہنوں کو پرائمری تک پڑھایا تھا۔ ظہیرالدین چچا اور مجھے، اسی طرح وکیل احمد چچا اور بھائی ابوالخیر کو بہت پڑھانا چاہتے تھے، مگر ہم سب میں صرف میں نے ہی پرائمری کے بعد پڑھنے کی رغبت دکھائی اور الحمدللہ والد صاحب وغیرہ کی مدد سے میں نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرلی۔ اور بعد میں مدینہ منورہ ومکہ مکرمہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ میرے مکہ مکرمہ کے زمانۂ تعلیم میں والد صاحب حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ جب میں ملیشیا آ گیا تو اس کی سب سے زیادہ خوشی میرے والد صاحب کو ہوئی۔

میں ملیشیا ۴؍جولائی ۱۹۹۳ء میں آ گیا تھا، اور اہلیہ بھی ہمارے پانچ چھوٹے بچوں کے ساتھ یہاں آ گئی تھیں۔ پہلی بار دوسال کے بعد جب میں انڈیا گیا تو گھر کے حالات کی نزاکت کے پیش نظر والد صاحب کے سامنے علیحدگی کی بات کہی۔ ابا کا ناراض ہونا فطری

امر تھا، وہ ناراض ہوئے بھی۔ میں نے انھیں مزید سمجھایا کہ جب میں اپنے بچوں کے ساتھ آجاتا ہوں تو گھر اتنا تنگ پڑ جاتا ہے کہ اس میں تین، چار فیملیاں نہیں رہ سکتیں، مگر وہ نہیں مانے۔ آخر میں انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم تینوں علیٰحدہ ہو جائیں۔ تم الگ رہو، ابوالخیر الگ رہے اور میں بھی الگ رہوں گا۔ انھوں نے ایسا اس لئے کہا تھا کہ میں علیٰحدہ نہ ہوں، لیکن جو حالات تھے اس میں علیٰحدگی کے بغیر چارہ نہ تھا، ہم تینوں اسی گھر میں علیٰحدہ ہو گئے۔ بڑی مشکل سے ایک مہینہ میں نے گزارا، پھر ملیشیا چلا آیا۔ ابوطلحہ میاں اپنی بیوی کے ساتھ وہاں تھے۔

پھر میں نے ناجو پٹی میں زمین خریدی، وہاں والد صاحب کی نگرانی میں مکان بننے لگا، اسی اثناء میں ۱۸؍شعبان ۱۴۱۹ھ (۲۷؍نومبر ۱۹۹۹ء) کو عشاء کی نماز کے بعد ان کو اٹیک آیا اور فوراً انتقال ہو گیا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ میں ملیشیا میں تھا اور صبح یونیورسٹی جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کے ذریعہ مجھے اطلاع دی گئی۔ اس خبر سے جیسے مجھ پر بجلی گر پڑی، طبیعت نڈھال ہو گئی، خبر بالکل غیر متوقع تھی، کیونکہ میں تو ابا کو بالکل صحت مند چھوڑ کر آیا تھا، انھوں نے کبھی بھی اپنی اس بیماری کے بارے میں کچھ نہیں کہا ورنہ اس کا بہتر سے بہتر علاج ہو سکتا تھا۔

والدہ کے انتقال کے بعد جس یتیمی کا احساس ہوا تھا اس سے بڑھ کر اب کی بار ہوا، بچہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے باپ کی ضرورت اسے قدم قدم پر پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ والد صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں، اور انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔

اہلیہ (ابوطلحہ کی امی) کے انتقال کا حادثۂ جانکاہ:

میری اہلیہ کو یہیں ملیشیا سے شوگر کی بیماری شروع ہوئی۔ علاج چلتا رہا، مگر شوگر بڑھتی رہی۔ شوگر کی بیماری میں مریض علاج کے ساتھ ساتھ اگر کھانے پینے میں پرہیز سے کام لے تو اس کی زندگی نارمل طریقے سے چلتی رہتی ہے۔ یہ میٹھے سے کم پرہیز کر پائیں، اور دوا کا استعمال بھی اتنی پابندی سے نہ ہوا اور بیماری بڑھتی گئی، پھر شوگر کے ساتھ انھیں ہائی بلڈ پریشر بھی ہو گیا

سے ۱۹۹۳ء میں ملیشیا آئیں اور انھیں یہ بیماری ۱۹۹۸ء میں شروع ہوئی۔ جب تک ہمارے پاس گاڑی نہیں تھی تو وہ سارا کام پیدل کرتی تھیں۔ بازار جانا، کسی بقالے سے کچھ لانا، سب کچھ پیدل ہوتا تھا، اس لئے شوگر کنٹرول میں تھی مگر جب ہم نے ۶؍ستمبر ۲۰۰۲ء میں گاڑی خرید لی تو پیدل چلنا کم ہوگیا، اوران کی شوگراور ہائی ہوتی گئی۔ یہاں تک انھیں انسولین کی ضرورت پڑنے لگی، اسی دوران ابوسلمہ میاں کو پڑھائی کے سلسلے میں امریکا جانا پڑا، (جس کی تفصیل ابوسلمہ کے ذکر میں آچکی ہے)۔ وہ تو امریکا چلا گیا، ادھر اس کی امی کو شوگر اور ہائی بلڈ پریشر تھا ہی، تو ابوسلمہ کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کا ان پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ کئی مرتبہ فالج کا اٹیک ہوا، مگر ہر مرتبہ وہ صحت یاب ہوگئیں۔ دو سال کے بعد ۲۵؍جون ۲۰۰۳ء میں ابوسلمہ میاں اپنی بیوی منار الخالدی اور ندیٰ ابوسلمہ کے ساتھ ملیشیا آئے اور ڈیڑھ ماہ رہ کر واپس امریکا چلے گئے۔ اس کے بعد کچھ دنوں اس کی امی ٹھیک رہیں، پھر ایک بار فالج کا اٹیک ہوا، اس مرتبہ بھی ٹھیک تو ہوگئیں مگر ان کے خوشی وغم کا احساس ختم ہوگیا۔ اس کے بعد بھی وہ سارا کام کرتی تھیں، لیکن نہ غصہ ہوتی تھیں اور نہ ہی خوش ہوتی تھیں، ایسا لگتا جیسے سارے احساس مردہ ہوگئے ہوں۔ بارہا سعاد انھیں غصہ دلاتی مگر وہ اس طرح ری ایکٹ کرتیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ یہ بات اس وقت ایک دم سے واضح ہوگئی جب ۹؍اگست ۲۰۰۴ء کو سہام امریکا جانے لگی تو انھیں کوئی احساس نہ ہوا کہ ان کی سب سے چھوٹی اور چہیتی بیٹی کہیں دور جارہی ہے۔ ایرپورٹ پر میری آنکھوں میں آنسو تھے، سعاد اور سہام زاروقطار رورہی تھیں مگر ان پر کوئی اثر نہیں تھا، وہ ہر طرح کے تاثر سے خالی تھیں۔

پھر ۲۰۰۵ء میں چلنے پھرنے کے قابل نہ رہیں، تو ہم نے انھیں انڈیا لے جانے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ دن میں وہ بالکل اکیلی گھر میں رہتیں۔ میں یونیورسٹی چلا جاتا، اور سعاد وعبدالعزیز بھی یونیورسٹی چلے جاتے، اور سب شام کو واپس آتے۔ اس اثناء میں ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس لئے ۱۶؍مارچ ۲۰۰۵ء کو انڈیا لے گئے، وہ چلنے پھرنے سے معذور تھیں اس لئے انھیں دہلی سے آرام دہ کار سے خیرآباد لایا گیا، اور دوسرے دن ہی

محمد آباد کے ایک نئے ہاسپٹل میں ایڈمیٹ کردیا گیا مگر وہ نہ سنبھلیں، تو لکھنؤ پی جی آئی لے گئے۔ اس عرصہ میں وہ مکمل کوما میں چلی گئیں، انھیں نلکی کے ذریعہ کھانا پینا دیا جانے لگا، لکھنؤ دوڈھائی مہینہ رہیں اور لاکھوں روپئے خرچ ہونے کے باوجود کوما سے باہر نہ آسکیں۔ ہر دو گھنٹے پران کی کروٹ بدلی جاتی، پانی والے بستر پر رکھا گیا، مگر انھیں بیڈ شور ہوگیا جو بڑھتا ہی گیا۔ دوڈھائی ماہ کے بعد ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انھیں گھر لے جائیں شاید وہاں کی آب وہوا بدلے تو ان میں کچھ فرق آئے۔ ہم سمجھ گئے کہ اب معاملہ قابو سے باہر ہوچکا ہے اور مرض لاعلاج ہوچکا ہے، چنانچہ انھیں گھر لایا گیا اور تسلی کے لئے علاج ہوتا رہا۔

روزانہ ان کے زخم کی صفائی ہوتی تھی، اس طویل بیماری کے نتیجہ میں وہ کافی دبلی ہوگئیں۔ میری دونوں بیٹیوں سعدیہ اور رضیہ نے خیرآباد میں بھابھی کے ساتھ، اور نوادہ میں ممانی (میری موجودہ اہلیہ) کے ساتھ ان ایام میں اپنی ماں کی بے نظیر خدمت کی، باری تعالیٰ ان سب کو اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائیں۔ پہلی جولائی ۲۰۰۶ء کو سعدیہ نے فون کیا کہ ابو دعا کیجئے، اب امی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ اس فون کا مجھ پر اور یہاں موجود بچوں (سعاد اور عبدالعزیز) پر بہت گہرا اثر ہوا۔ ہم نے ان کی شفا کے لئے خوب خوب دعائیں کیں، اتنے فاصلے سے کر ہی کیا سکتے تھے، اللہ کرے کہ ایسی بے بسی کی کیفیت سے کبھی کوئی دوچار نہ ہو۔ ۲؍جولائی کی صبح کو میں نے ابوطلحہ کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ ایک بڑے ڈاکٹر آئے تھے، انھوں نے بتایا کہ ان کے دونوں گردے کام نہیں کررہے ہیں، اب ۸؍گھنٹے کی یہ مہمان ہیں۔ ڈاکٹر صاحب تو یہ کہہ کر چلے گئے اور گھر میں ایک کہرام سا مچ گیا۔ سارے رشتہ دار آنا شروع ہوگئے۔ ادھر ہم تینوں ملیشیا میں رات بھر جاگتے رہے، یہاں کے وقت سے رات ۳؍بجے مقبول بھائی (حاجی اعجاز کمپنی کے بھائی) نے گھر پر فون کیا، سعاد نے فون اٹھایا، انھوں نے یہ اندوہناک اور دلدوز خبر سنائی کہ تمہاری امی کا ابھی ابھی انتقال ہوگیا۔ انڈیا میں شاید رات کا ۱۲؍بجا رہا ہوگا۔ اس طرح ۲؍جولائی ۲۰۰۶ء کو ہماری ۴۰؍سالہ داستانِ رفاقت کا آخری ورق الٹ گیا، اور اہلیہ مجھے اور اپنے بچوں کو سوگوار و محزون چھوڑ کر راہیٔ جنت ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور یوماً فیوماً ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی سیئات کو حسنات سے بدل دے۔

میری اہلیہ بڑی ہی نیک، خوش خلق اور ملنسار خاتون تھیں۔ جس رشتہ دار یا جان پہچان والی عورت سے ملتیں ہنس کر بات کرتیں۔ مہمان کی ضیافت اور خاطر مدارات میں کوئی کسر باقی نہ رکھنا ان کا شیوہ تھا۔ میری ہر چھوٹی بڑی ضروریات کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ حج کے زمانے میں خیرآباد اور نوادہ کے حجاج کی منیٰ میں دسویں ذوالحجہ کو رات میں انھیں حجاج کی قربانی کے گوشت سے پلاؤ بنا کر کھلانا اور ایک ایک بار سب کی گھر پر کئی قسطوں میں دعوت کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ جب تک حجاج واپس گھر نہیں چلے جاتے خرید و فروخت میں ان کی مدد کرنا ان کی عادت بن چکی تھی۔ روزانہ بلا ناغہ کلام پاک کی تلاوت کرنا، بہشتی زیور اور دوسری دینی کتابیں پڑھنا بھی ان کا پسندیدہ کام تھا۔ ہر ماہ دو ماہ پر عمرہ کرنا اور رمضان کے ہر عشرہ میں عمرہ کرنا، ہر ایک دو دن پر طواف کرنا، رات کی تنہائیوں میں اٹھ کر تہجد پڑھنا، نفلی نمازوں اور روزوں کا اہتمام کرنا اور بکثرت ذکر واذکار ان کے معمول میں داخل تھا۔

ان کے انتقال کے بعد میری بچیوں نے انھیں خواب میں بڑی اچھی حالت میں دیکھا، جو ایک فالِ نیک ہے۔ بڑی بیٹی سعدیہ نے دیکھا کہ امی اور زیب النساء بوا (حاجی امتیاز اور منظور پردھان کی والدہ، یہ اس وقت باحیات تھیں) بڑے بڑے دیگ میں کھانا پکا رہی ہیں اور دونوں بہت خوش ہیں۔ رضیہ نے دیکھا کہ ایک چوکی پر سفید چادر بچھی ہوئی ہے اور اس پر مسند لگی ہوئی ہے، اور اس کی امی اپنے سر کے نیچے ایک ہاتھ رکھ کر ٹیک لگائے ہوئے مسکرا رہی ہیں۔ سعاد اور سہام کو اپنے خواب کی تفصیل یاد نہیں ہے۔ چونکہ ہم تینوں یعنی میں سعاد اور عبدالعزیز ان کے انتقال کے وقت ملیشیا میں تھے، اس لئے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھ سکے تھے، اس لئے دو سال کے بعد جب ہم انڈیا گئے تو دوسرے دن صبح کو میں اپنے دو بیٹوں ابوطلحہ اور عبدالعزیز کے ساتھ ان کی قبر پر گیا، ہم تینوں نے جماعت سے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی (اور ایسا کرنا حدیث سے ثابت ہے) اور پھر دعا واستغفار کر کے گھر واپس

آئے۔(دیکھیں بخاری شریف، ابواب المساجد، باب الخدم فی المسجد، ۱/۱۷۶، رقم: ۴۴۸، و مسلم شریف، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی القبر، ۲/۶۵۷-۶۵۹)۔

میری دوسری شادی:

جس شخص کے سات بچے ہوں، اور وہ بھی صاحب اولاد ہوں، یعنی ایک دادا اور نانا کا اپنی آخری عمر میں دوسری شادی کرنا ایک حادثے سے کم نہیں ہے، مگر ہمیں ایسا کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ ملیشیا میں گھر پر میں تھا اور سعاد اور عبدالعزیز، کوئی کھانا پکانا نہیں جانتا تھا، اور اگر جانتا بھی ہوتا تب بھی ممکن نہ تھا، کیونکہ عبدالعزیز یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہتا تھا، سعاد روزانہ صبح کو اپنی یونیورسٹی نکل جاتی تھی اور شام کو واپس آتی، تو ہوٹل سے کھانا لیتے ہوئی آتی۔ کوئی کسی سے کیا بولے، میں اپنے کمرے میں، سعاد اپنے کمرے میں۔ ایسی صورت میں ایک ایسی عورت کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو گھر میں رہے، گھر کی دیکھ بھال کرے۔ یہ احساس مجھ سے زیادہ میری بچیوں کو تھا۔ چنانچہ ان سب نے آپس میں مشورہ کر کے اپنی بڑی ممانی (میرے سالے انیس احمد مرحوم کی بیوہ اور میرے داماد محمد احمد کی ماں) کو راضی کرلیا، ان کے والدین بھی راضی ہوگئے، پھر سعاد انڈیا گئی۔ اور اسی سال میرے داماد مولوی عبداللہ خالد کا UKM میں ماسٹر میں داخلہ ہوگیا، تو سعاد ان سب کو یعنی ممانی، اپنی بہن رضیہ، اس کے شوہر مولوی عبداللہ خالد اور ان کے دونوں بچوں رحاب اور حسن سب کو لے کر ۲۰/جنوری ۲۰۰۷ء کو صبح ملیشیا پہنچ آئی۔ اور اسی دن عصر کی نماز کے بعد پروفیسر ڈاکٹر جمیل فاروقی محمد آبادی اور ڈھکواں کے محمد شعیب بھائی کی موجودگی میں مولوی عبداللہ خالد نے ہمارا نکاح پڑھا دیا، اس طرح جو گھر سونا سونا سا لگتا تھا، پھر بھرا پُرا اور آباد ہوگیا۔

سولھواں باب

کچھ یادگار سفر

انسان کی زندگی میں اسفار کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، سفر سے انسان کے علم اور تجربات میں اضافہ ہوتا ہے، حالات سے آگاہی ہوتی ہے، جس سے اس کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ جو انسان سفر نہیں کرتا اور اپنے گاؤں اور اپنے ماحول ہی میں محبوس ہو کر رہ جاتا ہے اس کی ذہنی و عقلی اور علمی نشو ونما نہیں ہو پاتی۔ اس کے برعکس جو شخص سفر کرتا رہتا ہے اس کے علم و تجربات میں اضافہ کے ساتھ اس کے دل و دماغ میں بھی وسعت پیدا ہوتی ہے، اور اسے مختلف قسم کے افراد کے افکار و خیالات سے آگاہی ہوتی ہے، ان کو برتنے، جانچنے اور پرکھنے کا موقع ملتا ہے، متضاد طبیعت کے لوگوں کے ساتھ کیسے زندگی گزاری جائے اس کا سلیقہ آتا ہے۔ میں نے بھی اپنی مختلف ضروریات کی وجہ سے اسفار کیے، میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ بلا ضرورت کہیں آنے جانے پر میں اپنے آپ کو بالکل آمادہ نہیں کر پاتا، اسی لئے محبت کی یادگار کہی جانے والی مشہور زمانہ عمارت ''تاج محل'' کو میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ کبھی آگرہ جانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔

کہا جاتا ہے کہ علم کے لئے رِحلت (سفر) لازم ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کی ہمیشہ سے یہ سنت رہی ہے کہ طلب علم کے سلسلہ میں انھوں نے بکثرت اسفار کیے ہیں۔ کوئی بھی عالم اور محدث اس وقت تک اچھا عالم اور محدث نہیں مانا جاتا تھا جب تک کہ اس نے حصول علم کے مختلف مراکز علم کی خاک نہ چھانی ہو، اور اس کے بہت سارے شیوخ اور تلامذہ نہ ہوں۔ حدیث شریف کے مایہ ناز جامع امام بخاری نے اپنی کتابوں جیسے تاریخ کبیر اور صحیح بخاری کی تصنیف سفر میں ہی انجام دی۔ امام خطیب بغدادی

نے محدثین کے اسفار پر مستقل ایک کتاب ''الرحلة في الحديث ''تصنیف فرما کر ہم لوگوں پر بڑا احسان کیا۔ اسی طرح محدثین عظام کی سوانح حیات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ دورِ حاضر میں عالم اسلام کے نامور عالم اور فقیہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنا اردو ترجمہ قرآن ''توضیح القرآن'' تو تقریباً سب اپنے فضائی سفر کے دوران جہاز میں لکھا ہے، انھوں نے قریب قریب ہر سورہ کے ختم پر تاریخ اور جگہ کے لکھنے کا التزام کیا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

اسلاف کی اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے، باوجود مادی وسائل کی کمی اور قلت کے، میں نے بھی حصول علم کے لئے مرادآباد، دیوبند اور سعودی عرب کے متعدد سفر کئے جن کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں آچکی ہیں۔ اسی طرح بسلسلۂ تدریس بھی متعدد اسفار کی نوبت آئی، تدریسی سلسلہ کا آخری سفر اس وقت ہوا جب مکہ مکرمہ سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد دوبارہ رزق معاش کی فکر سوار ہوئی۔ اس کے لئے سعودیہ میں بہت تگ ودَو کی، جیسا کہ پیچھے گزرا۔ لیکن میرا رزق تو وہاں سے ہزاروں کلومیٹر دور مشرق بعید کے ایک ملک میں تھا، اس لئے کہیں سے کوئی امید افزا جواب نہ ملا، اور مستقبل تو کسی کو معلوم نہیں ہے، اس لئے بڑی فکر سوار ہوئی کہ اب کیا ہوگا، مگر ایسا لگا جیسے تقدیر نے پہلے سے پلاننگ کر رکھی ہو کہ تمہیں سعودیہ سے جو کچھ حاصل ہونا تھا ہوگیا، اب تمہارا رزق کہیں اور مقدر ہے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۹۳ء میں ملیشیا کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر قبول کرلیا گیا، اور تادم تحریر یہیں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں۔

علمی اسفار:

ملیشیا میں پوسٹنگ کے بعد سات سال تک تو مجھے اپنے کو ثابت کرنے میں لگا، اور جب میں اسوسیٹ پروفیسر ہوگیا اور کئی مقالے مختلف مجلّات میں شائع ہوئے اور میری دو تین کتابیں منظر عام پر آگئیں، تو پھر مختلف اداروں اور یونیوسٹیوں سے کانفرنسوں اور تعلیمی کمیٹیوں میں شرکت کے دعوت نامے آنے شروع ہوئے، اور اس سلسلے میں علمی اسفار شروع

ہوئے۔ اس باب میں صرف ان اسفار کا ذکر کروں گا جن میں ملیشیا سے باہر جانا ہوا ہے، ورنہ اندرون ملک جن انٹرنیشنل کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا ہے ان کی تعداد تیس پینتیس سے کم کیا ہوگی۔ بہر حال بین الاقوامی اسفار کی اجمالی روداد پیش خدمت ہے۔

۱۔ پہلا دعوت نامہ مجھے شکاگو امریکا میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے ملا۔ جس کا عنوان تھا ''التقاليد الدينية الإسلامية المبكرة ''اور مجھے امام عبدالرزاق صنعانی پر مقالہ لکھنے کو کہا گیا، چنانچہ میں ۱۳؍مئی ۲۰۰۶ء کو شکاگو پہنچ گیا۔ میرا بیٹا ابوسلمہ ''اورلانڈو'' سے آکر شکاگو ایرپورٹ پر میرا انتظار کر رہا تھا، اس کی رہنمائی میں ایک ہوٹل میں گئے اور ۱۴؍مئی سے ۲۰؍مئی تک کانفرنس چلی۔ میرا مقالہ کانفرنس میں بہت پسند کیا گیا، اور بعد میں وہ مقالہ جب شائع ہوا تو چونکہ اس موضوع پر یہ پہلا مقالہ تھا اس لئے اسے ایک طرح سے مرجعیت حاصل ہوگئی اور لوگ اپنے علمی کاموں میں اس کا حوالہ دینے لگے۔ میرا بیٹا ابوسلمہ اور بیٹی سہام اورلانڈو میں رہتے ہیں، کانفرنس ختم ہونے کے بعد ابوسلمہ کے ساتھ اورلانڈو گیا اور بیٹی سہام سلمہا کے یہاں ٹھہرا، کہ وہاں مجھے راحت زیادہ ملے گی۔ ابوسلمہ کے گھر بھی جاتا رہا، اس کی ساس ڈاکٹر فریال الخالدی کے اسکول کو بھی دیکھا، اس کے خسر ڈاکٹر منذر الخالدی سے بھی اچھی ملاقات رہی۔ سبھی بڑے اچھے اوراعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل ہیں۔ اپنی پوتی ندیٰ انصاری، پوتے زکریا انصاری کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی، ان کی ماں اور میری بہومنار الخالدی نہایت اطاعت شعار وخدمت گزار خاتون ہے، سبھوں نے جی جان سے میری خدمت کی۔ ایک ہفتہ ان لوگوں کی معیت میں دیکھتے دیکھتے گزر گیا، جو میری زندگی کے یادگار دنوں میں سے ہے۔

۲۔ دوسرا دعوت نامہ مجھے اپنے دوست پروفیسر ڈاکٹر حمزۃ عبداللہ حمزۃ ملیباری کے توسط سے ملا، جو دبئی کے كلية الدراسات الإسلامية والعربية کی چھٹی انٹرنیشنل مسابقاتی کانفرنس میں پیش کردہ ابحاث کی تحکیم کے لئے ممبر بنانے کے سلسلے کا تھا۔ اس کانفرنس کا عنوان تھا ''الندوة السادسة : صناعة التميز وتنمية المهارات في السنة النبوية ''

[چھٹی مسابقاتی کانفرنس: حدیث نبوی کی روشنی میں مہارت پیدا کرنا] اس کانفرنس کے محاور کی تحدید کے لئے ۳؍نومبر ۲۰۱۱ء کو دبئ کا پہلا سفر ہوا، اور واپسی ۴؍دسمبر ۲۰۱۱ء کو ہوئی۔

اس مسابقہ میں پیش شدہ مقالات کی تحکیم کیلئے دوسرا سفر ۲۶؍دسمبر ۲۰۱۲ء کو اور واپسی ۴؍جنوری ۲۰۱۳ء کو ہوئی۔ کانفرنس میں شرکت کے لئے تیسرا سفر ۲۲؍اپریل ۲۰۱۳ء کو اور واپسی ۲۶؍اپریل ۲۰۱۳ء کو عمل میں آئی۔

۳۔ تیسرا دعوت نامہ مجھے کویت یونیورسٹی کی شریعۃ فیکلٹی کے ڈین کی طرف سے آیا، جس میں مجھے کویت آنے کی دعوت دی گئی تاکہ میں ان کے یہاں ماسٹر اور پی ایچ ڈی کے کورسز کی تقییم کرکے پاس کروں۔ چنانچہ میں ۲۶؍جنوری ۲۰۱۳ء کو وہاں گیا اور تقییم کرکے ۳۱؍جنوری ۲۰۱۳ء کو ملیشیا واپس آیا۔

۴۔ چوتھا دعوت نامہ مجھے میرے بے حد عزیز شاگرد مولانا ڈاکٹر مفتی یاسر ندیم الواجدی کے نانا مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب کی طرف سے ملا کہ میں شکاگو میں ان کے مدرسہ تعلیم الاسلام میں علیا کے طلباء کو حدیث کے مختلف موضوعات پر محاضرہ دوں۔ چنانچہ میں اپنے بیٹے عبدالعزیز سلّمہٗ کی معیت میں ۲۴؍جون ۲۰۱۳ء کو سیدھے اپنے بیٹے ابوسلمہ حمود اور بیٹی سہام سلمہما کے گھر اورلانڈو پہنچا۔ دو روز وہاں رک کر واپس شکاگو آیا اور دس دن تک وہاں رہ کر مولانا کی ہدایت کے مطابق حدیث کے مختلف موضوعات پر محاضرہ دے کر واپس اورلانڈو آیا اور وہاں سے رمضان کی پہلی تاریخ کو ملیشیا واپس آ گیا۔ مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب بڑے ہی خوش اخلاق اور ہنس مکھ انسان ملے۔ انھوں نے میری بڑی عزت افزائی کی اور بڑا اکرام کیا، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔

۵۔ پانچواں دعوت نامہ مجھے انڈونیشیا کی شریف ہدایت اللہ اسلامی یونیورسٹی جکارتہ کی طرف سے منعقد کی گئی کانفرنس میں افتتاحی محاضرہ کا تھا۔ یہ کانفرنس ۲۰؍۲۱؍نومبر ۲۰۱۳ء میں منعقد ہوئی۔ اس کا عنوان تھا ''**مرونة الحديث في القضايا المعاصرة: التعليم والاقتصاد**'' میں نے اس میں افتتاحیہ محاضرہ بھی پیش کیا تھا، جس کا عنوان تھا '' **المشكلة**

الاقتصادیۃ وحلّہا فی ضوء السنۃ''۔

۶۔ میرے عزیز شاگرد مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی، استاذ دارالعلوم وقف وڈائرکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دیوبند نے اپنی اکیڈمی سے اردو، انگلش اور عربی میں شائع ہونے والی نصف درجن سے زائد کتابوں کے رسم اجرا کے موقع پر کے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا اور اس میں مجھے مدعو کیا، میں ۲۱؍مئی ۲۰۱۴ء کو ملیشیا سے دہلی سے پہنچا اور وہاں سے رات ہی میں دیوبند روانہ ہوگیا۔ تین دن دیوبند میں قیام رہا، تھوڑی دیر کے لئے جامعہ مظاہر علوم سہارن پور بھی حاضری ہوئی۔ کانفرنس میں شرکت کے بعد ۲۵؍مئی کو میں ملیشیا واپس آ گیا۔

۷۔ ۲۰۱۴ء میں میری شاگرد ڈاکٹر للّی سوزانہ کے توسط سے برونائی دارالسلام کی سلطان شریف علی اسلامی یونیورسٹی کی طرف سے منعقد کی گئی انٹرنیشنل کانفرنس میں افتتاحی محاضرہ دینے کی دعوت ملی۔ یہ کانفرنس ۱۵/۱۶؍ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۰/۱۱؍ستمبر ۲۰۱۴ء میں ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کا عنوان تھا ''والسنۃ والتحدیات العصریۃ '' اور اسی عنوان سے میرا افتتاحی محاضرۃ بھی تھا۔

۸۔ مجھے ترکی کی فاتح سلطان محمد یونیورسٹی استنبول کی طرف سے دعوت نامہ ملا کہ میں ان کی انٹرنیشنل کانفرنس میں پیپر پیش کروں۔ یہ کانفرنس ۲۵ تا ۲۷؍مئی ۲۰۱۶ء کو منعقد ہوئی، اس کا عنوان تھا ''تدریس العلوم الإسلامیۃ باللغۃ العربیۃ فی بلاد الناطقین بغیرھا: التجارب، والطموح، والتحدیات '' میرے محاضرہ کا عنوان تھا ''تجربی فی تدریس العلوم الإسلامیۃ باللغۃ العربیۃ فی الہند ومالیزیا: تحدیات وطموحات [انڈیا اور ملیشیا میں عربی زبان میں اسلامی علوم پڑھانے کا میرا تجربہ: حوصلے اور چیلنجز]۔ یہ میرا ترکی کا پہلا سفر تھا۔

۹۔ ۱۹/۲۰؍دسمبر ۲۰۱۸ء کو ابن خلدون یونیورسٹی استنبول کی طرف سے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی پر ایک انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا، اور مجھے بطور خاص دعوت دی گئی اور یہ کہ میں ایک پیپر بھی پیش کروں۔ چنانچہ میں نے معالم الدکتور محمد

مصطفى الأعظمي في الرد على مطاعن المستشرقين حول السنة (حدیث پر مستشرقین کے شکوک وشبہات پر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی کے جواب کے خد وخال)'' کے عنوان پر پیپر لکھا، یہ ترکی کا میرا دوسرا سفر تھا۔

۱۰۔ جولائی ۲۰۱۹ء میں میرا وطن آنے کا پروگرام تھا، مولانا محمد شکیب صاحب کا فون آیا کہ کوئی ایسا نظام بنالیں کہ بقرعید کی تعطیل سے پہلے دیوبند تشریف لائیں اور حجۃ الاسلام اکیڈمی کے شعبہ بحث وتحقیق کے زیراہتمام ''جدید مسائل اوران کا حل منہج نبوی کی روشنی میں'' کے عنوان پر دارالعلوم وقف کے شعبہ تخصصات کے طلباء کو ایک محاضرہ دیں۔ چنانچہ وطن آنے کے بعد مولانا ضیاء الحق خیرآبادی [حاجی بابو] کو ساتھ لے کر یکم اگست ۲۰۱۹ء کو کیفیات اکسپریس سے اعظم گڈھ سے چل کر دوسرے روز جمعہ کو صبح دہلی پہنچا، وہاں سے مولانا شکیب صاحب کی گاڑی سے جمعہ سے پہلے دیوبند حاضر ہوگیا۔

۳/اگست سنیچر کو محاضرہ ہال ''قاعۃ الامام شاہ ولی اللہ الدہلوی'' میں پروگرام ہوا، جس میں تخصصات کے طلباء کے علاوہ وہاں کے اساتذہ نے بھی شرکت کی، پروگرام کے بعد سوال وجواب کا بھی دور چلا، جس میں شرکاء نے کافی دلچسپی سے حصہ لیا۔

۱۱۔ جب دیوبند محاضرہ کا پروگرام طے ہورہا تھا اسی وقت مونگیر جامعہ رحمانی سے بھی محاضرہ پیش کرنے کی دعوت ملی، اس کے داعی امیر شریعت حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب تھے، وہاں کا پروگرام تمام تر مولانا جنید احمد صاحب ارریاوی قاسمی (سابق متعلم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد واستاذ جامعہ رحمانی مونگیر) کی کوششوں سے طے ہوا، وہی درمیانی واسطہ تھے، انھوں نے ہی اس سلسلہ میں مجھ سے رابطہ کیا، اور سارے پروگرام طے کئے۔

دیوبند سے ۴/اگست کی صبح دہلی کے لئے نکلے، مولانا شکیب صاحب نے دہلی ایرپورٹ پر چھوڑا، پونے دو بجے کی فلائٹ سے پٹنہ روانہ ہوئے اور ساڑھے تین بجے پہنچ گئے۔ مولانا جنید صاحب حضرت امیر شریعتؒ کی گاڑی لے کر موجود تھے، رات نو بجے جامعہ رحمانی مونگیر پہنچے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے میری حیثیت سے بڑھ کر میرا اعزاز واکرام کیا،

دوسرے روز دس بجے مسجد میں ایک عمومی پروگرام ہوا جس میں مَیں نے اور مولانا ضیاء الحق صاحب دونوں نے خطاب کیا، پھر بعد نماز ظہر لائبریری کے ہال میں میرا محاضرہ ہوا، جس میں تمام طلباء واساتذہ کے ساتھ خود امیر شریعت پوری دلچسپی کے ساتھ موجود رہے۔ مونگیر کے اس سفر میں امیر شریعت کے حسن اخلاق اور ان کے جامعہ کے نظام نے کافی متاثر کیا۔ ۵؍اگست کو رات میں وہاں سے چل کر دوسرے روز بخیر وعافیت خیرآباد آ گیا۔

۱۲۔ ابن خلدون یونیورسٹی استنبول نے دوسری کانفرنس صحیح بخاری پر ایک انٹرنیشنل کانفرنس یکم تا ۳؍نومبر ۲۰۱۹ء کو منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس میں مجھے اس کانفرنس کے مشاورتی ممبران میں رکھا اور کانفرنس میں حاضر ہونے اور پیپر پیش کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں نے اس کانفرنس کے محاور کے اعتبار سے ''**معايير الشيخ الألباني لتضعيف بعض الأحاديث في صحيح البخاري ومدى صحة دعواه** (شیخ البانی کے صحیح بخاری کی بعض احادیث کی تضعیف کے اصول اور وہ اپنے اس دعوے میں کہاں تک حق پر ہیں؟)'' پر ایک مقالہ تیار کر کے ۳۱؍اکتوبر ۲۰۱۹ء کو استنبول پہنچ گیا۔ ترکی کا یہ میرا تیسرا سفر تھا۔

وہاں کے لوگ بڑے ہی خوش اخلاق اور ملنسار ہیں، اور یہ لوگ حسن اخلاق کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن وجمال کی نعمت سے بھی بہرہ ور ہیں۔ وہاں کے تاریخی مقامات اور اسلامی عہد رفتہ کی عظمت وشوکت کے آثار ومقامات کی بھی زیارت ہوئی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایمانی اور مادی قوت سے اتنا مالا مال کر دے کہ وہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لاسکیں۔ وما ذلك على الله بعزيز

☆☆☆☆☆

سترہواں باب

شیوخ وتلامذہ

بچے کا پہلا مدرسہ اور تعلیم گاہ والدین کی گود اور گھر ہوتا ہے، اور اس کے پہلے معلم اور استاذ یہی والدین اور گھر کا ماحول ہوتا ہے، یہیں سے وہ زبان وادب اور تہذیب وشائستگی سیکھتا ہے، اور اسی ماحول سے وہ بدزبانی اور بے ادبی بھی اخذ کرتا ہے۔ گھر میں اگر سکون واطمینان اور شائستگی کی فضا ہوتی ہے تو بچہ بھی مہذب اور شائستہ ہوتا ہے، اور اگر گھر میں گالی گلوج اور لڑائی جھگڑے کا ماحول ہوتا ہے تو بچہ بھی انھیں چیزوں کو سیکھ کر بڑا ہوتا ہے، غرض گھر میں اپنے بڑوں کو جو کچھ کرتے ہوئے وہ دیکھتا ہے وہی سب کچھ وہ بھی کرتا ہے۔

جب وہ گھر سے باہر نکلنے کی عمر میں پہنچتا ہے تو گھر کے آس پاس گلی کوچے اس کا دوسرا مدرسہ اور اس ماحول میں رہنے والے بچے اس کے اساتذہ اور معلم ہوتے ہیں، اس لئے انسان جہاں بود وباش اور رہائش اختیار کرے وہاں کے تعلیمی وتربیتی ماحول پر بھی اس کی نگاہ ہونا چاہیے، ورنہ اس کے برے اثرات سے وہ اپنے بچوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

جب بچہ پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو اب وہ اپنی اصل تعلیم گاہ یعنی مکتب یا مدرسہ میں پہنچتا ہے، اور اس میں پڑھانے والے حضرات اس کے اساتذہ ہوتے ہیں۔

اساتذۂ کرام:

اس تمہید سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ، میرے معلم اول تو میرے والدین تھے اور میرے گھر کا ماحول تھا، اس کے بعد پھر محلّہ کے ہم عمر ساتھی اور اس کا ماحول۔ جب میں عمر کے پانچویں سال میں داخل ہوا تو مدرسہ منبع العلوم کے مکتب میں داخل کر دیا گیا، جس کی تفصیل میرے تعلیمی سلسلہ میں آچکی ہے۔ یہاں میں پرائمری درجات سے لے کر پی ایچ ڈی

تک کے تمام اساتذہ کا ذکر کروں گا، تاکہ ایک باب میں سب کا نام آجائے۔

پرائمری درجات کے اساتذہ:

پرائمری تعلیم درجہ ایک سے پانچ تک میں نے درج ذیل اساتذہ سے حاصل کی:

۱۔ حافظ ریاض الدین صاحب غالب پوریؒ

۲۔ مولانا شکر اللہ صاحب نعمانی ولید پوریؒ

۳۔ مولانا انوار احمد صاحب مظاہریؒ، اتراری

۴۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب قاسمی بھیروی

فارسی وعربی چہارم تک کے اساتذہ:

میں نے خیرآباد میں فارسی سے عربی چہارم تعلیم درج ذیل اساتذہ سے حاصل کی:

فارسی میں نے صرف مولانا شکر اللہ صاحب نعمانی ولید پوری سے پڑھی۔ اور عربی کی سب کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی سے پڑھیں۔ صرف ایک کتاب مرقاۃ مولانا سعید الرحمٰن صاحب پورنوی سے پڑھی۔

عربی پنجم (حیات العلوم مرادآباد) کے اساتذہ:

۱۔ مولانا نسیم احمد صاحب بجنوری

۲۔ مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری

۳۔ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی (عربی انشاء کی مشق)

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ:

ان اساتذہ کرام کا ذکر تعلیمی مرحلے میں کر چکا ہوں، تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے یہاں ان کا ذکر کر رہا ہوں، جو میرے لئے باعث برکت ہے۔

۱۔ مولانا اختر حسین صاحب

۲۔ مولانا شریف الحسن صاحب

۳۔ مولانا محمد حسین بہاری صاحب

۴۔ مولانا معراج الحق صاحب
۵۔ مولانا نصیر احمد خاں صاحب
۶۔ مفتی نظام الدین صاحب اعظمی
۷۔ مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی
۸۔ مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی
۹۔ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
۱۰۔ مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی
۱۱۔ مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی
۱۲۔ مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی
۱۳۔ مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی
۱۴۔ مولانا محمد سالم صاحب

مدینہ منورہ کے اساتذہ کرام:

۱۔ شیخ محمد امان علی جامی (سعودی)
۲۔ شیخ حماد بن محمد انصاری افریقی (سعودی)
۳۔ ڈاکٹر شیخ محمد عمر بن حسن بن عثمان محمد فلاتۃ (سعودی)
۴۔ شیخ دکتور ضیاء الرحمٰن الاعظمی (ہندی نژاد سعودی)
۵۔ شیخ عبدالعزیز العبداللطیف (سعودی)
۶۔ دکتور شیخ عاشور (مصری)
۷۔ دکتور شیخ عبداللہ کُرَیِّم (مصری)
۸۔ شیخ دکتور احمد طہ ریّان (مصری)
۹۔ شیخ دکتور محمد السید احمد الوکیل (مصری)
۱۰۔ پروفیسر دکتور شیخ اکرم ضیاء العمری (عراقی)

۱۱۔ دکتور شیخ سعدی ہاشمی (عراقی)
۱۲۔ دکتور شیخ عبدالرؤوف اللبدی (اردنی)
۱۳۔ دکتور شیخ محمود میرہ (شامی)
۱۴۔ دکتور شیخ عبدالغفار حسن (پاکستانی)

مکہ مکرمہ کے اساتذۂ کرام:

۱۔ استاذ محمد الامین (مصری)
۲۔ دکتور محمد عبدالمنعم القیعی [یہ اعمیٰ تھے] (مصری)
۳۔ استاذ سید احمد صقر (مصری)
۴۔ دکتور محمد محمد ابوشہبہ (مصری)
۵۔ پروفیسر دکتور محمد احمد یوسف القاسم [ماسٹر کے سپروائزر] (مصری)
۶۔ پروفیسر دکتور محمد احمد الشریف [ڈاکٹریٹ کے سپروائزر] (مصری)

یہ تو ان ساتذہ کی فہرست ہے، جن کے سامنے میں نے زانوئے تلمذ تہ کیا، یہ سب میرے محسنین میں سے ہیں، باری تعالیٰ ان سبھی حضرات کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔ اب میں ان چند اساتذہ کرام کا الگ سے ذکر کروں گا جن کا میری شخصیت سازی میں خاص کردار اور اہم رول رہا ہے۔

۱۔ حافظ ریاض الدین صاحب غالب پوری: اگر ان کی سختی اور توجہ نہ ہوتی تو میں کب کا مدرسہ چھوڑ کر ایک گمنام زندگی بسر کر رہا ہوتا۔

۲۔ مولانا نذیر احمد صاحب خیر آبادی: مولانا کے غیر معمولی طریقۂ تدریس نے ہمیں نحو وصرف میں پختگی اور اس پر عبور بخشا، اور عربی گرامر سے واقفیت میں کافی مدد کی۔

۳۔ مولانا معراج الحق صاحب: ان سے میں نے ہدایہ اخیرین پڑھی ہے، ان کے طرز استدلال، طریقۂ تفہیم اور پڑھانے کے انداز سے میں بہت متاثر تھا، اور ان کے جیسا بننے کی کوشش کرتا تھا۔

۴۔ مولانا وحید الزماں کیرانوی: مولانا ایک مردم ساز شخصیت کے مالک تھے، ان کے فیض تربیت سے نہ جانے کتنے ذرے آسمان علم وفضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر اپنی تابانیاں بکھیر رہے ہیں اور ایک عالم کو منور کئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے وہ سب کچھ سیکھا جو ایک عالم کو عربی بولنے اور لکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ان میں سے اکثر جوارِ رحمت میں پہنچ چکے ہیں، باری تعالیٰ جنت کے اعلیٰ مقام کو ان کا ٹھکانہ بنائے، اوران کے درجات کو بلند کرتا رہے۔

تلامذۂ اعزاء:

بیت العلوم مالیگاؤں میں چھ ماہ، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں سات سال، اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں ۲۸ر سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ آپ اندازہ لگایئے اس عرصہ میں کتنے طلباء نے مجھ سے پڑھا ہوگا۔ بلا مبالغہ شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے کم نہ ہوگی، اور یہ تقریباً دنیا کے اکثر ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں ان تمام شاگردوں کے نام تو نہیں لکھ سکتا، لیکن ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے فراغت کے بعد علمی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام بنایا ہے، ان کا مختصر تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے شاگرد:

۱۔ مولانا انیس احمد انصاری اصلاحی (سرائمیر): انھوں نے مجھ سے بخاری شریف اور شرح عقائد نسفی پڑھی۔ بعض مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مدرسۃ الاصلاح میں مدرس ہوکر آئے اور تادم واپسیں یہیں رہے، زبان وادب پر شاندار قدرت تھی، ابھی چند ماہ قبل اچانک ان کے انتقال کی خبر ملی۔ باری تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں ان کو جگہ دیں۔

۲۔ مولانا ڈاکٹر سہیل احمد اصلاحی: یہ بھی مولانا انیس صاحب کے درسی ساتھیوں میں سے ہیں، شبلی انٹر کالج کے پرنسپل تھے، اب شاید رٹائرڈ ہو چکے ہیں۔

۳۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ دینیات سے منسلک تھے۔ صاحب قلم اور اچھے مصنفین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ چند سال قبل ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

۴۔ مولانا ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی: انتہائی لائق وفائق اور باصلاحیت شخص ہیں، بہت عمدہ تصنیفی وتحقیقی ذوق رکھتے ہیں، ان کی تصانیف اور تحقیق وتعلیق سے شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد بیس پچیس سے کم نہ ہوگی۔ مجھ سے انھوں نے مسلم شریف، سراجی اور ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ پڑھی ہے ۱۹۷۱ء میں مدرسۃ الاصلاح سے فراغت کے بعد ندوہ گئے جہاں سے تخصص فی الادب کیا۔ اس کے بعد میرے زمانۂ تدریس ہی میں نومبر ۱۹۷۴ء میں مدرسۃ الاصلاح میں مدرس ہو کر آئے۔ چند سال پڑھانے کے بعد علی گڑھ چلے گئے، جہاں سے عربی میں ایم اے کیا، کچھ عرصہ دہلی سے نکلنے والے عربی رسالہ ''ثقافۃ الہند'' کے معاون مدیر بھی رہے۔ ۱۹۸۴ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۴ء تک مدینہ یونیورسٹی میں استاذ رہے۔ اس کے بعد وہ وزارت اسلامی امور سے وابستہ رہے اور بعض علمی وتحقیقی منصوبوں پر کام کرتے رہے۔ اکتوبر ۲۰۲۰ء میں انڈیا آگئے ہیں اور فی الحال یہیں مقیم ہیں۔

۵۔ مولانا محمد طاہر مدنی بن مولانا صغیر احسن اصلاحی: خطۂ اعظم گڑھ کی ایک نمایاں شخصیت اور ممتاز عالم دین ہیں، اس وقت جامعۃ الفلاح بلریا گنج کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

عربی سوم سے عربی ششم تک مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں تعلیم حاصل کی، مجھ سے ہدایہ اخیرین اور مسلم شریف پڑھی۔ یہاں سے ۱۹۷۷ء میں جامعہ دار السلام، عمر آباد گئے جہاں سے فضیلت کی تکمیل کی ۱۴۰۳ھ میں مدینہ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم ٹی ایچ کیا۔

۱۹۸۳ء سے تاحال جامعۃ الفلاح میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، جہاں ان کا شمار فقہ وحدیث کے اعلیٰ وممتاز اساتذہ میں ہوتا ہے۔ یہاں پر صدر مدرس، مہتمم تعلیم وتربیت اور اب ناظم اعلی کے منصب پر ہیں۔ جماعت اسلامی ہند سے وابستہ ہیں اور

یو پی رابطہ کمیٹی کے تاسیسی ارکان میں سے ہیں۔۱۲؍سال تک راشٹریہ علماء کونسل کے جنرل سکریٹری رہنے کے بعد اب عملی سیاست سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔

تصنیفات کی تعداد پانچ ہے۔خطبات جمعہ، دروس قرآن وحدیث اور خطابات عام کے ذریعے دعوتی واصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ باری تعالی ان کا نفع عام کریں اور شرف قبولیت سے نوازیں۔

۶۔ مولانا شکیل احمد اعظمی ندوی: سرائمیر سے متصل کھریواں کے رہنے والے ہیں، میں جب مدرسۃ الاصلاح پہنچا تو یہ عربی دوم میں تھے، انھوں نے مجھ سے عربی انشاء، قدوری اور ہدایہ پڑھی ہے، عربی چہارم پڑھ کر ندوہ چلے گئے، جہاں سے ۱۹۷۵ء میں عالمیت کی۔ ۱۹۷۷ء میں بحرین چلے گئے، ۲۰۰۲ء میں ان کو بحرین کی نیشنلٹی حاصل ہوئی۔ بڑے متحرک وفعال شخص ہیں، تعلیمی فیلڈ میں ان کی بڑی خدمات ہیں، وہاں ابن الہیثم اسلامی اسکول کا قیام ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ مدرسۃ الاصلاح کے بعد پھر ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا کے شاگرد:

اس یونیورسٹی کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں، یہاں کے اساتذہ کے لئے دو زبانوں پر مکمل عبور ہونا ضروری ہے۔ انگلش (یہ اس کی تدریسی اور آفیشیل زبان ہے)، عربی زبان (عربی مواد پڑھانے کی زبان ہے)۔ میں انگریزی سے بالکل نابلد تھا اور اب بھی بس یس اور نو ہی تک میری انگلش کی کل کائنات ہے۔ اس کے باوجود نہ صرف یونیورسٹی نے مجھے اعزاز واکرام کے ساتھ رکھا، بلکہ میری عربی خدمات کو سراہا، اور مجھے ترقی سے نوازتی رہی، متعدد بار مجھے ''بہترین مدرس'' کے تمغۂ امتیاز سے بھی سرفراز کیا گیا۔

میں نے اس یونیورسٹی میں بی اے کے طلباء کو بھی پڑھایا جن کی تعداد ہر سمسٹر میں ۵۰ اور کسی کسی سمسٹر میں ۷۰ تک پہنچ جاتی ہے، چونکہ یہ انٹرنیشنل یونیورسٹی ہے اس لئے یہاں دنیا کے ہر ملک سے طلباء وطالبات آتے ہیں اور علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ میں انھیں ۵؍ جولائی ۱۹۹۳ء سے اب تک پڑھا رہا ہوں، اس کی تعداد بہت زیادہ ہے، جو تین ہزار کے

قریب ہوگی۔ان میں سے بعض، بعض کورس میں مکرر ہوں گے، یہ بیشتر ملیشین ہوتے تھے اور ہیں،اس کے بعد انڈونیشیا کے طلباء، پھر تھائی لینڈ، برونائی، کمبوڈیا، مالدیپ، برما، سری لنکا، فلپائن، بنگلہ دیش، چین، انڈیا، پاکستان، نیپال، ایران، ازبکستان، روس۔عرب ممالک جیسے سعودی عرب، امارات، کویت، بحرین، عمان، اردن، مصر، شام، فلسطین، سوڈان، الجزائر، تیونس، لیبیا۔امریکا، آسٹریلیا اور کناڈا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں میں صرف ماجستر اور دکتوراہ اور مابعد الدکتوراہ کے ان شاگردوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے میرے اشراف یا سپروائزری میں اپنی اپنی تھیسس یا بحثیں لکھیں، اور فراغت کے بعد اپنا ایک علمی مقام بنایا۔ باقی شاگردوں کے نام کتاب کے اخیر میں دیئے جائیں گے جنھوں نے میرے اشراف میں ایم اے یا پی ایچ ڈی کی ہے۔

ایم اے کے اہم تلامذہ:

۱۔ شیخ زہرالدین بن ناوی: آپ ملیشیا کے صوبہ کلنتن کے رہنے والے ہیں۔انھوں نے ابتدائیہ یہاں سے کیا، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے، جہاں وہ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۴ء تک رہے، اور عربی اول سے دورۂ حدیث تک پڑھا۔دورۂ حدیث ۱۹۹۸ء میں کیا، یہ حاجی بابو کے مشکوٰۃ اور دورہ کے ساتھی ہیں، اردو زبان اچھی جانتے ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے ہمارے ڈپارٹمنٹ سے میرے اشراف میں ۲۰۰۷ء میں ماجستر مکمل کیا۔ ذہین اور صوفی منش آدمی ہیں، ان پر دارالعلوم دیوبند کی پوری پوری چھاپ ہے۔ان کا کوئی مستقل مشغلہ نہیں ہے، جگہ جگہ ان کے وعظ ہوتے ہیں، یہ ملیشیا میں اچھی شہرت کے حامل ہیں۔ ملیشین زبان میں ''بصائر'' کے نام سے ان کی ایک ویب سائٹ ہے، جس کے تحت وہ ایک ہزار کے قریب ویڈیو یوٹیوب پر نشر کر چکے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر زنیدہ بنت محمد مرزوقی: یہ ملیشیا کے صوبہ کدہ کی رہنے والی ہیں۔ یہ سابق الذکر مولانا زہرالدین کی اہلیہ ہیں، انھوں نے اپنی تینوں ڈگریاں: بکارلوریوس، ماسٹر اور دکتوراہ ہمارے ہی ڈپارٹمنٹ سے حاصل کیں۔بکارلوریوس، ماسٹر اور دکتوراہ کے حدیثی

کورسز میں میری شاگرد رہی ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں انھوں نے میرے اشراف میں ماسٹر مکمل کیا، اور میرے شاگرد ڈاکٹر سیوطی عبدالمناس کے اشراف میں ۲۰۱۶ء میں دکتوراہ مکمل کیا، اور اس وقت یہ ہمارے ڈپارٹمنٹ میں لکچرر ہیں۔ ان کے بہت سارے مقالات چھپ چکے ہیں، ملیشیا میں ان کا ایک علمی مقام ہے۔

۳۔ فاطمہ بنت محمد: یہ بھی ملیشین ہیں اور اپنی ساری تعلیم ہماری ہی یونیورسٹی سے مکمل کی، اس لئے یہ بکارلوریوس، ماسٹر اور دکتوراہ تینوں مراحل کے کئی کورسز میں میری شاگرد ہیں، ان کی عربی عمدہ ہے۔ انھوں نے اپنی تعلیم پر کافی محنت اور توجہ صرف کی ہے۔ انھوں نے میرے زیر اشراف ۲۰۱۶ء میں ماسٹر مکمل کیا ہے اور میرے ہی اشراف میں دکتوراہ کر رہی ہیں۔ ان کے کئی مقالات محکم رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ مجھے ان کا مستقبل بہت روشن نظر آرہا ہے، اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

۴۔ احمد خورشید: یہ ہندوستانی ہیں اور مشہور علمی مرکز دیوبند کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے ۲۰۱۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد افتاء کیا، پھر ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ۲۰۱۸ء میں ایم اے کیا۔ ان کی ولادت مدینہ منورہ کی ہے، وہیں اس وقت یہ مقیم ہیں، اور مسجد نبوی میں درس دیتے ہیں، ان کے کئی مقالات شائع ہو چکے ہیں، اگر انھوں نے دکتوراہ کرلیا ہوتا تو ان کو ملازمت کے اچھے مواقع ملتے۔

۵۔ شجاع الرحمٰن اعظمی: یہ اعظم گڈھ کے ایک گاؤں ''کٹولی خرد'' کے رہنے والے ہیں، انھوں نے مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اعظم گڈھ سے جلالین پڑھ کر عالمیت کی تکمیل کی، یہ حاجی بابو کے شاگرد ہیں۔ اس کے بعد دارالعلوم وقف سے دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی۔ پھر ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ۲۰۱۷ء میں میرے اشراف میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی، اور اس وقت دکتوراہ کے تیسرے سال میں ہیں۔ کافی متحرک وفعال اور قائدانہ صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ مجھ سے خاص ربط و تعلق ہے، میری بڑی خدمت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس پر جزائے خیر دے اور بحسن وخوبی دکتوراہ کی تکمیل کرادے۔

۶۔ مولانا محمد عامر مبارکپوری: یہ میرے بڑے ہی قریبی عزیز ہیں، میری نواسی ان سے منسوب ہے۔ مکمل عربی تعلیم عربی اول سے دورۂ حدیث تک دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، اس لئے استعداد بہت پختہ ہے، تبلیغی جماعت سے بھی منسلک ہیں ۲۰۱۵ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں ملیشیا ہماری یونیورسٹی میں ماسٹر کرنے کا موقع فراہم کیا، انھوں نے ۲۰۱۸ء میں میرے اشراف میں ماسٹر کی تکمیل کی، اور انڈیا واپس چلے گئے۔ وہاں بعض مدارس میں ایک اچھے اور نیک نام مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ان کی عربی اور انگلش دونوں بہت اچھی ہے۔ اس وقت گھر پر ہی اپنے والدین کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

دکتوراہ کے تلامذہ:

۱۔ ڈاکٹر محمد عصری بن زین العابدین: یہ ملیشیا کے صوبہ پرلیس کے رہنے والے ہیں۔ جامعہ اردنیہ سے ایم اے کرنے کے بعد ہماری یونیورسٹی کے ڈپارٹمنٹ قرآن وسنت سے میرے زیر اشراف ۲۰۰۳ء میں پی ایچ ڈی کی۔ انھوں نے پننگ یونیورسٹی میں کئی سال تک اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں، اور اپنے پی ایچ ڈی کے رسالہ کو میری تقریظ کے ساتھ ہماری یونیورسٹی کی طرف سے شائع کیا۔ اس کا عنوان ہے: ''سبب ورود الحديث دراسة تحليلية بالتركيز الخاص على الضوابط والمعايير'' [اسباب حدیث کے قواعد وضوابط] موصوف اس وقت پرلیس صوبہ کے مفتی اعظم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اچھی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ سلفی اتجاہ رکھتے ہیں، ابتداءً اس میں بڑی شدت تھی، لیکن اب اس میں خاصا اعتدال آچکا ہے۔ میرے کرسی ہولڈر ہونے میں ان کا اہم کردار ہے، مجھ سے بہت محبت رکھتے ہیں، اور باہم خاصی بے تکلفی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر سیوطی عبدالمناس: یہ بھی ملیشین ہیں، انھوں نے بھی ۲۰۰۳ء میں میرے اشراف میں پی ایچ ڈی مکمل کی، اور ایک عرصہ تک ہمارے ہی ڈپارٹمنٹ میں لکچرر رہے، اور اب برونائی دارالسلام میں سلطان شریف علی اسلامی یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر کام

کررہے ہیں، ان کی بھی حدیث میں کئی تالیفات ہیں۔ ان سے شروع سے اب تک گہرے تعلقات رہے ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر عمر بن محمد فطان: یہ الجزائر کے باشندے ہیں، انھوں نے میرے اشراف میں پہلے ایم اے کیا، پھر ۲۰۱۱ء میں پی ایچ ڈی بھی کی۔ اس وقت ہمارے ہی ڈپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، اچھی صلاحیت کے مالک ہیں۔ عربی اور انگریزی میں مقالے لکھتے ہیں۔ انتظام وانصرام کی بھی اچھی صلاحیت ہے، طلباء میں بے حد مقبول ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر لِلّی سوزانہ بنت حاجی شمسو: یہ برونائی دارالسلام کی خاتون ہیں، انھوں نے میرے اشراف میں پی ایچ ڈی مکمل کی ۲۰۱۰ء میں فراغت کے بعد سے اپنے ملک کی سلطان شریف علی اسلامی یونیورسٹی کی کلیۃ اصول الدین میں لکچرر ہیں، پھر اس کلیہ کی ڈین بنیں، اور اس وقت ڈین کے ساتھ ساتھ اپنی یونیورسٹی کی وائس چانسلر بھی ہیں۔ عربی اور بروناوی زبان میں کئی کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ بہترین صلاحیت کی مالک بڑی نیک اور صالح خاتون ہیں۔

۵۔ ڈاکٹر فضلان محمد عثمان: یہ ملیشین ہیں، اور ہمارے ڈپارٹمنٹ سے میرے اشراف میں ۲۰۱۱ء میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ فراغت کے بعد ''الجامعة الوطنية الماليزية'' (لوکل ملیشین یونیورسٹی) میں اسسٹنٹ پروفیسر رہے، اس وقت ''جامعة المدينة العالمية[ماليزيا]'' (انٹرنیشنل مدینہ یونیورسٹی) کے وائس چانسلر ہیں۔ نہایت صالح، صوفی منش اور اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں، مجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔

۶۔ ڈاکٹر اِروان سنتری ولد ذوالقواعد الندوی: یہ بھی ملیشین ہیں، یہاں سے پڑھائی کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۹۹ء میں بی اے کیا، پھر ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ایم اے کرنے کے بعد ۲۰۱۱ء میں میرے اشراف میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ فراغت کے بعد سے اب تک '' جامعة العلوم الإسلامية الماليزية ''میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ اب تک ان کی تین کتابیں شائع ہوچکی ہیں، سیدھے سادھے نیک انسان ہیں، مجھ سے جب ملاقات ہوتی ہے بڑے خلوص سے ملتے ہیں۔

۷۔ مولانا مفتی ڈاکٹر یاسر ندیم الواجدی: یہ محتاج تعارف نہیں ہیں، یہ ملیشیا میں میرے پہلے ہندوستانی شاگرد ہیں۔ دیوبند کے رہنے والے ہیں، حافظ قرآن ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے ۲۰۰۱ء میں فراغت حاصل کی، وہیں سے افتاء بھی کیا۔ اور ۲۰۰۲ء میں شکاگو میں اپنے نانا مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب کے تعلیم الاسلام انسٹی ٹیوٹ میں بحیثیت مدرس آگئے، اور تاحال وہیں ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں ہمارے ڈپارٹمنٹ سے میرے زیر اشراف پی ایچ ڈی مکمل کی۔ انھوں نے ۲۰۰۴ء میں ایک ادارہ ''دارالعلوم آن لائن'' قائم کیا اور اس کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند کے طرز پر ساری دنیا کے خواہش مند طلباء کو آن لائن درس دیتے ہیں، اس وقت وہ اس کے ڈائرکٹر ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف محاذ پر اسلام کی سربلندی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ امریکہ اور کناڈا کے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے روشناس کراتے ہیں، اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حسن ظاہری و جمال باطنی دونوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ مجھ سے خاص تعلق رکھتے ہیں، مجھے ان پر ناز ہے۔ ان کی طلب پر ان کے نانا نے مجھے شکاگو اپنے ادارہ میں بحیثیت محاضر مدعو کیا تھا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۸۔ ڈاکٹر فتح الباری بن مَـتْ جَـهُـيَـا: یہ ملیشیا کے پرلیس صوبہ کے رہنے والے ہیں، اور میرے بڑے چہیتے شاگرد ہیں ۲۰۱۳ء میں انھوں نے میرے اشراف میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ اس کے بعد سیاست میں داخل ہوگئے اور سابق وزیر اعظم ملیشیا جناب نجیب عبدالرزاق کے دینی مشیر کار تھے۔ اس وقت بھی سیاست اور تجارت ہی سے منسلک ہیں۔

۹۔ ڈاکٹر فؤاد بن احمد بوالنعمہ: یہ الجزائر کے رہنے والے ہیں، انھوں نے ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ۲۰۱۵ء میں پی ایچ ڈی کی۔ اس وقت ''**جـامـعـة الـمـديـنـة الـعـالـمـية ماليزيا**'' میں بحیثیت اسوسیٹ پروفیسر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، کافی ذہین اور نیک دل انسان ہیں۔ ''**جامعة المدينة العالمية**'' میں کلیۃ العلوم الاسلامیہ کے عمید اور اسی میں حدیث ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ رہ چکے ہیں، اور جامعہ کے مجلّہ العلوم الاسلامیہ الدولیہ کے

اڈیٹر رہ چکے ہیں۔اس وقت حدیث ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ ہیں۔

۱۰۔ ڈاکٹر آدم محمد مصطفیٰ جد کاوی: یہ نائیجیرین ہیں۔نائیجیریا کی مایہ ناز شخصیات میں ان کا شمار ہوتا ہے۔انھوں نے جامعہ ازہر سے ۲۰۰۵ء میں بی اے کیا، پھر ہماری یونیورسٹی کے قرآن وسنت ڈپارٹمنٹ سے ۲۰۱۰ء میں ایم اے کیا۔اس کے بعد یہیں سے میرے اشراف میں ۲۰۱۶ء میں پی ایچ ڈی کی۔اس کے بعد اپنے ملک نائیجیریا چلے گئے،اور وہاں ''جامعة ولاية يوبى دماترو'' میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر کام کر رہے ہیں،اور اس وقت وہاں کے ریسرچ سنٹر کے ڈائرکٹر ہیں۔

۱۱۔ مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی: خانوادۂ قاسمی کے فرد فرید ہیں، بانی دارالعلوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔میرے استاذ مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کے پوتے اور مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی [مہتمم دارالعلوم وقف] کے فرزند ارجمند ہیں۔اکتوبر ۲۰۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی،اور اکتوبر ۲۰۰۹ء سے مئی ۲۰۱۰ء تک ''الفجر انسٹی ٹیوٹ قاہرہ'' سے ڈپلومہ کیا۔پھر جون ۲۰۱۰ء سے جون ۲۰۱۲ء تک ہماری یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے اور میرے اشراف میں ایم اے کیا،اور فروری ۲۰۱۳ء سے اپریل ۲۰۱۶ء تک یہیں سے میرے اشراف میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔

اس وقت یہ دارالعلوم وقف کے نائب مہتمم، حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ناظم، مجلّہ ''وحدۃ الامۃ'' کے اڈیٹر، ماہنامہ ندائے دارالعلوم اور سہ ماہی وائس آف دارالعلوم کے ڈائرکٹر اور دارالعلوم وقف میں استاذ بھی ہیں،ان کی کئی تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔یہ میرے ایسے شاگرد ہیں جنھوں نے میری بے پناہ خدمت کی ہے،ملیشیا میں یونیورسٹی جانا ہو یا کہیں اور کا قصد ہو یہ حاضر رہتے تھے۔متعدد بار دارالعلوم وقف کے پروگراموں میں مجھے مدعو کر چکے ہیں،جس کا ذکر اسفار والے باب میں آچکا ہے،میرے دل میں ان کی بے حد قدر ہے،اللہ تعالیٰ انھیں خوب خوب ترقیات سے نوازے۔ان کے والد مولانا محمد سفیان قاسمی حفظہ اللہ بھی میرے ساتھ بڑی محبت اور احترام وتکریم کا معاملہ کرتے ہیں۔

۱۲۔ ڈاکٹر اسلام صالح مفلح خُلَیفات: ان کا تعلق بحرین سے ہے۔ انھوں نے ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ۲۰۱۶ء میں میرے زیر اشراف پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ اس وقت بحرین یونیورسٹی میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر کام کررہے ہیں۔ ان کے چند مقالے علمی مجلّات میں شائع ہوکر اہلِ علم کے علم میں اضافہ کررہے ہیں، بڑے ہی ذہین اور مؤدب انسان ہیں۔ نصوص کی تحلیل میں بڑا عمدہ ذوق پایا ہے۔

۱۳۔ ڈاکٹر سید عبدالماجد غوری: ان کا تعلق انڈیا کے شہر حیدرآباد سے ہے۔ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد دمشق چلے گئے، وہاں سے بی اے کیا اور ملیشیا کے ''انٹرنیشنل اسلامی کالج سلانگور'' میں لکچرر ہوئے۔ اور ہمارے ڈپارٹمنٹ قرآن وسنت سے میرے اشراف میں ۲۰۱۳ء میں ایم اے پھر ۲۰۱۶ء میں پی ایچ ڈی کیا۔ موصوف بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں، ابھی شاید عمر کی پانچویں دہائی میں ہوں گے، لیکن مختلف موضوعات پر ان کی اب تک چالیس سے زیادہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ اس وقت ''**جامعة العلوم الإسلامية ماليزيا**'' میں ہیں۔

۱۴۔ ڈاکٹر کلثوم محمد حَرید: یہ صومالیہ کی رہنے والی خاتون ہیں۔ متحدہ عرب امارات میں ان کی نشو ونما ہوئی ہے، ان کی تعلیم ابتداء سے ماسٹر تک امارات میں ہی ہوئی ہے۔ انھوں نے صرف پی ایچ ڈی کے لئے وہاں سے باہر قدم نکالا اور ہماری یونیورسٹی میں داخلہ لے کر ۲۰۱۸ء میں میرے اشراف میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس وقت یہ جامعۃ الشارقۃ میں بحیثیت لکچرر کام کررہی ہیں۔ ان کی دو تین کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، بڑی باصلاحیت، ذہین اور رحمدل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ملک کو امن وآشتی کا گہوارہ بنادے۔

۱۵۔ ڈاکٹر احمد اسماعیل عبداللہ الکمالی: یہ ابوظبی کے سب سے بڑے شہر العین کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ۲۰۱۸ء میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس وقت امارات کے ''**دار زائد للثقافة الإسلامية**'' میں کام کررہے ہیں، یہ ''**قسم شؤون المسلمين الجدد**'' کے ہیڈ بھی ہیں۔ ان کی دوسری مزید مصروفیات بھی ہیں، امارات

میں بڑے متحرک انسان ہیں۔

۱۶۔ ڈاکٹر غصنہ حمد العامری: یہ بھی ابوظبی کے شہر العین کی رہنے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی صلاحیتوں سے نوازا ہے، غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرنا ان کی طبیعت ثانیہ ہے، اپنے اساتذہ کا خاص خیال رکھنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہیں۔ یہ امارات میں ''کبیر الوعاظ'' سے مشہور ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے دعوت وتبلیغ کا کام کرتی ہیں۔ جب انھوں نے اپنی دو تہائی عمر گزار لی تو پی ایچ ڈی کرنے کا شوق ہوا، تو انھوں نے ہماری یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور میرے اشراف میں پی ایچ ڈی کی۔ ۱۱/ جولائی ۲۰۱۹ء کو ان کا مناقشہ ہوا، اور انھیں ممتاز کامیابی سے دکتوراہ کی ڈگری دی گئی۔ دعوت وتبلیغ کے میدان میں کئی کتابیں تالیف کی ہیں اور امارات میں اچھی شہرت کی حامل ہیں۔

۱۷۔ ڈاکٹر محمد امین چی نو: یہ تھائی لینڈ کے رہنے والے ہیں، ان کی اپنے ملک میں بڑی اہمیت وشہرت ہے، وہاں انھوں نے مسلمانوں کے لئے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے یہاں سے ۲۰۱۸ء میں میرے زیر اشراف پی ایچ ڈی مکمل کی، اس وقت یہ تھائی لینڈ میں درج ذیل مناصب پر ہیں:

- ☆ مدير عام مؤسسة الفرقان فی التعليم فی سونجكلا
- ☆ مدير المعهد الإسلامی الخيری
- ☆ رئيس مؤسسة الإحسانة الخيرية
- ☆ مستشار الأمين للمجلس المركزی الإسلامی مملكة تايلاند
- ☆ عضو مجلس أمناء شؤون الحلال التايلاندی
- ☆ عضو مجلس التعليم للمجلس المركزی الإسلامی بتايلاند
- ☆ أمين عام لجنة الفتاویٰ والتعليم بعثة الحج تائلاندی
- ☆ أستاذ زائر فی جامعة فطانی قسم القرآن والسنة

۱۸۔ ڈاکٹر مصطفیٰ الامین الجکنی الشنقیطی: یہ موریتانیا کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے

ہمارے ڈپارٹمنٹ سے ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء میں دکتوراہ مکمل کیا، میں ان کا سپروائز رمقرر کیا گیا۔ ان کے اندر تحلیلی واستنتاجی صلاحیت غضب کی ہے۔ تصوف کی طرف زبردست میلان ہے۔ دکتوراہ سے پہلے بھی اوراس کے بعد بھی وہ مکہ مکرمہ میں مختلف جگہوں پر پڑھاتے رہے، اوراس وقت یہ ''جامعة العلوم الإسلامية ماليزيا'' میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی کئی تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔

۱۹۔ ڈاکٹر منال احمد الجُبّہ: یہ شام کی رہنے والی انتہائی ذہین وفطین اور محنتی خاتون ہیں۔ شام کے حالات خراب ہونے کے بعد یہ اپنے شوہر کے ساتھ ملیشیا چلی آئیں۔ یہاں انھوں نے پہلے میرے اشراف میں ایم اے کیا، پھر ۲۰۱۹ء میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ فی الحال وہ کسی کام سے نہیں لگی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔ ان کی متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

۲۰۔ ڈاکٹر فرید الدین فہیم الدین: یہ اعظم گڈھ (انڈیا) کے رہنے والے، اور علمی دنیا کی مشہور ومعروف شخصیت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کے پوتے ہیں۔ بڑے ہونہار، باصلاحیت اور محنتی انسان ہیں، شاید ان کی اسی محنت کا اثر ہے کہ اب تک ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ انھوں نے ہمارے یہاں سے ۲۰۲۰ء میں میرے زیر اشراف پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اس وقت اپنے دادا جان کی خدمت میں رہتے ہیں۔

۲۱۔ ڈاکٹر خدیجہ سالم محمد الکعبی: یہ متحدہ عرب امارات کی إمارة فجیرہ کی رہنے والی ہیں۔ انھوں نے ادھیڑ عمر میں دکتوراہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بڑی نیک، صالح، بااخلاق اور ہنس مکھ خاتون ہیں۔ میرے زیر اشراف ۲۰۲۱ء میں انھوں نے پی ایچ ڈی مکمل کی۔ اور پی ایچ ڈی سے پہلے جہاں کام کرتی تھیں وہیں اب بھی کرتی ہیں۔ یہ تربیت اسلامیہ کی معلّمہ کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

اٹھارہواں باب

میرے دوست واحباب

میں جہاں بھی رہا میرے وہ احباب جن سے بہت ساری باتیں شیئر کی جاسکیں وہ بیک وقت دو تین سے زیادہ نہ تھے۔ خیرآباد میں پڑھنے کے زمانے میں بھیرہ کے مولوی حسنین، اتراری کے مولوی زبیر احمد صاحب اور کبھی حافظ عبدالحی صاحب' موجودہ ناظم مدرسہ منبع العلوم، اور قاری عبدالجلیل صاحب۔ مرادآباد میں مولوی حبیب الرحمٰن بھیا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا شمیم احمد صاحب غالب پوری، مولوی ارشد رضا بجنوری بن مولانا احمد رضا بجنوری، مولوی محمد اسرائیل گھوسوی، مولانا ابوبکر غازی پوریؒ، مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی، فیض آباد کے مولوی محمد اور خیرالدین پور اعظم گڈھ کے مولوی ابوالحسنات صاحب، یہ سب میرے انتہائی مخلص اور قریبی دوست تھے۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں پڑھانے کے دوران کاری سات کے قاری قربان علی صاحب، مولانا زین العابدین صاحب، سرائمیر قصبہ کے حاجی مطلوب صاحب، یاسین بھائی کلاتھ مرچنٹ اور شاعر رشید احمد صاحب انصاری۔

مدینہ منورہ میں مولانا محمود الحسن صاحب مبارکپوری، مولوی محمد غانم دیوبندی، مولوی خالد گل دیوبندی، مولوی حافظ محمد مجتبیٰ قاسمی مونگیری اور بلریا گنج کے مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی، آخرالذکر کا مکہ مکرمہ میں بھی ساتھ رہا۔

مکہ مکرمہ کے دوستوں میں مولانا سلامت اللہ صاحب، مولانا اقبال مسعود ندوی بھوپالی، سنجر پور کے فیاض احمد بھائی اور مدرسہ صولتیہ میں مدرس قاری خلیق اللہ صاحب بستوی وغیرہ تھے۔

سب سے اخیر میں اگر خیرآباد کے اپنے ان دوستوں کا نام نہ لکھوں تو بڑی ناشکری

ہوگی، جن کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا تھا اور علمی تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر محمد یحییٰ بیخود صاحبؒ، ماموں محمد مبین انجم ضیائیؒ، مولانا فضل حق صاحب عارف، مولوی زبیر احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ (کلاتھ مرچنٹ)۔

موجود حقیقی دوستوں میں سے اوپر ذکر کیے گئے دوستوں کے علاوہ جو ہیں، ان میں سے حافظ مولانا ضیاء الحق صاحب (عرف حاجی بابو) ادھر گزشتہ چند سالوں سے موصوف سے بہت خاص قلبی لگاؤ ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنا خاص فضل فرمائیں (۱) [حاشیہ اگلے صفحہ پر]۔ حاجی فضل حق دادا، حافظ عبید الرحمٰن صاحب محلّہ اترای اور مولانا ضیاء الدین صاحب اتراری، مئو کے مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب قاسمی مدنی وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ میرے بچے ہوئے اِن دوستوں کی حفاظت فرمائے اور انھیں صحت وعافیت کے ساتھ طویل عمر عطا کرے۔ میں نے جن دوستوں کا ذکر کیا ہے وہ سب انتہائی نیک، صالح اور باکردار شخصیات ہیں، خاص طور سے ڈاکٹر یحییٰ بیخود صاحب، مولانا فضل حق صاحب، حاجی بابو، حافظ عبید الرحمٰن صاحب وغیرہ، مجھے تو کوئی حق نہیں ہے کہ ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ کروں، لیکن ان کے احوال دیکھ کر میرے لئے یہ کہنا ان شاء اللہ غلط نہ ہوگا کہ جنتی ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، اور میں چونکہ ان کے ساتھ رہتا ہوں، ان سے بے پناہ لگاؤ رکھتا ہوں، اس لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ مجھے ان کی معیت سے محروم نہیں رکھیں گے۔ وہاں بھی مولانا فضل حق صاحب کی کٹیا ہوگی، ہم چند احباب اکٹھا ہوں گے، چنے اور نمکین کھا کر ان کی مخصوص قسم کی چائے پیا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ (یس:۵۷) اور ہمارا مُدّعیٰ مولانا کی کٹیا اور نمکین وچائے ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا کہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے لئے تیاری کیا کی ہے؟ اس نے جواب دیا: تیاری تو کچھ بھی نہیں ہے، بس اللہ اور اس کے رسول سے بے حد پیار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو بس تم انھیں لوگوں کے ساتھ

قیامت میں ہوگے جن سے پیار کرتے ہو۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ جتنی خوشی ہمیں اس جملے سے ہوئی کسی سے اتنی خوشی نہ ہوئی، اور پھر حضرت انسؓ نے کہا کہ میں تو نبی ﷺ، ابوبکر اور عمر سے پیار کرتا ہوں، اور مجھے امید ہے کہ میں اپنی اسی محبت کی بدولت ان کے ساتھ ہوں گا، اگرچہ میرا عمل تو ان لوگوں جیسا نہیں ہے۔ (متفق علیہ)۔

(۱) میرا جی چاہتا ہے کہ مرتب کتاب مولانا ضیاء الحق صاحب حاجی بابو کا مختصر تعارف کرادوں تاکہ کتاب کے قارئین مؤلف کے ساتھ اس کے مرتب سے بھی واقف رہیں۔

نام: ضیاء الحق خیرآبادی (عرفیت حاجی بابو) والد کا نام: حاجی عبدالرحمٰن صاحبؒ

تاریخ ولادت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۴؍اکتوبر ۱۹۷۵ء

تعلیم: پرائمری، حفظ اور فارسی وعربی اول تک تعلیم وطن کی معروف درسگاہ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد ہمارے دیار کے مشہور عالم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے، مولانا نے ان کی خصوصی طور پر تربیت فرمائی اور جماعت سے ہٹ کر تین سال میں عربی دوم سے عربی پنجم تک کی دو کتابوں کے علاوہ تمام کتابیں خود پڑھائیں۔

شوال ۱۴۱۷ھ مطابق فروری ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند گئے اور مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا۔ شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد شوال ۱۴۱۹ھ مطابق جنوری ۱۹۹۹ء میں مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں مدرس ہوئے، جہاں شوال ۱۴۳۴ھ مطابق اگست ۲۰۱۳ء تک ۱۵؍سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دوسال سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو میں اپنے استاذ محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کی ایماء پر گئے، اور دوسال وہاں رہے۔ شوال ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء سے تاحال دارالعلوم تحفیظ القرآن سکھٹی، مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف ایک بافیض مدرس ہیں، اس وقت ان کی تدریسی زندگی کو ۲۲؍سال ہو رہے ہیں، فارسی کی پہلی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک کتابیں زیر درس رہی ہیں۔

تحریری سرگرمیاں: زمانہ طالب علمی سے ہی کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ رہا۔ شیخوپور مدرس ہونے کے بعد ۱۲؍سال تک ماہنامہ ضیاء الاسلام کی ترتیب وادارت کی ذمہ داری متعلق رہی۔ اس کے بعد سکھٹی سے ایک سہ ماہی مجلّہ رشد وہدایت نکالا، جس کی اشاعت ناسازگار حالات کی وجہ سے فی الحال موقوف ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو یوماً فیوماً ترقیات سے نوازیں، آمین۔ (محمد ابواللیث خیرآبادی)

فہرست
طلبائے ایم اے و پی ایچ ڈی

تلامذہ کے تعارفی ذکر میں ہم نے اپنے ان شاگردوں کا مختصر تعارف کرایا ہے جنھوں نے فراغت کے بعد اپنا ایک علمی مقام بنایا۔ ہم نے وہاں وعدہ کیا تھا کہ آگے ہم ایم اے اور پی ایچ ڈی کے اپنے ان تمام شاگردوں کی لسٹ دیں گے جن کی تھیسیس کے ہم یا تو ''مین سپروائزر'' تھے، یا ''کوسپروائزر'' تھے، یا سپروائزر کمیٹی کے ہیڈ تھے، تو حسب وعدہ وہ لسٹ ہم یہاں پیش کررہے ہیں، جس میں ان تمام طلباء کے نام، ان کی تھیسس کے عناوین اور دیگر تفصیلات موجود ہیں۔

اس لسٹ کے بعد ہم نے مزید چار لسٹ دی ہیں، جن میں ہمارے ڈپارٹمنٹ کے ایم اے کے ان طلباء کے نام ہیں جن کا ہم نے امتحان لیا، پھر اپنے ہی ڈپارٹمنٹ کے پی ایچ ڈی کے وہ طلباء ہیں جن کا وائی وا (مناقشہ) ہم نے لیا۔ اس کے بعد دوسری یونیورسٹیوں کے ایم اے، اور پی ایچ ڈی کے طلبا ہیں جن کا امتحان یا وائی والیا ہے۔ اس طرح یہ ۶/قسم کی لسٹ ہیں، ملاحظہ کریں:

قائمة برسائل الماجستير بالقسم التي أشرفت عليها

المشرف الرئيسي Main Supervisor				
NO. تسلسل	MATRIC NO. الرقم الجامعي	NAME of STUDENTS أسماء الطلبة والطالبات	TITLE of THESIS عناوين رسائلهم	Year of Graduation سنة التخرج
١.	G٩٤١٠٢٩٦	Dudin Shobaruddin ذو الدين صبر الدين (إندونيسي)	مناهج حفظ السنة في القرون الثلاثة الهجرية	تم امتحانه في ١٩٩٧ تم اعتماد سنت في ٢٤-Nov-١٩٩٧
٢.	رقمها غير محفوظ	Sihem Si Bachir سهام سي بشير (جزائرية)	حقوق الجسد على ضوء القرآن والسنة	تم امتحانها في ٢٠٠١
٣.	G ٩٧١٥٩٧٧	Kazimoski bdulla كازيموسكي عبد الله (ألبانوي)	مختلف الحديث: دراسة تحليلية للجوانب الإيجابية فيه	تم امتحانه في ٢٠٠١ تم اعتماد سنت في ٢٢-Sep-٢٠٠١
٤.	G٩٩١٠٤٣٥	Sayed Shawki el- Sayed Ismail سيد شوقي السيد إسماعيل (مصري)	الطب النبوي في مختبر الطب الحديث	تم امتحانه في ٢٠٠٢ تم اعتماد سنت في ٢٩-Sep-٢٠٠٢
٥.	G٠٠٢٣٠٧٨	Nurul Khairiah bt. Khalid نور الخيرية بنت خالد (ماليزية)	الأحاديث التي سكت عنها الحاكم والذهبي معا في الجزأين الأولين للمستدرك وتلخيصه	تم امتحانها في ٢٠٠٣ تم اعتماد سنت في ٢٢-Aug-٢٠٠٤
٦.	G٠٠١٠٠٢٢	Phaliyah Yama فاليه ياما (تايلندية)	الأحاديث التي سكت عنها الحاكم والذهبي معا في الجزأين الأخيرين للمستدرك وتلخيصه	تم امتحانها في ٢٠٠٣ تم اعتماد سنت في ٢٢-Aug-٢٠٠٤
٧.	G٠٠٣٢٣١١	Fettane Amar فطان أعمر (جزائري)	الآراء الحديثية للإمام الشافعي في الرسالة: دراسة تحليلية	تم امتحانه في ٢٠٠٣ تم اعتماد سنت في ٢٢-Aug-٢٠٠٤
٨.	G٠٠٣٥٢٥٤	Nasreen Ismail نسرين إسماعيل (ماليزية)	أحاديث الطلاق والعدة: دراسة تحليلية	تم امتحانها في ٢٠٠٣ تم اعتماد سنت في ٢٢-Aug-٢٠٠٤

٩.	G٠١٢٤٢١٥	Firdaus b. Yahya فردوس بن يحيى (ماليزي)	أحاديث رؤية الهلال ومحاولة اكتشاف التطور في مفهومها	تم امتحانه في ٢٠٠٥ تم اعتماد سنت في ٢٠-Aug-٢٠٠٥
١٠.	G٠١٢٠١٣٤	Husnul Rita bt. Aris حسن الريتا بنت عريس (ماليزية)	أحاديث المجازفة في الثواب والعقاب: دراسة تحليلية نقدية لما ورد منها في إحياء علوم الدين للأمام الغزالي	تم امتحانها في ٢٠٠٥ تم اعتماد سنت في ٢٠-Aug-٢٠٠٥
١١.	G٠٦١٧٦١٦	Haifa Abdul Aziz Sultani al- Ashrafi هيفاء عبد العزيز سلطاني الأشرفي (سورية)	الشرح الموضوعي للحديث الشريف	تم امتحانها في ٢٠٠٧ تم اعتماد سنت في ٢٣-Aug-٢٠٠٨
١٢.	G٠٤١٦٢٠٣	Zahrudin BIN Nawi زهر الدين ين ناوي (ماليزي)	أحاديث رسالة "حقيقة الطريقة" في السنة الأنيقة: دراسة تحليلية نقدية	تم امتحانه في ٢٠٠٧ تم اعتماد سنت في ٢٣-Aug-٢٠٠٨
١٣.	G٠٥٢٢٠٩٢	Zunaidah binti Mohd. Marzuki زنيدة بنت محمد مرزوقي (ماليزية)	مشروعية مخالفة غير المسلمين وضوابطها في ضوء السنة النبوية	تم امتحانه في ٢٠٠٨ تم اعتماد سنت في ٢٣-Aug-٢٠٠٨
١٤.	G١٠١١٤٧٩	Mohammad Shakaib Qasmi محمد شكيب قاسمي (هندي)	الشيخ المفتي محمد شفيع العثماني وإسهاماته في فقه النوازل: دراسة تحليلية نقدية	تم امتحانه في ٢٣/٤/٢٠١٢ تم اعتماد سنت في ٠٦-Oct-٢٠١٢
١٥.	G٠٨٢٦٠٦٩	Syed Abdul Majid ghouri سيد عبد الماجد غوري (هندي)	مساهمة علماء الهند في علم الحديث في القرن الرابع عشر الهجري	تم امتحانه في ١٧/١/٢٠١٣ تم اعتماد سنت في ١٦-Nov-٢٠١٣
١٦.	G٠٨٢٤٣٦٦	Samiya Zakariyya سامية زكريا (مالديفية)	الإشكال في الحديث وأنواعُه وضوابط حلوله: دراسة تطبيقية في كتاب مشكل الآثار للإمام الطحاوي	تم امتحانه في ٥/٢/٢٠١٣ تم اعتماد سنت في ١٦-Nov-٢٠١٣
١٧.	G١١٢٦٧٦٥	MUHAMMAD RAHMAN محمد رحمن (إندونيسي)	منهج الكليني في أصول الكافي: دراسة تحليلية نقدية حديثية (كتاب الحجة نموذجا)	سلم للمناقشة في ٢٠ ديسمبر ٢٠١٤م تم اعتماد سنت في ٠٧-Nov-٢٠١٥
١٨.	G١١٢٤٩٨٥	Hanaffie bin Hasin bin Latif حنفي بن حسين بن لطيف (ماليزي)	مرويات إسماعيل بن عياش في السنن الأربعة: دراسة نقدية تطبيقية في ضوء علم علل الحديث	سلم الرسالة للمناقشة ٢٠١٥/٢/١٨ تم اعتماد سنت في ٠٧-Nov-٢٠١٥
١٩.	G١١٢٥٧٧٤	Manal Aljubeh Ahmad منال أحمد الجُبَّة (سورية)	إعداد الفرد المسلم في ظلال السنة النبوية الشريفة: دراسة موضوعية تحليلية	سلمت الرسالة للمناقشة في ٢٠١٥/٢/٢٥ تم اعتماد سنت في ٠٧-Nov-٢٠١٥
٢٠.	G١١٢٠٨٤٣	Hakim Harkati (جزائري) حكيم حركاتي	الذكاء الوجداني في ضوء الحديث النبوي: دراسة موضوعية مقارنة	سلم الرسالة للمناقشة في ٢٠١٥/٦/٩

				تم اعتماد سنت في ٠٧-Nov-٢٠١٥
٢١.	G١٣١٤٩٢٦	Khodijah Nur Tsalis خديجة نور ثالث (إندونيسية)	مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتابي الطلاق والبيوع: دراسة تخريجية	تم امتحانها ٢٠١٦/٩/٢٤م تم اعتماد سنت في ٢٥-Nov-٢٠١٦
٢٢.	G١٤١٨٩٣٠	Fatimah Muhammad فاطمة محمد (ماليزية)	عبد الله بن لهيعة ومرويات غير العبادلة الأربعة عنه في سنن الترمذي: دراسة نقدية تطبيقية	سلم للمناقشة في ٢٠١٦/٩/٢٦م تم اعتماد سنت في ٣١-Mar-٢٠١٧
٢٣.	G١٥١٣٨٣٩	MOHD AMIRUL HASSAN BIN AHMAD TAJUDDIN محمد أمير الحسن بن أحمد تاج الدين (ماليزي)	مفهوم التثبت والتبين في التواصل الاجتماعي في ضوء السنة النبوية	تم اعتماد سنت في ٢٩-Sep-٢٠١٧
٢٤.	G١٦١١٧٠٩	FAHMI SAHLAN SAMSUDDIN فهمي سهلان شمس الدين (ماليزي)	المبادئ المنهجية للشيخ محمد مهاجرين في "مصباح الظلام شرح بلوغ المرام": دراسة تحليلية مقارنة	سلمها في ٢٠/١٢، ٢٠١٧ للامتحان تم اعتماد سنت في ١٨-Apr-٢٠١٨
٢٥.	G١٥١٢٢٤٥	SHUJAUR RAHMAN شجاع الرحمن (هندي)	الشيخ يوسف البنوري ومنهجه في معارف السنن: دراسة تحليلية	تم الامتحان في ديسمبر ٢٠١٧م وتم اعتماد سنت في ٢٤-Jan-٢٠١٨
٢٦.	G١٦١٨١٧١	AHMAD KHURSHID SIDDIQUI أحمد خورشيد (هندي)	الإمام رزين بن معاوية العبدري وزياداته في كتابه "تجريد الصحاح والسنن" على الكتب الستة: جمعا ودراسة تخريجية	تم امتحانه في ٢٠١٨/٤/٢٤ وتم اعتماد سنت في ٢٧-Jun-٢٠١٨
٢٧.	G١٣١٢٥٧٣	MD OBYDUL HAQE KAMALY محمد عبيد الحق كمالي (بنجلة ديشي)	منهج الشيخ محمد أمين الإسلام في "تفسير نور القرآن": السور الثلاث الأوائل نموذجا	تم الامتحان في مارس ٢٠١٨م تم اعتماد سنت في ٣٠-Apr-٢٠١٨
٢٨.	G١٦١٨٤٩١	Ali Saif Mohammed Al-Kindi علي سيف محمد الكندي (من الإمارات)	تعدد الزوجات وأثره في ضوء القرآن والسنة المجتمع الإماراتي أنموذجا: دراسة مقاصدية	تمت مناقشته في ٢٠١٨/١٠/٠٣م الساعة التاسعة صباحاً
٢٩.	G١٧١٣٠١٣	BHAIYAT JUNED AHMED جنيد أحمد بهيات (كنيدا)	أحاديث غير الكتب الستة في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي: دراسة تخريجية نقدية للخمسين حديثا الأولى من المائة الرابعة	تم امتحانه في نهاية يوليو ٢٠١٨م تم اعتماد سنت في ٢٧-Sep-٢٠١٨
٣٠.	G١٥٢٣١٧١	YOUSUF SULAYMAN HUSAYN BILNOUR يوسف سليمان حسين بالنور (جزائري)	أحاديث الطهارة في سنن أبي داود مما ضعفها الألباني وقبلها الآخرون: دراسة تحليلية نقدية	تم امتحانه في ٢٠١٨/٧/٢٧ تم اعتماد سنت في ٣٠-Jan-٢٠١٩
٣١.	G١٦١٣٦٩٦	ASMAA ALY ELROBY MOSTAFA AHMED أسماء علي الروبي مصطفى أحمد (مصرية)	تمكين الشباب وأثره في نهضة الأمة الإسلامية: دراسة تطبيقية من السيرة النبوية	سلمت للامتحان في ٢٠١٨/٧/٢٧ تم اعتماد سنت في ٢٢-Nov-٢٠١٨

٣٢.	G١٥٢١٨٥٦	BOUMELIK MALIHA Co-supervisor بومليك مليحة (جزائرية)	الاتجاهات المعاصرة في السنة في كتاب "السنة ودورها في الفقه الجديد" لجمال البنا: دراسة نقدية	تم امتحانه في أغسطس ٢٠١٨ تم اعتماد سنت في ١٦-Jan-٢٠١٩
٣٣.	G١٦٢٧٥٩٣	MOHD AMIR محمد عامر (هندي مباركفوري)	أحاديث غير الكتب الستة في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي: دراسة تخريجية نقدية للخمسين حديثا الأولى من المائة الخامسة	تم امتحانه في ٢٠١٨ تم اعتماد سنت في ١٦-Jan-٢٠١٩
٣٤.	G١٥٢١٦٧٠	SHOFIATUL JANNAH Co-supervisor صفية الجنة (إندونيسية)	قانون دولة إندونيسيا لحرية الأديان في ضوء إشكالية أحاديث قتل المرتد	تم امتحانها في ٢٠١٨/٩/١٨م تم اعتماد سنت في٢٧-Feb-٢٠١٩
٣٥.	G١٦١٢٩٨٨	ROPIAH BINTI ZAKARIA رفيعة بنت زكريا (ماليزية)	مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتابَي البيوع والشهادات: دراسة تخريجية	سلمت رسالتها في ٢ يناير ٢٠١٩م تم اعتماد سنت في٠٨-May-٢٠١٩
٣٦.	G١٦٢٣٣٣٩	ALSANOUSI AMHIMMID MOHAMMED ZAYD امحمد محمد زيد السنوسي (ليبيا)	مراعاة النبي ﷺ السياسة الشرعية في تعامله مع مختلف الأحداث والنوازل	تم اعتماد سنت في٠٨-May-٢٠١٩
٣٧.	G١٧١٦٩١٦	NUR HUSNA BINTI MAZLAN نور حسنى بنت مزلن (ماليزية)	أحاديث الفتن والملاحم الواردة في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي: دراسة تخريجيّة	تم اعتماد سنت في ٢٤-Jun-٢٠١٩
٣٨.	G١٦٢٢٠٧٨	SAFWATUN NUFUS AKHTIAR صفوة النفوس اختيار (إندونيسية)	أحاديث غير كتب الستة في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي: دراسة تخريجية نقدية للخمسين حديثا الثانية من المائة الخامسة	تم اعتماد سنت في ٢٤-Jun-٢٠١٩
٣٩.	G١٥٢١٦٧٠	SHOFIATUL JANNAH صفية الجنة (إندونيسية)	قانون دولة إندونيسيا لحرية الأديان في ضوء إشكالية أحاديث قتل المرتد	تم اعتماد سنت في ٢٧-Feb-٢٠١٩
٤٠.	G١٧١٣٥٣٢	NIK NURUL AKMAL BINTI AB ALIM نئ نور الأكمل بنت عبد العليم (ماليزية)	أحاديث الجنة ونعيمها في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي: دراسة تخريجيّة نقديّة	تم اعتماد سنت في ٠٨-May-٢٠١٩
٤١.	G١٧٢٤٥٤٣	SAEED SALEM A A AL MARRI سعيد سالم المري (قطري)	الإمام الكلاباذي وزياداته في كتابه "معاني الأخبار" على الكتب الستة: جمعا ودراسة تخريجية	تم اعتماد سنت في ٠٩-Oct-٢٠١٩
٤٢.	G١٣٢٦٠٤٣	MOHD HAFIZ BIN ABDUL KARIM محمد حافظ بن عبد الكريم (ماليزي)	الدعم الاجتماعي في ضوء السنة: دراسة حالة للمشردين في كوالالمبور	تم اعتماد سنت في ٢٨-Jul-٢٠١٧
٤٣.	G١٦٢٢٣٢١	SYAUQI AHMAD شوقي أحمد (إندونيسي)	مظاهرة المسلمين ضد تصريحات الحكومة المناهضة للإسلام في ضوء السنة: دراسة حالة الإندونيسي أهوك	تم اعتماد سنت في ٠٣-Jan-٢٠٢٠

٤٤.	G١٧١٢٦١٩	WASIULLAH وصي الله (هندي)	زوائد كتاب "التشرُّف بمعرفة أحاديث التصوُّف" للشيخ التهانوي على الكتب الستة: دراسة تحليلية نقدية	تم امتحانه في ٢٠١٩ تم اعتماد سنت في ٢٠١٩-Oct-٠٩
٤٥.	G١٩١٣٤٤١	MUHIUDDIN KHANDOKAR ARIF MUHAMMAD محي الدين خندكار عارف محمد (بنجلة ديشي)	ظاهرة تأخر الزواج في المجتمع البنغلاديشي وسبل علاجها: دراسة تحليلة في ضوء السنة	تم امتحانه في ٢٠٢١م
٤٦.	G١٩١٠٧٩١	SADI IFTEAKAR MOHAMMAD سعدي افتخار محمد (بنجلة ديشي)	العناية بالسنة والاستراتيجيات في مقاومة تحدياتها المعاصرة: دراسة تحليلية	لا يزال يعمل
Co- Supervision **المشرف الثاني**				
١.	G١٨٢٨٨٠٧	MASHAN ALI BAKHIT S H علي بخيت صالح حمد مشعان (قطري)	زوائد معاني الأخبار للكلاباذي على الكتب الستة: دراسة تخريجية	تم امتحانه في ٢٠٢٠م

قائمة برسائل الدكتوراه بالقسم التي أشرفت عليها

المشرف الرئيسي Main Supervisor				
NO. تسلسل	MATRIC NO. الرقم الجامعي	NAME of STUDENTS أسماء طلاب وطالبات الدكتوراه	TITLE of THESIS عناوين رسال الدكتوراه	Year of Graduation سنة التخرج
١.	G٩٩١٧٦٧٩	Mohd. Asri Zainul Abidin محمد عصري زين العابدين (ماليزي)	سبب ورود الحديث: دراسة تحليلية بالتركيز الخاص على الضوابط والمعايير	تمت المناقشة في ٢٠٠٣ تم اعتماد سنت في ٢٢-Aug-٢٠٠٤
٢.	G٩٩١٢١٧١	Shayuthy Abduk Manas سيوطي عبد المناس (ماليزي)	تعدد الروايات في متن الحديث: أسبابه وآثاره	تمت المناقشة في ٢٠٠٣ تم اعتماد سنت في ٢٢-Aug-٢٠٠٤
٣.	G٠١٢٢٨٨٢	Md. Gias Uddin محمد غياث الدين (بنجلة ديشي)	التخريج والبيان لما ورد من الأحاديث في تفهيم القرآن للأستاذ أبو الأعلى المودودي	تمت المناقشة في ٢٠٠٥ تم اعتماد سنت في ٢٠-Aug-٢٠٠٥
٤.	G٠٠٢٧١٦٦	Samia Ali Musa سامية علي موسى (سودانية)	منهج الإمام القرطبي في التعامل مع الأحاديث من خلال تفسيره "الجامع لأحكام القرآن	تمت المناقشة في ٢٠٠٧ تم اعتماد سنت في ٢٣-Aug-٢٠٠٨
٥.	G٠٥٢٥٢٩٣	Eman Abdel Rahman Abu Shariah إيمان عبد الرحمن أبو شريعة (أردنية)	مراسيل مصنف ابن أبي شيبة	تم اعتماد سنت في ١٠-Oct-٢٠٠٩
٦.	G٠٣٢٣٣٣٥	Fettane Amar أعمر فطان (جزائري)	جهود الإمام الزركشي في علم الحديث: دراسة تحليلية نقدية	تم اعتماد سنت في ٠٨-Oct-٢٠١١
٧.	G٠٦٢٩٩٥٨	Lilly Suzana Binti Shamsu @ Shamsu لِلّي سوزانا بنت شمسو (بروناي —دار السلام)	الأحاديث الواردة في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي: دراسة نقدية لمائة حديث غير المخرجة في الكتب الستة	تمت المناقشة في ٢٠١٠ تم اعتماد سنت في ٠٨-Oct-٢٠١١
٨.	G٠٣٢١٢٧٣	Fadlan Mohd. Othman فضلان محمد عثمان (ماليزيا)	الإمام ابن عاشور ومنهج تعامله مع الأحاديث في تفسيره: دراسة نقدية تحليلية	تم اعتماد سنت في ٠٨-Oct-٢٠١١
٩.	G٠٥١١٨٥٥	A. Irwan Santeri bin Doll Kawaid أ. إروان سنتري بن ذو القواعد (ماليزيا)	الرواة الموصوفون باللين في كتاب "تقريب التهذيب" للحافظ ابن حجر العسقلاني: دراسة استقرائية نقدية تحليلية	تمت المناقشة في ٢٠١٠

١٠	G٠٦٢٨٤٩٥	Yasir Nadeem ياسر نديم (هندي)	تكملة كتاب "كشف النقاب عما يقوله الترمذي: "وفي الباب": دراسة تخريجية نقدية (باب ما جاء في قتل الأسودين في الصلاة-باب ما جاء في الرجل ينسى في الصلاة)	تمت مناقشته في ٩ إبريل ٢٠١٢م تم اعتماد سنت في ٠٦-Oct-٢٠١٢
١١	G٠٦٢١٦٤٣	Fathul Bari Bin Mat Jahya (PHD) فتح الباري بن مت جهيا (ماليزي)	أحاديث فضائل الصدقات والحج في كتاب فضائل الأعمال للكاندهلوي: دراسة حديثية نقدية	تم اعتماد سنت في ١٦-Nov-٢٠١٣
١٢	G١٠١٥٦٨٥	Abdulhadi Adeniyi Salahudeen عبد الهادي أديني صلاح الدين (أوغندي)	الربط اللغوي في الحديث النبوي: كتاب الأربعين النووية نموذجًا	Sem, ٢ February ٢٠١٢ تم اعتماد سنت في ١٦-Nov-٢٠١٣
١٣	G ٠٧١٩٩٩٥	Zahrul Fata (PHD) زهر الفتى (إندونيسي)	الاتجاه الليبرالي في دراسة السنة في إندونيسيا – دراسة تحليلية نقدية	نوقش في ٢٠١٣/١٠/١٨م تم اعتماد سنت في ١١-Oct-٢٠١٤
١٤	G٠٨٢٩٨٧٤	NOR BEITI SOFYAN (PHD) نور بيتي بنت سفيان (إندونيسية)	الشروح المكملة لكتاب "المعلم بفوائد مسلم" للإمام المازري: دراسة حديثية مقارنة	نوقش في ٢٠١٤م تم اعتماد سنت في ١١-Oct-٢٠١٤
١٥	G١١١٩٤٨٧	Fouad Bounama فؤاد بو النعمة (جزائري)	كتاب البيوع من موطأ الإمام مالك برواية يحيى بن عبد الله بن بكير المخزومي: دراسة تحليلية مقارنة	تم اعتماد سنت في ٠٧-Nov-٢٠١٥
١٦	G١١٢٢٨٧٧	Adam Mohammad Mustapha آدم محمد مصطفى (نيجيري)	نظرية خلق الإنسان بين السنة والحقائق العلمية: دراسة حديثية مقارنة	سلم الرسالة في ٣ مارس ٢٠١٥ للمناقشة. تم اعتماد سنت في ٢٩-Jan-٢٠١٦
١٧	G١٢٢٩١٩٣	Mohammad Shakaib Qasmi محمد شكيب قاسمي (هندي)	جهود الإمام أنور شاه الكشميري في السنة وعلومها: دراسة تحليلية نقدية	تمت مناقشته في ٢٠١٦/٤/١٤ تم اعتماد سنت في ٣٠-May-٢٠١٦
١٨	G٠٩١٤٠٤٥	Islam Saleh Mufleh Khlefat (PHD) إسلام صالح مفلح خليفات (بحريني)	النسبية وآثارها في تقويم الأشخاص والأعمال: دراسة حديثية تأصيلية	وتمت مناقشته في ٢٠١٦/١١/١٤ تم اعتماد سنت في ١٣-Jan-٢٠١٧
١٩	G١٣١١٨٢٧	Syed Abdul Majid Ghouri سيد عبد الماجد الغوري (هندي)	المحدِّثون الأحناف في الهند ومساهماتهم في الحديث النبوي: دراسة تاريخية نقدية	وتمت مناقشته ٢٠١٦/١١/١٧م تم اعتماد سنت في ١٣-Jan-٢٠١٧
٢٠	G١٤١٥٥٤٨	Kaltum Mohammed Hared Mohammed كلثوم محمد حريد (صومالية)	جهود علماء سجستان في الحديث وعلومه: دراسة تحليلية	تمت المناقشة ٣ يناير ٢٠١٨م تم اعتماد سنت في ٢٣-Feb-٢٠١٨

٢١	G١٥١٥٨٧٧	Ahmed Ismail Abdullah AlKamali أحمد إسماعيل عبد الله الكمالي (إماراتي)	إدارة السمعة والمنهج النبوي: دراسة موضوعية تحليلية	تمت مناقشته في ١٣ نوفمبر ٢٠١٨م
٢٢	G١٤٢٨٠٥٣	NURI F. SALEH (*Nuri Faraj Saleh Ibrahim Al-Jarari*) نوري فرج صالح إبراهيم الجراري (ليبي)	التمثيل الدبلوماسي: دراسة مقارنة بين القرآن والسنة والقانون الوضعي	سلمت للمناقشة في ٢٠١٨/١/١٠ إلى القسم تم اعتماد سنت في ٢٨-Aug-٢٠١٨
٢٣	G١٥٢٨٩٧٣	Ibrahim Mohamed Ali Salem Almaskari إبراهيم محمد علي المسكري (إماراتي)	المنهج النبوي في التعليم دراسة لمقاصده وسماته وأساليبه ووسائله في الصحيحين	تمت المناقشة في ٢ يناير ٢٠١٩م الساعة ١٠ صباحا
٢٤	G١٥١٣١٢٣	Ibraheem Mohamed Helal Saif Alya'arobi إبراهيم محمد هلال سيف اليعربي (إماراتي)	التثبت بين السنة والإعلام الحديث: دراسة منهجية	تمت المناقشة في ٢٠١٨/٣/١٢
٢٥	G١٥٢٣٥٥٢	Ghasna Hamad Mutaeb alameri غصنه حمد العامري (إماراتية)	معايير الأخلاق بين السنة النبوية ومفاهيم الغرب: دراسة تحليلية مقارنة	تمت المناقشة في ١١ يوليو ٢٠١٩م الساعة ١٠ صباحا
٢٦	G١٣٢٠٧٠٥	Muhammad Amin Chenu محمد أمين شينو (تائلندي)	الأحاديث الواردة في كتاب "التذكرة" للإمام القرطبي دراسة نقدية لمائة حديث من الأحاديث غير المخرجة في الكتب الستة	سلمت الرسالة إلى القسم في ٢٠١٨/٢/٢٨م تم اعتماد سنت في ١١-Sep-٢٠١٩
٢٧	(G١٤٢٥٣٠٥)	Muhammad Amir Gazdar محمد عامر قزدر (باكستاني)	اتجاهات العلماء المعاصرين في الحجاب والاختلاط: دراسة مقارنة في ضوء نصوص القرآن والحديث	تمت مناقشته في ٢٨/فبراير ٢٠١٩ تم اعتماد سنت في ٢٥-Mar-٢٠١٩
٢٨	G١٦٢٧٠٣٥	al- Amin Moustapha مصطفى الأمين الجكني الشنقيطي (موريتاني)	المسلك الإشاري في شرح الحديث النبوي: دراسة نقدية لنماذج مختارة	تمت المناقشة ٢٠١٩
٢٩	G١٥١٢٦٠٠	MANAL AL-JUBEH منال أحمد الجبة (سورية)	الاقتصاد في ضوء السنة النبوية: دراسة موضوعية تحليلية	تمت مناقشتها ٢٠١٩م
٣٠	G١٦١٢٥٨١	Md. Nazmul Hasan محمد نظم الحسن (بنجلة ديشي)	تنمية القيم الأخلاقية عند المراهقين ببنجلاديش: دراسة تحليلية من منظور القرآن والسنة	تمت المناقشة ٢٠١٩م تم اعتماد سنت في ٠٩-Oct-٢٠١٩
٣١	G١٦١٢٧٧٣	Yusuf Oktan يوسف أوكتان (تركي)	الروايات الواردة في وجود وغيبة الإمام الثاني عشر: دراسة مقارنة بين السنة والشيعة الإمامية	تمت مناقشته في ٢٠١٩/١٢/٥م تم اعتماد سنت في ٢٣-Dec-٢٠١٩
٣٢	G١٢٢٩٨٣٨	SITI HAWA BINTI AHMAD ستي حواء بنت أحمد (ماليزية)	إعداد شخصية الشباب الماليزيّ المسلم المتميزة في ضوء السنة النبوية: دراسة تحليلية معاصرة	تمت مناقشتها في ٦ أغسطس ٢٠٢٠

٣٣	G١٤١٨٤٣١	MD SHAHIDUL ISLAM FARUQI محمد شهيد الإسلام فاروقي (بنجلة ديشي)	المنهج النبوي في تزكية النفس: دراسة تحليلية	تمت مناقشته في ٢٠١٩
٣٤	G١٨٢٧٥٢٣	FARIDUDDIN فريد الدين (هندي)	المحدث الشيخ عبد الحق الدهلوي ومنهجه في كتابه لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح: دراسة تحليلية	تمت مناقشته ٢٠٢٠
٣٥	)G١٥٢٤٧١٢	KHADYYAH SALEM MOHAMED SAEED ALKAABI خدية سالم محمد سعيد الكعبي (الإماراتية)	التربية بالعقوبة في ضوء الكتاب والسنة: دراسة تحليلية مقارنة بالنظريات الحديثة Education by Punishment in Light of Al-Quran and Sunnah: A Analytical Study compared to Modern Theories	تمت المناقشة في ٢٢ يونيو ٢٠٢١ بعد الظهر من الساعة ٢,٣٠ حتى ٤,٣٠
٣٦	G١٥١٦٦٢٦	HAKIMAH BINTI AHMAD حكيمة بنت أحمد (ماليزية)	قيم المعلم المربي: دراسة مقارنة بين السنة النبوية والتربية الغربية	لم تتم المناقشة
٣٧	G١٤٢٧٨٣٧	Syis Samsul Bahri شس شمس البحري (إندونيسي)	مراسيل مصنف عبد الرزاق من كتاب البيوع إلى كتاب المدبر: جمعا ودراسة نقدية	لم تتم المناقشة
٣٨	G١٣٢٩٩٠٣	NASEAR BIN SLAYMAN نصير بن سليمان (كمبودي)	مرويات أم عطية الأنصارية رضي الله عنها في كتب الحديث التسعة: دراسة وتحليل	لا يزال يكتب
٣٩	G١٧٣٦٤٨٣	RIAHI MOHAMED KAIS محمد قيس الرياحي (تونسي)	كتاب بغية الرائد لما تضمَّنه حديث أم زرع من الفوائد للقاضي عياض: دراسة وتحقيق	لا يزال يكتب
٤٠	G١٧٢٢٨٨٩	CHOUDHARY NAZEER AHMED ABDULWAHID ABDU نذير أحمد بن عبد الواحد شودهري (هندي ثم بحريني)	جهود المحدث نذير حسين الدهلوي في خدمة السنة النبوية: دراسة تحليلية نقدية	لا يزال يكتب
٤١	G١٥٢٧٦٠٠	SAFRINA ARIANI سفرينا أرياني (إندونيسية)	الأحاديث المشتهرة بين مسلمي أتشيه بإندونيسيا: دراسة تحليلية نقدية	لا يزال يكتب
٤٢	G١٤٢٦٢٧٣	YASIR BIN RAMLEE	الانحرافات في فهم أحاديث الجهاد والفتن: فرقة داعش نموذجًا	لا يزال يكتب

		ياسر بن رملي (ماليزي)		
٤٣	G١٧٣٦٠٢١	SHUJAUR RAHMAN شجاع الرحمن (هندي)	التعايش السلمي مع غير المسلمين في ضوء السنة النبوية: دراسة مقارنة بين ماليزيا والهند	لا يزال يكتب
٤٤	G١٦٣٧٣٢٣	MUQAIMI SAIF HAMOOD SUBAITI مقيمي سيف حمود ثبيتي (سعودي)	استراتيجيات تعديل السلوك من خلال التنازع على المعتقدات اللاعقلانية والمعرفية Strategies for Behavior Modification through Disputing Irrational Beliefs and Cognitive	لا يزال يكتب
٤٥	G١٥٢٧٦٩٠	NURHAFIZAH BINTI JAUHARI نور حفيظة بنت جوهري (ماليزية)	البعدان الزماني والمكاني ومراعاتهما في الأحاديث النبوية: دراسة تحليلية	لا تزال تكتب
٤٦	G١٦٢٥٣٨١	AKHMADJONOV MAKHAMMADZAFAR أحمد جونوف محمد جعفر (أوزبكستاني)	جهود علماء أوزبكستان في الحديث: دراسة معرفية he Effort of the Scholars of Uzbekistan in Hadith: A Cognitive Study	لا يزال يكتب
٤٧	G١٩١٢٤٩٧	ALSANOUSI AMHIMMID MOHAMMED ZAYD (ليبي) امحمد محمد زيد السنوسي	معالم الصلح في السنة النبوية وتطبيقاتة على المجتمع الليبي دراسة تحليلية	لا يزال يكتب
٤٨	G١٨٣٦٥٩١	BILNOUR YOUSUF SULAYMAN HUSAYN (جزائري) بالنور يوسف سليمان حسين	الأحاديث التي اعتبرها الألباني ضعيفة وصححها العلماء: دراسة تحليلية The Hadiths which were Considered as Weak by al-Albani and Viewed as Sound by Other Scholars: An Analytical Study	لا يزال يكتب
٤٩	G١٨٢٧٤٨٢	BOUMELIK MALIHA (جزائرية) بوملك مليحة	الانتقادات المعاصرة لصحيح البخاري: دراسة تحليلية نقدية	لا يزال يكتب
٥٠	G١٨١٥٤٦٣	EL DAHRI الدهري (كمبودي)	مشاكل العنف الأسري في مجتمع كمبوديا أسبابه وآثاره وعلاجه في ضوء السنة النبوية	لا يزال يكتب
٥١	G١٨٢٠٧٢١	GHARIQ MOHAMMAD RAFIQ غريق محمد رفيق (أفغاني)	تعدد الزوجات في أفغانستان وتحدياته: دراسة تحليلية في ضوء القرآن والسنة	لا يزال يكتب
٥٢	G١٨٢١٠١٧	KUNNAKKADAN MUHAMMED	جهود علماء الهند في شرح الحديث شروح مشكاة المصابيح أنموذجا	لا يزال يكتب

قائمة برسائل الماجستير من داخل القسم والجامعة التي ناقشها الدكتور محمد أبو الليث

١. Nur Farhah Zainan Nazri (G٠٢٢٨٢٢٨) نور فاتحة زينان (ماليزية)	(الأحاديث الضعيفة والموضوعة المشتهرة في المجتمع الماليزي: ولاية بيراك نموذجاً). (Dept. of Qur'an & Sunnah studies)	Semester ٢, ٢٠٠٤/٠٥
Hamidah bt. Harun (G٠١٢٤١٢٠٠) حميدة بنت هارون (ماليزية)	(أحاديث التصوف المشهورة في مؤلفات شيخ الطريقة الأحمدية محمد سعيد اللنقي وابنه شيخ أحمد: دراسة تحليلية نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies)	Semester١, ٢٠٠٥/٠٦
٣. Abdullah Sinsae (G٠٢٢٥٤١٥) عبد الله سنسي (تايلندي)	(الوحدة الموضوعية في سورة يس) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	Semester١, ٢٠٠٥/٠٦,
٤. Zahrul Fata (G٠٢٢٣٧٥١) زهر الفتى (إندونيسي)	(البشارات النبوية الخاصة بالحياة الدنيا ومنهج التعامل معها: دراسة موضوعية في الكتب التسعة) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	Semester١, ٢٠٠٥/٠٦
٥. Mohd Khairil Anwar Abdul Latif (G٠٥٢٢٨٨١) محمد خير الأنوار عبد اللطيف (ماليزي)	(منهج السنة في رعاية البيئة: دراسة تحليلية في الكتب الستة). (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٢٨/١/٢٠٠٩
٦. Cut Linda Marheni Muhammad (G٠٧٢١٤١٨) (ماليزية) شت ليندا مرهيني محمد	(مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتاب الجمعة والعيدين وفضائل: القرآن: دراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٩/١٢/٢٠٠٩
٧. Ahmad Hamzah bin Mat Daud (G٠٧٢٨٥٣٩) (ماليزي) أحمد حمزة بن مت داود	(مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتاب الجنائز: جمعا ودراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٢/٣/٢٠١٠
٨. Muhamad Rozaimi b. Ramle (G٠٨١٤٢٩٧)(ماليزي) محمد روزيمي بن رملي	(مراسيل مصنف عبد الرزاق من كتاب الزكاة: جمعا ودراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	١/٧/٢٠١٠
٩. Muktar Aliyu (G٠٨٢١٣٤٧) مختار عليو (أفريقي)	(مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتاب المغازي وأهل الكتاب: جمعا ودراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	١٦/٤/٢٠١٢
١٠. Siti Hawa binti Ahlad (G٠٩٢٨١٣٤)	(تفعيل مقاصد الشريعة في الحكم على أخبار الآحاد: دراسة تحليلية نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah	٦/٢٠١٢

قائمة برسائل الماجستير من داخل القسم والجامعة التي ناقشها الدكتور محمد أبو الليث

١. Nur Farhah Zainan Nazri (G٠٢٢٨٢٢٨) نور فاتحة زينان (ماليزية)	(الأحاديث الضعيفة والموضوعة المشتهرة في المجتمع الماليزي: ولاية بيراك نموذجاً). (Dept. of Qur'an & Sunnah studies)	Semester ٢, ٢٠٠٤/٠٥
Hamidah bt. Harun (G٠١٢٤١٢٠٠) حميدة بنت هارون (ماليزية)	(أحاديث التصوف المشهورة في مؤلفات شيخ الطريقة الأحمدية محمد سعيد اللنقي وابنه شيخ أحمد: دراسة تحليلية نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies)	Semester١, ٢٠٠٥/٠٦
٣. Abdullah Sinsae (G٠٢٢٥٤١٥) عبد الله سنسي (تايلندي)	(الوحدة الموضوعية في سورة يس) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	Semester١, ٢٠٠٥/٠٦,
٤. Zahrul Fata (G٠٢٢٣٧٥١) زهر الفتى (إندونيسي)	(البشارات النبوية الخاصة بالحياة الدنيا ومنهج التعامل معها: دراسة موضوعية في الكتب التسعة) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	Semester١, ٢٠٠٥/٠٦
٥. Mohd Khairil Anwar Abdul Latif (G٠٥٢٢٨٨١) محمد خير الأنوار عبد اللطيف (ماليزي)	(منهج السنة في رعاية البيئة: دراسة تحليلية في الكتب الستة). (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٢٨/١/٢٠٠٩
٦. Cut Linda Marheni Muhammad (G٠٧٢١٤١٨) شت ليندا مرهيني محمد (ماليزية)	(مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتاب الجمعة والعيدين وفضائل: القرآن: دراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٩/١٢/٢٠٠٩
٧. Ahmad Hamzah bin Mat Daud (G٠٧٢٨٥٣٩) أحمد حمزة بن مت داود (ماليزي)	(مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتاب الجنائز: جمعا ودراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٢/٣/٢٠١٠
٨. Muhamad Rozaimi b. Ramle (G٠٨١٤٢٩٧) محمد روزيمي بن رملي (ماليزي)	(مراسيل مصنف عبد الرزاق من كتاب الزكاة: جمعا ودراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	١/٧/٢٠١٠
٩. Muktar Aliyu (G٠٨٢١٣٤٧) مختار عليو (أفريقي)	(مراسيل مصنف عبد الرزاق في كتاب المغازي وأهل الكتاب: جمعا ودراسة نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	١٦/٤/٢٠١٢
١٠. Siti Hawa binti Ahlad (G٠٩٢٨١٣٤)	(تفعيل مقاصد الشريعة في الحكم على أخبار الآحاد: دراسة تحليلية نقدية) (Dept. of Qur'an & Sunnah	٦/٢٠١٢

سيتي حواء بنت أهلد (ماليزية)	studies).	
١. Nor Faezah Binti Hassan (G١٠٢٣٥٠٤) نور حفيظة بنت حسن (ماليزية)	آداب كتابة الحالة والتعليق عليها في فيس بوك: دراسة تحليلية من خلال الصحيحين (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	١٢/٠٢/٢٠١٤
٢. Muhammad Amir Gazdar (G١٢١٩٣٨٥) محمد عامر غزدر (باكساني)	مدى شرعية التأذين والإقامة في آذان المولود: دراسة حديثية نقدية . (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٢٧/١١/٢٠١٤
٣. Wu Lihua (G١٠٢٣٣٢٩) صالح بن إبراهيم (صيني)	الإمام يوسف كه لي (Chen Li) ومنهجه في ترجمة وشرح كتاب "التاج الجامع للأصول" للشيخ منصور علي ناصف (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	١/٠٣/٢٠١٦
٤. ELBEY YOUNES (G١٤١٤٧٦٣) (MAIRK (QS) الباي يونس (جزائري)	توثيق المجاهيل عند ابن حبان: دراسة تطبيقية (Dept. of Qur'an & Sunnah studies).	٩/١٢/٢٠١٦

قائمة برسائل الدكتوراه من داخل القسم والجامعة التي ناقشتها

Name of Student	Title of Thesis	Year of Submission
١. Abdullah al- Jayouraisi (G٩٨٣٥٥٧١) عبد الله جريشي (أردني)	الأبعاد النفسية للألفاظ القرآنية "Al-Abaad Al- Nafsiyyah Lil Alfaz Al- Quraniyyah" (Psychological dimensions in Qur'anic interpretations) (Dept. of Qur'an & Sunnah studies. IIUM)	٢٠٠١
٢. Muchammad Ichsan bin Suriansyah Bajuri (G٩٧١٤١٧٩) محمد إيشان بن سريانشاه باجوري (إندونيسي)	المنهج الفقهي عند الحافظ ابن حجر العسقلاني من خلال كتابه فتح الباري (Dept. of Fiqh & usul al-Fiqh. IIUM).	semester ٢,٢٠٠٢/٠٣
٣. Serdar Demirel (G٠١٢٣٣٢٧) سردار دميرل (تركي)	علوم الحديث وضوابطه بين أهل السنة والجماعة والشيعة الإمامية الاثنا عشرية (Dept. of Qur'an & Sunnah studies. IIUM)	Semester ٢, July, ١٢, ٢٠٠٥
٤. Rami Leila (G٠١١٦١٥٦) رامي ليلى (جزائرية)	موقع المرأة النخبوي في الإسلام بين النموذج النظري والتجربة الواقعية (Usul a-Din and Comparative Religion. IIUM)	Semester ٢, ٢٠٠٥/٠٦
٥. Shirinov Mukhiddine (G٩٩٢٧٧١٥) شيرينو محي الدين (روسيا)	نقد متن الحديث في ضوء نتائج العلوم التجريبية (A Critique of the Hadith Content in the Light of Applied Sciences. IIUM.	June ٦, ٢٠٠٦
٦. Nadir A. A Salhab (G٠٤١٧٣٢٥) نادر أحمد سلهب (فلسطيني)	صحيح البخاري والكافي للكليني: الحديث (Dept. of Qur'an & Sunnah studies IIUM).	٣٠/١/٢٠٠٧-٢٠٠٨
٧. Aamir Ismail Daud عامر إسماعيل داود (ماليزي)	منهج الإصلاح الاجتماعي في ضوء السنة النبوية: دراسة تحليلية لنماذج مختارة من الأحاديث Manhaj al-Islah al-Igtemai fi dhoo al-Sunnah al-Nabawiyyah: Dirasah Tahliliyyah le namazij Mukhtarah min al-Ahadith قسم دراسات القرآن والسنة الجامعة الإسلامية العالمية ماليزيا	٢١/٥/٢٠١٢

٨. Zunaidah bt Mohd Marzuki (G١٠٢٣٤٩٦)(ماليزية) زنيدة بنت محمد مرزوقي	الشيخ محمد تقي العثماني منهجه وأفكاره في شرح أحاديث المعاملات المالية في كتابه "تكملة فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم" (Dept. of Qur'an & Sunnah studies IIUM).	تمت مناقشتها في ٢٠١٦/١/١١م
٩. Ahmaed hassan Mohammed (G١٤١١٧٨١)(صومال) أحمد حسن محمد	الضيافة وأثرها في تنمية المجتمع في ضوء السنة النبوية: دراسة تحليلية (Dept. of Qur'an & Sunnah studies IIUM).	تمت مناقشته في ٣١ أكتوبر ٢٠١٧ في الساعاة العاشرة
١٠. Ahmed Saeed bin tuoq almarri (G١٥١٤١٥٣)(إمارات) أحمد سعيد بن طوق المطري	مبادئ إدارة الموارد الاقتصادية في ضوء سورة يوسف: دراسة موضوعية تحليلية Department Of Qura'n And Sunnah Studies Kulliyyah Of Revealed Knowledge And Human Sciences, International Islamic University Malaysia, Po. Box, ١٠, Jln Gombak, ٥٠٧٢٨ Kuala Lumpur, Malaysia	سلم التقرير عنها في ٢٠١٨/٨/٢٧
١١. Ied Shukur Mahmood al Nidawi (G١٤١٠١٨٩) (فلسطين) عيد شكر محمود النداوي	دعوى تعارض الأحاديث النبوية مع العلم التجريبي المعاصر: دراسة تحليلية Department Of Qura'n And Sunnah Studies Kulliyyah Of Revealed Knowledge And Human Sciences, International Islamic University Malaysia, Po. Box, ١٠, Jln Gombak, ٥٠٧٢٨ Kuala Lumpur, Malaysia	سلم التقرير عنها في ٢٠١٨/٨/٢٧
١٢. Fatema Saeed Naser Mohammed Alkhateri (إمارات) فاطمة سعيد ناصر محمد الخاطري	القانون الإماراتي لمكافحة التمييز والكراهية في ضوء السنة النبوية الخاصة بمعاملة غير المسلمين: دراسة تحليلية تأصيلية Department Of Qura'n And Sunnah Studies Kulliyyah Of Revealed Knowledge And Human Sciences, International Islamic University Malaysia, Po. Box, ١٠, Jln Gombak, ٥٠٧٢٨ Kuala Lumpur, Malaysia	سلم التقرير عنها في ٢٠١٨/١١/١٠م
١٣. Mukhtar Ibrahim Umar (G١٢٢٦١٥١) مختار إبراهيم عمر (أفريقي)	الخلافات الزوجية وحلولها في ضوء السنة النبوية Department Of Qura'n And Sunnah Studies Kulliyyah Of Revealed Knowledge And Human Sciences, International	سلمت التقرير في ٢٠١٩/١/٩م

	Islamic University Malaysia, Po. Box, ١٠, Jln Gombak, ٥٠٧٢٨ Kuala Lumpur, Malaysia	
١٤. Mukhtar Aliyu (G١٢١٠١٦٣) (أفريقي)	فضائل الصحابة: دراسة حديثية مقارنة بين أهل السنة والجماعة والشيعة الإمامية IRKHS (QS) IIUM	تمت مناقشتها في ٢٠١٩

قائمة برسائل الماجستير من خارج القسم والجامعة التي ناقشتها

رسائل الماجستير **MASTER THESIS**		
١. Ahmed Sebihi	"Analisis Terhadap Muhammad bin Sa'd dan Methodologinya dalam Karya al- Tabaqat al- Kubra" University Science Malaya.	٢٥/٦/٢٠٠٧
٢. Shadi Yasin Ahmad Tarawneh al- Karak	الأحاديث الواردة في فضائل شهر رجب جمعاً ودراسةً "Al- Ahadith al-Waredah fi Fadhayl Shahre Ragab Jamaan we Derasatan" Akademi Pengajian Islam, University Malaya.	٢٤/٧/٢٠٠٧
٣. Sultan s/o Faisal al- Moaddi al- Otaibi	التعلم التعاوني وأثره في التدريس والحلقة دراسة السنة النبوية "Al- Taalum al- Taaauni w Atharohu fi al- Tadris w Helaq Dirasah al- Sunnah al- Nabwiyah" Akademi Pengajian Islam, Universiti Malaya	٢٠/٨/٢٠٠٧
٤. Osamah Mustafa al- Toraiki	الإمام ابن عبد البر ومنهجه في دراسة السنة "Imam ibn Abdul-Bar's Methodology to Study Sunnah (the Prophet's Tradition) with his Al-Tamhid as a selected example" Akademi Pengajian Islam, Universiti Malaya	١/١١/٢٠٠٧
٥. Essa Ahmed Abdullatif Alduligan (P٣٨٨٤٢)	"ضيق الصدر: أسبابه وعلاجه في ضوء الكتاب والسنة" "Ḍiq al-Ṣadr: Asbabohu we Ilajohu fi Ḍawa al-kitab we al- Sunnah" Department of Al-Quran and Sunnah UKM	٢٧/١٠/٢٠٠٨
٦. Nahed Abdulaziz Abdullah al- Ammar (P٣٨٢٥٠)	منهجية الشيخ ابن عثيمين في التفسير Mahajiyyat al-Shaikh ibn 'Othaimin fi al-Tafsir Department of Al- Quran and Sunnah UKM	٢٧/١٠/٢٠٠٨
٧. Husam Suleiman Mahmoud As'ad (P٤١٧٤١)	حكم الأحاديث التي سكت عنها الإمام أبو داود: دراسة نظرية وتحقيق عملي في بعض الأحاديث المنتخبة من السنن Ḥukm al-Ahadith allati Sakata anha al-Imam Abudaud: Dirasah Nazariyyah we Tahqiq	٥/٥/٢٠٠٩

	Amali fī baad al-Ahadith al-Mntakhabah min al-Sunan Faculty of Islamic Studies Program Pengajian Siswazah (UKM)	
٨. Fawzi Mohammed Al-Odeh (IGB٠٦٠٠٥٨)	الأحاديث الضعيفة المنتشرة في المملكة العربية السعودية – دراسة وتحليل "Al- al-Aḥādīth al- Ḍa'iīfah al- Muntasherah fī al- Mamlokah al- 'Aarabiyyah al-Sa'udiah: Dirasah we Taḥlīl". Academy of Islamic Studies University of Malaya	٥/١١/٢٠٠٩
٩. Aymen Ibrahim Anidisha (P٤٤٨٩٣)	التصحيف وأثر إصلاحه روايةً وكتابةً Al-Taṣḥīf we Atharo Iṣlāḥehī Rewāyatan we ketābatan Department of Al- Quran and Sunnah UKM	١٥/٣/٢٠١٠
١٠. Mansur bin Abdurrahman al-Mosabbehi	الإمارة في مرويات أبي هريرة من كتاب صحيح مسلم دراسة حديثة إدارية Al-Imārah fī Marwiyyāt Abī Horairah min Kitāb Ṣaḥīḥ Muslim Dirāsah Ḥadisah Idāriyyah Academy of Islamic Studies University of Malaya	٧/٦/٢٠١٠
١١. Mohammed Alarabi m. Falah (P٥٢٢٣٤)	"الإمام الشاطبي ومنهجه في التعامل مع السنة: دراسة في كتاب الاعتصام" Fakulti Pengajian Islam U. K. M	٦/٤/٢٠١١
١٢. Qusay Krayyim IGA٠٧٠٠٥٨ (ليبي)	منهج أبي بكر ابن العربي في اختياراته الفقهية من خلال كتابه "عارضة الأحوذي": كتاب الطهارة نموذجاً "Manhaj abi Bakar ibn al-'Arabī fī Ikhtiyārāthi al-Fiqhyyīah min khilāl kitābehi 'aāredhah al-Aḥwaẓī' ;Kitāb al-Ṭahārah namuẓajan (Abu BAKAR IBN AL-'ARABI'S METHODOLOGY FOR JURISTIC OPINIONS IN HIS BOOK 'ARIDAT AL-AHWADHI, USING "THE BOOK OF PURIFICATION" AS A DATA SAMPLE)" Academy of Islamic Studies University of Malaya	٢٧/٣/٢٠١١
١٣. Khateja Fatima (IGB١٠٠٠٥٦) (فاطمة خديجة) (هندية)	التعالم ومظاهره في ضوء السنة النبوية: دراسة موضوعية معاصرة Al-Taalum And It's Manifestations in the light of Sunnah: A Modern Contemporary Study, Academic of Islamic Studies/ Al-Quran and Al-Hadith, University Malaya أكاديمية الدراسات الإسلامية/ قسم الكتاب والحديث، جامعة ملايا	٢٠١٤/١٠/١٧م

١٤. ISSA M. I. MENAWI MFS١٤٢BH٣٧٧) عيسى محمد علي عيسى ميناوي	الأحاديث الواردة في صلاة الوتر في الكتب السِّتة: جَمْعًا ودراسة Faculty Of Islamic Sciences كلية العلوم الإسلامية Department of Al-Hadith and It's Sciences قسم الحديث وعلومه Deanship of Postgraduate Studies, MEDIU/DEPS (جامعة المدينة العالمية)	٢٠١٥/٦/١
١٥. Ahmad A. Alhamili أحمد عبد الباقي الهميلي٣١١٠٢١٢	مرويات أحداث المرحلة المكية بين قواعد المحدثين وروايات الإخباريين: دراسة نقدية بين صحيح البخاري وتاريخ اليعقوبي Faculty of Quranic and Sunnah Studies, Islamic Science University of Malaysia.	تمت مناقشته في ٢٠١٦/٦/٣
١٦. قاسم سالم عبد النبي (قطري)	"نشوز الزوج وإعراضه في كتب التفسير"، قسم الدراسات الإسلامية، كلية الشريعة والدراسات الإسلامية جامعة قطر	وأرسلت التقرير عنها في تاريخ ٢٠١٧/٣/٣١م،
١٧. سليمان جمعان سليمان القحطاني (قطري)	استنباطات أبي العباس المهدوي (ت: ٤٤٠هـ) في سورة البقرة في تفسيره التحصيل: دراسة نظرية تطبيقية قسم الدراسات الإسلامية، كلية الشريعة والدراسات الإسلامية جامعة قطر	أرسلت التقرير إليهم في ٢٠١٨/٣/٢٤م

قائمة برسائل الدكتوراه من خارج القسم والجامعة التي ناقشتها

رسائل الدكتوراه DOCTORATE THESIS		
Name of Student **أسماء الطلبة مع أرقامهم الجامعية**	**Title of Thesis** **عناوين الرسائل**	**Year of VIVA** **سنة المناقشة**
٥. Majed Muhammad Abdouh Al-Dala'ah (P٢٥٤١٨)	منهج الإمام ابن حبان في الجرح والتعديل في الصحيح Universiti Kebangaan Malaysia (UKM)	٢٠٠٦
٦. Mohammad Sharif Alkatib (P٤٠٤١٤)	الأخذ بالأسباب في السنة النبوية – دراسة موضوعية Universiti Kebangaan Malaysia (UKM)	١٤/٦/٢٠١٠
٧. Osama Mustafa Abdussalam al-Treki (IHA ٠٨٠٠٢٩)	صحيح البخاري وأساليب طعن منكري السنة المعاصرين فيه: دراسة على كتاب "التجريد" لجمال البنا University of Malaya	٢١/٩/٢٠١٠
٨. KABIRU GOJE (IHA ٠٨٠٠٨٣)	معالم الطب الوقائي في الكتب الستة: دراسة تحليلية "Maaalim al-Tibb al-weqai fi al-Kotub al-Sittah: Dirasah Tahlilyyah". Academy of Islamic Studies University of Malaya	١٦/٩/٢٠١١
٩. ABDULLAH RASHED AL SHABRAMY (IHA ٠٨٠٠٤٨)	صحيفة جابر بن عبد الله روية الصنعانيين السنن: دراسة ونقد "Sahifah Jabir bin Abdullah Riwayah al-Sanaanyyin: Dirasah we Naqd" (Sahifah Jabir bin Abdullah Narrated by al-Sanaanyyin Critical Analysis). Academy of Islamic Studies University of Malaya	٢٠/٩/٢٠١١
١٠. Mahmud Mokhtar Etbib (٤٠٩٠٠٤٧) محمود مختار الطبيب	منهج ابن كثير السني في تفسيره وأثره في توجهات أهل الحديث (طرابلس– ليبيا – نموذجا) Faculty of Quranic and Sunnah Studies, Islamic Science University of Malaysia, Bandar Baru Nilai, ٧١٨٠٠ Nilai, Negeri Sembilan Darul Khusus, Malaysia.	Jun ٢٠١٢
١١. Akram Mohammad Ibrahik	شبهة بعض المعاصرين حول الصحيحين بروايتهم للمختلطين والرد عليها: دراسة نظرية تطبيقية	September ٢٠١٣

Namrawi (L٩٢٥٦٣٤) ١٢. أكرم محمد إبراهيم نمراوي	Quran and Hadith, Academy of Islamic Studies University of Malaya	
١٣. Brahmi Abbes (P٥٤٧٤٩) عباس إبراهيمي	تخريج ودراسة الأحاديث الواردة في تفسير الشيخ الطاهر ابن عاشور المسمى "تحرير المعنى السديد وتنوير العقل الجديد من تفسير الكتاب المجيد" من تفسير سورة آل عمران TAKHREEJ AND DEBARE ON HADITH IN THE SURAH ALI IMRAN IN THE BOOK OF TAFSIR (EXEGESIS) AUTHORED BY AL-SHAYKH AL TAHIR IBN ASHUR ENTITLED "TAHRIR AL MANA AL- SADID WA TANWIR AL AQLAL-JADID MIN TAFSIR AL KITAB AL MAJID PUSAT PENGAJIAN SISWAZAH UNIVERSITI KEBANGAAN MALAYSIA (UKM)	March ٢٠١٤
١٤. Hadiy A. Najem Al-Moula (Iraq) (IHA٠٧٠١٠٥) هادي علوان نجم المولى	Issues of Al-Qadr: A Theological and Thematic Study on Sahih Al-Bukhari قضايا القدر: دراسة موضوعية عقدية في صحيح البخاري Akidah and Islamic Thoyght, Academy of Islamic Studies University of Malaya	١١ June ٢٠١٤
١٥. Muhammad Abu Baker Khalil Mulla Khatir (Syria) (IHA٠٨٠٠١٣) محمد أبو بكر خليل ملا خاطر	الأحاديث التي أعلها أبو داود رحمه الله في سننه من أول كتاب الضحايا إلى آخر كتاب الأطعمة: تخريج ودراسة نقدية "DEFECTED AHADITH OF IMAM ABU DAWUD IN HIS SUNAN FROM KITAB AL-DAHAYA TO KITAB AL-AT'IMAH: AN ANALTICAL STUDY" Akidah and Islamic Thoyght, Academy of Islamic Studies University of Malaya	١١ June ٢٠١٤
١٦. Hamid Mohammad Aali (PFS١٢١AW٦٥٠)	العقوبات المعنوية في صحيح البخاري (جمعاً ودراسة) Faculty Of Islamic Sciences كلية العلوم الإسلامية Department of Al-Hadith and It's Sciences قسم الحديث وعلومه MEDIU/DEPS, جامعة المدينة العالمية، عمادة الدراسات العليا Shah Alam, Malysia	٣٠/٩/٢٠١٤

١٧. Wahyu Hidayat bin Abdullah وحيو هدايات عبد الله(٤١٠٠٠٧٠)	الأحاديث الواردة في كتاب "خزينة الأسرار جليلة الأذكار" للإمام محمد حقي النازلي (ت١٣٠١هـ/١٨٨٤م): تخريج ودراسة The Prophetic Traditions in Khazinah al-Asrar Jalilah al-Azkar by Muhammad Haqqi Al-Nazili (D.١٨٨٤): A Study on The Methodology of Hadith and Origins Faculty of Quranic and Sunnah Studies, Islamic Science University of Malaysia.	٢٠/١١/٢٠١٤
١٨. Abdirasak Ahmed Mahamoud (PFS ١٣٣ BC ١١٩) عبد الرزاق أحمد محمود	الأحاديث الواردة في الأحكام الخاصة بالمرأة المسلمة في الكتب الستة جمعا ودراسة Faculty Of Islamic Sciences كلية العلوم الإسلامية Department of Al-Hadith and It's Sciences قسم الحديث وعلومه MEDIU/DEPS, جامعة المدينة العالمية، عمادة الدراسات العليا, Shah Alam, Malysia	٢٠١٦/٠٦/٠٦
١٩.Muhammad Yas Mnawer (٤١٤٠٠٤٤) محمد ياس مناور الراوي (عراقي)	الإمام علي بن حمشاذ النيسابوري ومروياته المرفوعة في كتب السنة المطهرة (٢٥٨هـ-٣٣٨هـ) جمعا ودراسة Faculty of Quranic and Sunnah, PUSAT PENGAJIAN SISWAZAH مركز الدراسات العليا *Center for GraduateStudies* UNIVERSITI SAINS ISLAM MALAYSIA	تمت مناقشته في ١ نوفمبر ٢٠١٧ في الساعة التاسعة والنصف صباحا، وانتهت في الساعة الحادية عشرة والنصف
٢٠.MAHMOUD ALI MOHAMED OMAR (PHD١٥١BG٢٨٠)	الصناعة الحديثية عند الإمام المازري المالكي (ت٥٣٦هـ) PHD IN ULUM AL-HADIS, DEPARTMENT OF AL-HADITH AND IT'S SCIENCES قسم الحديث وعلومه Center of Postgraduate Studies Al-Madinah International University, Malaysia	تمت مناقشته في ٢٠١٨/١٠/١٧م
٢١.Seyed hmad Rahbar (٤١٣٠٢٦٣) (أفغاني)	المحدث الفاصل بين الراوي والواعي للإمام الحافظ أبي محمد الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد الرامهرمزي الفارسي (ت٣٦٠هـ) دراسة وتحقيق Faculty of Quranic and Sunnah, PUSAT PENGAJIAN SISWAZAH مركز الدراسات العليا *Center for GraduateStudies,* UNIVERSITI SAINS ISLAM MALAYSIA	سلم التقرير إليهم قبل ٢٨/ أغسطس ٢٠١٨م
٢٢.Syed Asif Mahmood (١٦٠-FU/PhDTQS/F١٢) (باكستاني)	ترجيحات الشيخ صديق حسن خان القنوجي رحمه الله في تفسيره "فتح البيان في مقاصد القرآن" من أول سورة يونس إلى آخر سورة العنكبوت (جمعا ودراسة تقييمية)	سلم التقرير إليهم في ٢٠١٨/٩/١٨

	INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY, ISLAMABAD New Campus, Academic Block, H-١٠, Islamabad. Contact No.٠٠٥١-٩٢٥٧٩٩٩٧ Fax: ٠٥١-٩٢٥٧٩١٥ Email: ateeq@iiu.edu.pk	
٢٣.سنبل أشرف (٠١٠١.PHDIST٢٠١٤١) رجسٹریشن نمبر: ١٤.PhD/LCWU.٢٠٠٥ (باكستانية)	قرآني ابلاغ كا نفسياتي اعجاز اور عصر حاضر كلية لاهور للنساء باكستان Lahore College for Women University, Jail Road Lahore – Pakistan	سلم التقرير إليهم في ٢٠١٨/١٠/١م
٢٤.أم فروة Reg. __١٦٤ - FU/PHD/٢٠١٢ (باكستانية)	"ترجيحات القاضي ثناء الله باني بتي" (المتوفى١٢٢٥هـ) في تفسيره "التفسير المظهري" (من أول سورة الفاتحة إلى نهاية سورة الكهف) جمعا ودراسة تقييمية Faculty of Islamic Studies, (Usuluddin) INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY, ISLAMABAD New Campus, Academic Block, H-١٠, Islamabad. Contact No.٠٠٥١-٩٢٥٧٩٩٩٧ Fax: ٠٥١-٩٢٥٧٩١٥ Email: ateeq@iiu.edu.pk	أرسلت التقرير في ٢٠١٩/٣/٧م
٢٥.نجم الدين كوكب هاشمي Reg. _٣٧١ - FU/PHDTQS/F٣١(باكستاني)	ستدراكات الآلوسي والسعيدي على الفخر الرازي في تفسيريهما (دراسة تحليلية نقدية) من أول سورة الفاتحة الى آخر سورة الأنعام قسم التفسير وعلوم القرآن، كلية الدراسات الإسلامية (أصول الدين) الجامعة الإسلامية العالمية إسلام آباد INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY, ISLAMABAD New Campus, Academic Block, H-١٠, Islamabad. Contact No.٠٠٥١-٩٢٥٧٩٩٧ Fax: ٠٥١-٩٢٥٧٩١٥	أرسلت التقرير في ٢٠١٩/٣/١٠م
٢٦.مظفر علي بن لطف علي Reg. __٢٢٤- FU/PHDIH/S١٥ (باكستاني)	مختصر دراسة التاريخ "لآرنولد جوزيف توينبي" في ضوء فلسفة ابن خلدون دراسة تحليلية ونقدية قسم السيرة والتاريخ الإسلامي، كلية أصول الدين بالجامعة الإسلامية العالمية بإسلام آباد INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY, ISLAMABAD	أرسلت التقرير عنها في ٢٠١٩/٣/٣١م

	New Campus, Academic Block, H-١٠, Islamabad. Contact No.٠٥١-٩٢٥٧٩٩٧ Fax: ٠٥١-٩٢٥٧٩١٥	
٢٧.Majed Mohammad Rafea Aljuhani (سعودي) (Matric: ٤١٦٠٢٦٧)	منهج الحافظ ابن حجر في نقده لمتون السنة من خلال كتابه فتح الباري شرح صحيح البخاري Faculty of Quranic and Sunnah, PUSAT PENGAJIAN SISWAZAH مركز الدراسات العليا *Center for GraduateStudies,* UNIVERSITI SAINS ISLAM MALAYSIA	أرسلت تقريره في ٢٠٢٠/٢/٢٠م وستتم مناقشته في ٢٠٢٠/٣/٢٤م



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي جعل القرآن [illegible] مقاليد [illegible] أعلامًا [illegible] المحفوظ [illegible]

[illegible] من حملة العلوم وورثة الأنبياء العظام والصلوة والسلام على من [illegible]

[illegible]

فإن [illegible] وبعد فإن الأخ الفاضل اللبيب المولوي محمد [illegible] من مضافات [illegible]

قد دخل دار العلوم الديوبندية التي هي مركز العلوم الدينية [illegible] والعشرين من [illegible]

[illegible] من الهجرة النبوية على صاحبها [illegible]

[illegible] الأساتذة [illegible] والآن لما طلب

منا الإجازة أجزناه [illegible] بالله التوفيق بأن يتقي الله سرًا وعلنًا

[illegible] مشتغلا بنشر الأحكام [illegible] مطالعة الكتب [illegible] في ترويج العلوم الدينية وأن يكون متبعًا لآثار السلف الصالحين

مجتنبا عما أحدث المبتدعة من الاختراع في الدين [illegible] على ما مضى عليه القرون المشهود لها بالخير من الصحابة والأئمة المجتهدين

رضوان الله تعالى عليهم [illegible] وأن لا ينسانا في دعواته الصالحة والله الموفق والمستعان وآخر دعوانا أن الحمد لله رب

العالمين [illegible] يوم الأحد العاشر من ربيع الثاني سنة ست وتسعين وثلثمائة وألف من الهجرة النبوية صلى الله على صاحبها وسلم

أسامي الكتب المقروءة

قرأ من علم التفسير وأصوله تفسير الجلالين وتفسير سورة البقرة للقاضي البيضاوي والفوز الكبير ومن علم الحديث وأصوله صحيحي الإمامين الهمامين

البخاري ومسلم وسنن أبي داود والنسائي وابن ماجة والجامع للإمام الترمذي والشمائل له والموطأين للإمامين القدوتين مالك ومحمد

وشرح معاني الآثار للإمام الطحاوي رحمهم الله تعالى ومشكوة المصابيح وشرح نخبة الفكر ومن علم الفقه الهداية بتمامها ومن علم العقائد

والكلام شرح العقائد النسفية ومن علم الفرائض السراجي ومن علم المعقول والفلسفة شرح السلم لمولانا محمد حسن والميبذي

ومن علم التجويد الفوائد المكية وقرأ بعض القرآن مجودًا ومن [illegible] اللغة العربية في الصف الابتدائي والثانوي

إمضاءات المدرسين الكرام والأساتذة العظام بدار العلوم

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي
جامعة أم القرى
كلية الدعوة وأصول الدين
الدراسات العليا

الرقم : ٢٤/٤١٢/ك د
التاريخ : ١/٥/١٤١٣ هـ



وثيقة تخرج

تقرر عمادة كلية الدعوة وأصول الدين بجامعة أم القرى بمكة المكرمة بأن الطالب محمد أبو الليث شمس الدين هندي الجنسية المثبتة صورته أعلاه قد حصل على درجة الدكتوراه في الشريعة الإسلامية فرع الكتاب والسنة بتقدير ممتاز ونوقشت رسالته بتاريخ ٥/٨/١٤١٢هـ الموافق ٨/٢/١٩٩٢م وموضوعها : تحقيق ودراسة الجزء الثامن (من كتاب بيان مشكل الآثار للطحاوي) لذا فقد أعطيت له هذه الوثيقة بعد أن صادق مجلس الجامعة على منحه الدرجة العلمية في جلسته ١٦٩ بالتفويض بتاريخ ١٥/١/١٤١٣ هـ والله الموفق

عميد كلية الدعوة وأصول الدين
د/ علي بن نفيع العلياني

يعتمد .. مدير الجامعة
د/ راشد الراجح

الختم الرسمي
تمر كشط في هذه الوثيقة يبطلها

المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي
جامعة أم القرى
كلية الشريعة والدراسات الإسلامية
قسم الدراسات العليا

الرقم : ١٣/٤/٥/١٣ش
التاريخ : ١/٢/١٤١٢هـ

بسم الله الرحمن الرحيم



وثيقة تخرج

تقرر عمادة كلية الشريعة والدراسات الإسلامية بجامعة أم القرى بمكة المكرمة بأن الطالب محمد أبو الليث شمس الدين هندي الجنسية المثبتة صورته أعلاه قد حصل على درجة الماجستير في الشريعة الإسلامية فرع الكتاب والسنة بتقدير ممتاز ونوقشت رسالته بتاريخ ١٤٠٥/٤/٤هـ الموافق ١٩٨٤/١٢/٢٦م وموضوعها : تحقيق وتخريج كتاب الزهد للإمام الزاهد هنّاد بن السري المتوفى سنة ٢٤٣ هجرية) لذا فقد أعطيت له هذه الوثيقة بعد أن صادق مجلس الجامعة على منحه الدرجة العلمية في جلسته السابعة بتاريخ ١٤٠٥/٥/١٣هـ الموافق ١٩٨٥/٢/٣م والله الموفق

عميد كلية الشريعة والدراسات الإسلامية
١٤١٢/٢/١٣
د/ عابد محمد السفياني

يعتمد.. مدير الجامعة
د/ راشد الراجح

كل كشط في هذه الوثيقة يبطلها

بسم الله الرحمن الرحيم

الإجازة العالية

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه، أما بعد:

فإن رئيس الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة يشهد بأن الشيخ محمد أبو الليث من الهند

المولود في خيرآباد أعظم كره يوبي عام ١٩٥٣م قد أتم الدراسة العالية في كلية الحديث الشريف والدراسات الإسلامية

ونجح في امتحانها النهائي بتقدير عام ممتاز عام ١٣٩٩/١٤٠٠هـ الموافق ١٩٧٩/١٩٨٠م وبناء على ذلك

قرر مجلس الجامعة منحه درجة الإجازة العالية "الليسانس" من كلية الحديث الشريف والدراسات الإسلامية

ورئيس الجامعة إذ يمنحه هذه الشهادة يوصيه بتقوى الله تعالى ويسأل الله عز وجل أن يسلك به

سبيل العلماء العاملين.

رئيس الجامعة بالنيابة — عميد الكلية

(الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة — إدارة الامتحانات)

سجلت برقم ٢ وتاريخ ١٤٠٠/٧/٢٧

توقيع حامل الشهادة

د. عبد الله بن عبد الله الزايد — محمد أمان علي جامي

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي

جامعة أم القرى
عمادة القبول والتسجيل

شهادة تفوق

يسر جامعة أم القرى أن تمنح هذه الشهادة تقديراً منها للجهود التي بذلها

محمد أبو الليث شمس الدين للحصول على درجة **الماجستير**

في **الكتاب والسنة** بتقدير عام **ممتاز** وترتيبه ــــــ بالفصل **الأول** ١٤٠٥هـ

على الدفعة المتخرجة في مجال تخصصه. متمنين له مزيداً من التوفيق والنجاح في حياته العملية.

والله ولي التوفيق،

حرر في ١٣ / ٥ / ١٤٠٥هـ
٣ / ٢ / ١٩٨٥م

مدير الجامعة

د. راشد الراجح

١٤٢١/٥/١٢

بسم الله الرحمن الرحيم

المملكة العربية السعودية
وزارة التعليم العالي

جامعة أم القرى
عمادة القبول والتسجيل

شهادة تفوق

يسر جامعة أم القرى أن تمنح هذه الشهادة تقديرًا منها للجهود التي بذلها
محمد أبو الليث شمس الدين للحصول على درجة الدكتوراه
في الكتاب والسنة بتقدير عام ممتاز وترتيبه ـــــ بالفصل الثاني ١٤١٢هـ
على الدفعة المتخرجة في مجال تخصصه. متمنين له مزيدًا من التوفيق والنجاح في حياته العملية.
والله ولي التوفيق ،

حرر في ١٥ / ١ / ١٤١٣هـ

مدير الجامعة
د. راشد الراجح



کچھ مصنف کے بارے میں

نام : محمد ابو اللیث بن شمس الدین

ولادت : ۲۸/ اکتوبر ۱۹۵۳ء، بمقام خیرآباد ضلع مئو [سابقہ ضلع اعظم گڈھ]

تعلیم : از ابتداء تا عربی چہارم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد (۱۹۶۵ء تک) عربی پنجم حیات العلوم مرادآباد: (۱۹۶۶ء) دارالعلوم دیوبند: عربی ششم، ہفتم اور دورۂ حدیث (۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۹ء)

مدینہ یونیورسٹی: ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۰ء۔ جامعہ ام القریٰ: ۱۹۸۰ء تا ۱۹۹۳ء

تدریس : بیت العلوم مالیگاؤں: ۶/ ماہ (اواخر ۱۹۷۰ء تک) مدرسۃ الاصلاح سرائمیر: ۷/ سال (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۶ء) انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا ۲۸/ سال (جولائی ۱۹۹۳ء سے تا حال)

جولائی ۱۹۹۳ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کی عہدے پر تقرری ہوئی، مارچ ۲۰۰۱ء میں اسوسیٹ پروفیسر کے عہدہ پر ترقی دی گئی، جنوری ۲۰۰۹ء میں فل پروفیسر بنائے گئے۔ اس وقت پروفیسر کے ساتھ ساتھ "كرسى جمل الليل للسنة" کے چیر ہولڈر بھی ہیں۔

تصانیف : تخريج الحديث، إتجاهات في دراسات السنة قديمها وحديثها، رحيق التفاسير (یہ تینوں کتابیں آپ کی یونیورسٹی میں داخل درس ہیں) علوم الحديث أصيلها ومعاصرها، أسس النظام المالى والاقتصادى فى القرآن، إعفاء اللحية ومقدارها بين النص والتطبيق. معجم مصطلحات الحديث وعلومه وأشهر المصنفين فيه، المرويات فى ليلة النصف من شعبان فى ميزان النقد الحديثى، المرويات فى التوسعة على العيال يوم عاشوراء فى ميزان النقد الحديثى، علامات الترقيم: شكلها وطريق استعمالها، شرح الأربعين النووى (غير منشور) ان کے علاوہ مزید کتب اور سیکڑوں مقالات ہیں۔

عہدے و مناصب : مختلف یونیورسٹیوں کی تعلیمی کمیٹی کے رکن، اور کئی اداروں کے مشیر اور شوریٰ کے رکن ہیں، تفصیل کتاب میں موجود ہے۔

Edited Edition

ISBN 978-93-91105-10-5

مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

MAKTABA ZIAUL KUTUB

Khairabad-276403 Mau,UP Mob: 9235327576

₹ 300/-